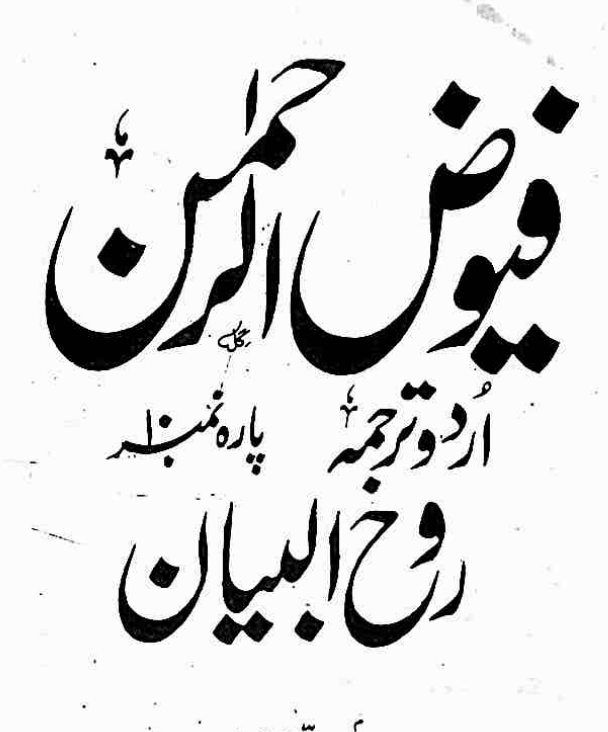


مصنف

حضرت علامہ سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالی

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ــــــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان پارہ نمبر ۱۰

مصنّف ــــــــــــ حضرت علاّمہ اسماعیل حقّی قدس سرّہٗ

مترجم ــــــــــــ حضرت علاّمہ محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہٗ

سن طباعت ــــــــــــ بار سوم اگست ۱۹۹۶ء

مصحح ــــــــــــ چوہدری مشتاق احمد خاں لاہور

ناشر ــــــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور پاکستان

باہتمام ــــــــــــ صاحبزادہ عطاالرسول اویسی رضوی

فہرست مضامین پارہ نمبر ۱۰



وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

ترجمہ : اور جان لو جو کچھ تم نے غنیمت سے حاصل کیا ہے تو اس کے کل سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں، اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا (سوال) یہ اَنَّ لُغۃ نہیں بلکہ عاملہ اور مَا موصولہ ہے۔ بنا بریں انہیں علیحدہ لکھنا تھا جیسے دوسری آیت (اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ) میں دونوں علیحدہ لکھے گئے ہیں۔ (جواب) چونکہ مصحف عثمانی میں یونہی لکھا ہے اور رسم الخط میں ان کی اتباع ضروری سمجھتے ہوئے ایسے ہی ملا کے لکھا گیا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ بے شک وہ جو غَنِمْتُمْ تم نے کافروں پر قہر و غلبہ حاصل کیا ہے (اَلْغُنْمُ بمعنی اَلْفَوْزُ بِالشَّيْءِ) کسی شے کے حصول میں کامیاب ہو جانا اور (اَلْغَنِيْمَةُ) ہر وہ کامیابی جو دشمن سے ملے اب وسعت دے کر دشمنوں سے جو شے بھی حاصل ہو گی اسے غنیمت کہا جائے گا۔ حصول کا طریقہ جیسا بھی ہو۔ (مسئلہ) فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک یا دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہو کر کفار سے کچھ مال و اسباب لوٹ لائیں تو ان سے خمس نہیں لیا جائے گا، اس لیے کہ غنیمت وہ ہے جو قہر و غلبہ کے طور کفار سے حاصل ہو نہ یہ کہ جو مال ان سے جھپٹ کر یا چوری کر کے حاصل کیا جائے۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس مال سے بھی خمس لیا جائیگا مِنْ شَيْءٍ یہ مَا غَنِمْتُمْ کے مَا موصولہ کے عاید محذوف سے حال ہے۔ یہ دراصل مَا غَنِمْتُمُوْهُ تھا۔ یعنی غنیمت سے جو کچھ بھی حاصل ہو درآنحالیکہ اس پر شے کا اطلاق ہو سکے۔ یہاں تک کہ تاگہ، سوئی جیسی اشیاء حاصل ہوں تو وہ بھی غنیمت میں شامل ہوں گی۔ (مسئلہ) جب امام اعلان کرے کہ مقتول کا مال قاتل کو انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ پھر کوئی مسلمان مجاہد کسی کافر حربی کو قتل کر کے اس کا مال لائے تو وہ غنیمت میں شامل نہ ہوگا، بلکہ اسی قاتل کے حوالہ کیا جائے گا۔ (مسئلہ) قیدیوں کے متعلق امام وقت کو اختیار ہوگا کہ وہ جو چاہے ان سے کرے۔ (مسئلہ) وہ زمین جو مال غنیمت کے طور پر قبضہ میں آئی ہے اس کا اختیار بھی امام کو ہے۔

(شانِ نزول) آیت بدر میں نازل ہوئی۔ (فائدہ) مالِ غنیمت سے خُمس لینے کا حکم غزوۂ بنی قینقاع میں یعنی غزوۂ بدر کے بعد نازل ہُوا۔ ان دونوں غزوات کے درمیان ایک ماہ تین دن کا فاصلہ ہے۔ اور یہ حکم ۵ا شوال ۲ھ میں نازل ہوا۔ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یہ مبتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ دراصل یہ عبارت یُوں ہے: حُكْمُهٗ ثَابِتٌ فِيمَا شَرَعَهُ اللّٰهُ الخ یعنی اُس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمایا کہ بے شک مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ فَالْحُكْمُ اَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ یعنی حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ ہے۔ الخُمُسُ بمعنی پانچواں حصہ۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رشتہ داروں کے لیے ہے۔ (سوال) لام جارہ لذی القربیٰ میں کیوں مکرر لائی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے بعد کے جمیع اصناف ثلاثہ میں لام کا اعادہ نہیں۔ (الجواب) تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قرابت والے قربِ اتصال کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے سہم میں مشترک ہیں بلکہ ان کا حصہ اپنا ہے اور ان کا اپنا۔ (فائدہ) ذوی القربیٰ سے بنو ہاشم اور بنو المطلب مراد ہیں۔ اس میں بنو شمس و بنو نوفل شامل نہیں۔

حضور علیہ السلام کے نسب نامہ کا مختصر تعارف حضور علیہ السلام کا نسب نامہ یُوں ہے: سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ــــ حضرت عبد مناف کے چار صاحبزادے تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل ــــ اور حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے تھے: (۱) عبدالمطلب (۲) اسد ــــ حضرت عبدالمطلب کے دس صاحبزادے تھے: (۱) حضرت عبداللہ (۲) ابوطالب (۳) حمزہ (۴) عباس (۵) ابولہب (۶) حارث (۷) زبیر وغیرہم۔ ان سب کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ سب کے سب حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔

قریش کا مختصر تعارف عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔ نضر کی تمام اولاد کو قریشی کہا جاتا ہے۔ کنانہ کی تمام اولاد قریشی نہیں بلکہ قریشی وُہ ہوں گے جو حضرت نضر سے متعلق ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریش وہ قبیلہ ہے جن کا نسب پدری حضرت نضر سے ملتا ہے۔ (نکتہ) بنو ہاشم و بنو المطلب کو حضور علیہ السلام کی قرابت سے متعلق کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور علیہ السلام کا جاہلیت اور اسلام میں زیادہ ساتھ دیا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طریقوں سے ذی قرابت ہُوئے، یعنی نسباً بھی اور دُکھ سُکھ کے ساتھی ہونے کے لحاظ سے بھی بنا بریں صرف انھیں خمس سے حصہ ملا۔ (نکتہ) اگرچہ بنو عبد شمس و بنو نوفل قرابت میں بنو المطلب کے قریب ہیں۔ لیکن خمس سے اس لیے محروم ہو گئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اسلامی اخوت اور دُکھ سُکھ کی شرکت میں اُن کے اکثر لوگ محروم رہے۔ وَالْيَتٰمٰى یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ہر وہ بچہ یا بچی جس کا باپ اُس کے سنِ بلوغ سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔ وَالْمَسٰكِيْنِ یہ مسکین کی جمع ہے۔ مسکین وہ ہے جسے ضعف و کمزوری نے حاجت پوری کرنے سے بٹھا دیا ہو۔ یعنی وہ مسلمان جو فاقہ و حاجات

ضرور یہ میں گھرے ہُوئے ہوں ۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور وُہ مسافر جو اپنے گھر بلو مال و دولت سے دور ہو۔(فائدہ) کاشفی نے کہا کہ ابن السبیل مسافر مسلمان یا وہ غریب الدیار لوگ جو مسلمانوں کے ہاں مہمان ہو کر ٹھہریں ۔(فائدہ تفسیریہ) یہ لام استحقاق کی ہے جو مال غنیمت کے خمس کے بیان میں واقع ہُوئی ہے ۔ اس کے ظاہر معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت کے چھ مصارف ہیں لیکن جمہور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک و تعظیم کے لیے ہے ورنہ اسے غنیمت کی کیا ضرورت ۔ یعنی کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسم مقدس سے ہوا تاکہ کلام متبرک ہو جائے ورنہ اسے غنیمت کی کیا حاجت ۔ بلکہ ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے ۔ اسی لیے خمس کا چھٹا حصہ نہیں نکالا جائے گا کہ اس سے چھٹا حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کے نام علیحدہ کر کے اس کے گھر (کعبۃ اللہ) کو تیار کیا جائے یا کسی مسجد کو بنایا جاتے ۔ اس لیے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی گھر کہلاتی ہیں ۔ جیسا کہ بعض علماء کرام نے اسی قول کو لے کر اللہ تعالیٰ کا مصرف کعبہ اور مساجد کو بنایا ہے ، یا یُوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اُس کے رسول علیہ السلام کے حصہ میں ملایا جاتے ۔ جیساکہ دیگر بعض علماء کرام کا یہی مذہب ہے لیکن قول وہی صحیح ہے جو جمہور کا ہے ۔ (فائدہ) غنیمت سے حضور علیہ السلام کا حصہ آپ کے وصال کے بعد ختم ہو گیا ۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی ۔(تکملہ) ابن الشیخ نے فرمایا کہ جیسے آپ کی رسالت کے بعد آپ کی رسالت کا کوئی حقدار نہیں ، اسی طرح آپ کے سہم کا کوئی حقدار نہیں ۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے ۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا سہم تاحال باقی ہے ۔ لیکن اسے عامۃ المسلمین کی ضروریات پر خرچ کیا جائے ۔ یا ان امور پر جن میں اسلام کی قوت و طاقت کا اضافہ ہو ۔ (فائدہ) اسی طرح حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کا حصہ بھی حضور علیہ السلام کے بعد ساقط ہو گیا ۔ اگر اب انہیں غنیمت وغیرہ سے کچھ دیا جائے تو ان کے فقر و احتیاج کے پیشِ نظر ، حضور علیہ السلام کی قرابت کی وجہ سے نہیں ، اس لیے کہ قرابت کا حصہ حضور علیہ السلام کی وجہ سے تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام ان حضرات کے ہر غنی و فقیر کو غنیمت سے عطا فرمایا کرتے ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ وُہ غنی تھے اتنا مال کثیر عنایت کرتے تھے کہ وُہ مال اٹھاتے وقت دوسروں کی مدد کے خواہشمند ہو جاتے ۔ خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کے ذی قرابت دوسرے فقراء کی طرح نہیں ، صرف ان کی رعایت ضروری ہے کہ دوسروں سے اُنھیں مقدم رکھا جاتے ۔ لیکن اُن کے اغنیاء کو نہیں دیا جائیگا (مسئلہ) حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تمام صدقات یعنی فرائض و نوافل بنی ہاشم کو دینا جائز فرمایا ہے اور حرمت حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس تک تھی ۔ اس لیے کہ انھیں خمس کا خمس ملتا تھا ۔ جب خمس الخمس حضور علیہ السلام کے وصال سے ساقط ہو گیا تو اب ان کے لیے ہر طرح کے صدقات حلال ہو گئے ۔ کذا فی شرح الآثار ۔ امام طحاوی نے فرمایا ، ہم جواز کے قائل ہیں[1]۔ (فائدہ) جب دو سہم ساقط ہُوئے یعنی اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور حضور علیہ السلام کے قرابت والوں کے اسہام تو آج مال غنیمت تین حصوں پر منقسم ہوگا ، اور انہیں تین قسموں پر صرف کیا جائے گا ، (۱) یتامیٰ (۲) مساکین (۳) ابناء السبیل ۔ باقی حصص غانمین پر منقسم ہوں گے ۔ دو دو حصے سواروں کے اور ایک ایک حصہ پیدل مجاہدین کو دیا جائے گا ۔(فائدہ) حیوٰۃ الحیوان

---

[1] یہ قول مرجوح ہے ۔ اسی لیے کہ یہ امام طحاوی کا اپنا عندیہ ہے ۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ
تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ○
إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ
فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ
إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ
مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ○

ترجمہ : جب تم میدانِ بدر میں اس کنارے پر تھے اور کافر پرلے کنارے پر۔ اور ابوسفیان کا قافلہ تمہارے نیچے کی طرف کو تھا۔ اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور تم وعدہ کے مطابق پورے نہ اُترتے لیکن تاکہ جو ہونا تھا اللہ تعالیٰ اسے پورا کرے تاکہ جو ہلاک ہو تو دلیل سے اور جو زندہ ہو تو دلیل سے ہو اور بیشک اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔ اے پیارے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! جب اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھاتا تھا اور اگر اے لوگو! تمہیں کافروں کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور بزدل ہو جاتے اور اس معاملہ میں تم آپس میں جھگڑتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچا لیا بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور لڑائی کے وقت جب تمہیں کافر تھوڑے کر کے دکھلائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا تاکہ جو کام ہونا تھا اسے اللہ تعالیٰ پورا کرے اور جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

میں ہے کہ ہاتھی کا سوار بہ نسبت گھوڑے کے سوار کے دشمن کو زیادہ زخمی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے حصص برابر ہونگے۔

(مسئلہ) تین مذکورہ یعنی یتامٰی و مساکین و ابن السبیل مصارفِ غنیمت بحیثیت استحقاق کے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تمام مال یعنی اُن ہرسہ مستحقین کے حصص صرف ایک کو دیے جائیں تو جائز ہے۔ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ اس کا متعلق یعنی جزاء محذوف ہے۔ جس پر وَاعْلَمُوا دلالت کرتا ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی: إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَاعْلَمُوا الخ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے خمس کا مستحق مذکورہ بالا لوگوں کو بنایا ہے۔ فلہٰذا انھیں ان کے حقوق سپرد کر دو، اور تم اس میں ذرہ برابر بھی طمع نہ رکھو۔ حصص اربعہ باقیہ تمہارے لئے ہیں اور وہی تمہارے لیے کافی ہیں۔ (سوال) تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہاں پر إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ کی جزاء محذوف ہے۔ (جواب) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعْلَمُوا کا امر صرف عمل کے لیے دیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے امور کا صرف جاننا مقصود نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ وَمَا أَنْزَلْنَا اس کا عطف باللہ پر ہے۔ یہ در اصل وَبِمَا أَنْزَلْنَا تھا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ عَلٰی

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

عَبْدِنَا ہمارے عبد مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے آیات اور حضور علیہ السلام کی نصرت الٰہی مُراد ہے علاوہ ازیں انزال سے مجرد ایصال وتیسیر مراد بھی ہے اس طرح سے انتظام حقیقی سب کو شامل ہوگا۔ یَوْمَ الْفُرْقَانِ یہ انزلنا کی ظرف ہے۔ اس سے بدر کا دن مراد ہے۔ اس لیے کہ اسی دن حق و باطل کا امتیاز کیا گیا کہ اہلِ اسلام کو فتح ونصرت نصیب ہُوئی اور کفار کو شکست اور ذلت وخواری۔ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اس دن دو جماعتیں ٹکرائیں یعنی مسلمان اور کافر لڑائی میں ایک دُوسرے کے بالمقابل ہُوئے۔ یہ ظرف اول سے بدل ہے وہ جمعہ کا دن اور ۱۹ ار رمضان المبارک ۲ھ تھا۔ یہی پہلا معرکہ جنگ تھا جس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کلمۂ حق اور دین کی بلندی کے لیے خود بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر اور کمزوروں کو قوت والوں پر غلبہ بخشتا ہے جیسے اس نے اسے مسلمانو! تمہیں کافروں ومشرکوں پر فتح ونصرت عطا فرمائی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا جب تم اترے اس وادی کے کنارے پر جو مدینہ طیبہ کے قریب تر تھی۔ یہ یَوْمَ الْفُرْقَانِ سے دوسرا بدل ہے وَهُمْ اور تمہارے دشمن نازل ہُوتے بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اسی کنارے پر جو مدینہ طیبہ سے بعید تھا۔ اس سے وہ جانب مراد ہے جو مکہ معظمہ کے قریب تھی (حل لغات) اَلْعُدْوَة وادی کے کنارہ کو کہا جاتا ہے ۔ وہ اس لیے کہ عُدْوَةٌ بمعنی تجاوز ہے۔ اور چونکہ یہ وادی سے متجاوز ہو کر پانی کو اپنے سے آگے جانے سے روکتی ہے۔ بنابریں اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اَلدُّنْيَا دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا سے مشتق ہے اور اَلْقُصْوٰى، قَصَا الْمَكَانَ يَقْصُوْ قُصُوًّا سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس مکان سے دُور ہو جائے۔ (سوال) قانون کا تقاضا ہے کہ اَلْقُصْيَا الدُّنْيَا کی طرح ہو۔ یعنی اس کی واؤ کو یاء سے تبدیل کیا جائے۔ یہ قانون جاری نہیں کیا گیا اس کی کیا وجہ ہے۔ (جواب) قَوَدٌ کی واؤ کی طرح اسے اپنے حال پہ چھوڑا گیا ہے (تا کہ یہ اپنے دوسرے ہم جنسوں پر دلالت کرے کہ وہ بھی اس کی طرح واوی تھے۔ وَالرَّكْبُ یہ رَاكِبٌ کی جمع ہے جیسے صَحْبٌ صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ راکب ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اونٹ کا سوار ہو جیسے فارس گھوڑے کے سوار کو کہا جاتا ہے۔ یہاں پر مطلق قافلہ مراد ہے یعنی وُہ قافلہ جو شام سے مکہ معظمہ کو جا رہا تھا یا اس کے قائدین مراد ہیں۔ یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی جو سب کے سب اونٹوں پر سوار تھے۔ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اس جگہ نازل ہوئے جو تمہاری جگہ سے نیچے تھی اور وُہ دریا کے کنارے پر مسلمانوں سے تین میل کے فاصلے پر اُترے اور اَسْفَلَ اگرچہ منصوب علی الظرفیۃ یعنی مفعول فیہ ہو کر مبتدا کی خبر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ لیکن درحقیقت لفظ مکان محذوف کی صفت ہے اور یہ سالم جملہ سابق ظرف سے حال ہے۔ خلاصہ یہ کہ واضح کرنا ہے کہ اس وقت دشمنانِ اسلام بڑی قوت اور طاقت کے مالک اور مسلمان نہایت کمزور تھے۔ (نکتہ) ہر دونوں فریقوں کے مرکز بیان کیے تو بات خود واضح ہوگئی اس لیے کہ جہاں مسلمان اترے وُہ زمین ریتلی تھی کہ چلتے وقت پاؤں ریت میں دھنس جاتے اور بڑی مشکل سے چلا جاتا۔ اور وہاں ضرورت پُوری کرنے کے لیے پانی بھی نہیں تھا۔ بخلاف عُدْوَةُ قُصْوٰى کے، یعنی جہاں کفار اُترے وہ زمین بھی اچھی تھی اس میں سایہ دار درخت بھی تھے اور پانی کے علاوہ

ضرورت کی ہر شے مہیا ہوجاتی تھی۔ان دونوں کے اُترنے کی کیفیت بیان کرنے سے اُن ہر دونوں کے ضعف وقوت کا پتہ چلتا ہے تاکہ سب کو یقین ہو کہ اسلام کی فتح محض فضلِ ربانی سے ہُوئی ورنہ ظاہری طور حال کمزور تھا۔(فائدہ) اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ غزوۂ بدر میں معجزانہ طور اہلِ اسلام کو غلبہ نصیب ہُوا تاکہ خارقاً للعادۃ[ع] ان کے ایمان و شکر میں اضافہ ہو۔ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے۔اس سے مجاہدین مراد ہیں۔یعنی تم اے مجاہدو! اپنا اور کفار کا حال معلوم کرلیتے۔ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ تو وعدہ میں ضرور مختلف ہوتے اور کفار کی ہیبت سے وقت پر برابر نہ پہنچتے اور ان پر فتحیابی سے مایوس ہوجاتے۔ وَلٰكِنْ لیکن نہ تم مختلف ہُوئے اور نہ ہی وقت پر پہنچنے سے پیچھے رہے بلکہ دل جمعی سے تم اکٹھے ہوگئے لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ تاکہ اللہ تعالیٰ پورا کرے اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وہ کام جو لامحالہ ہونا ہے۔یعنی اہلِ اسلام کو فتح و نصرت اور دشمنانِ اسلام کو شکست و ہزیمت ہوئی حکمت کے تقاضا پر جو کچھ ہونا تھا وہ ضرور ہوا تاکہ معلوم ہو کہ حکمت کا تقتضا ضرور ہو کر رہنا ہے لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ یہ لِيَقْضِيَ سے بدل ہے۔جیسے عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ میں عَمَّا بمعنے بعد ہے۔اب معنی یہ ہوا تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک ہو۔بعد مشاہدہ کرنے واضح دلیل کے یعنی دلیل دلالت کرنے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے اور اس کی حقانیت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں یعنی اسلام سے محروم ہونے والوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر قسم کا عذر غیر مسموع ہوگا وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ اور جو زندہ رہے تو دلیل سے زندہ رہے یعنی انھیں ایسا مشاہدہ نصیب ہُوا کہ اس کا یقین مضبوط اور ایمان مکمل ہوگیا۔اسی لیے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ حقانیتِ اسلام کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے۔اِس کے بعد جو بھی کفر میں پھنسا رہا تو وہ سرکشی اور حق سے عمداً منہ موڑنے والا ہوگا۔اسی لیے کہ جب اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی تو پھر انکار سوائے سرکشی اور ہٹ دھرمی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔یاد رہے کہ یہاں مَنْ هَلَكَ سے وہ شخص مراد ہے جو ہلاکت کے گھاٹ اُترنے والا اور حَيَّ سے جو آئندہ زندہ رہنے والا ہے۔(فائدہ) سعدی چلپی نے فرمایا کہ یہاں غزوۂ بدر کے مشاہدہ کے بعد دائمی حیات مراد ہے۔اسی تقریر پر شارفۃ فی الحیاۃ کا معنیٰ ثابت ہوا یعنی اسے مشاہدہ ہوا جو واقعہ بدر کے بعد زندہ رہا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور سنتا جانتا ہے۔کافر کے کفر اور اس کے انجام اور مومن کے ایمان اور اس کے ثواب کو۔

(نکتہ) یہاں پر صفت سمیع و علیم کو اکٹھا بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کفر و ایمان کا تعلق زبان اور دل دونوں سے ہے۔یعنی یہ دونوں قول و اعتقاد پر مبنی ہیں اور یہ سمع و علم سے متعلق ہیں۔اسی لیے یہاں پر یہ دونوں صفتیں لائی گئیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بدر سے پہلے ایک خواب جسے ما فی الغد کا علم کہا جائے

منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب (کہ جس کی صبح کو غزوۂ بدر ہونا تھا) خواب میں دیکھا کہ قریش (کفار) کا لشکر بالکل تھوڑا اور نہایت ذلیل ہے۔آپ نے اس کی تعبیر بتائی کہ اہلِ اسلام کو فتح و نصرت اور غلبہ اور کفار کو شکست و ذلت ہوگی۔یہ تعبیر سُن کر مسلمان بہت خوش ہُوئے۔

[ع] خلاف عادت یعنی معجزہ وغیرہ ۱۲ = اویسی غفرلہ

اللہ تعالیٰ نے اسی نعمت کی یاد دہانی فرمائی کہ اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ تمہیں تمہارے دشمن اللہ تعالیٰ دکھاتا تھا۔ فِیْ مَنَامِكَ یہ مصدر میمی ہے بمعنے نوم یعنی آپ کو خواب میں قَلِیْلًا یہ یُرِیْکَهُمْ کے مفعول ثانی یعنی هُمْ سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ تھوڑے نظر آتے تھے۔ (فائدہ) یہاں اِرَاءَةً سے رویت بصری مراد ہے۔ اس لیے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف سے متعدی ہوا ہے۔ (حدیث شریف) حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کفارِ قریش تھوڑے کرکے دکھائے اور آپ نے وہی خواب اپنے صحابہ کو بتایا۔ اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حق پر مبنی ہے۔ اس وقت وہ تھوڑے بھی تھے لیکن خواب سے ان کے دل مضبوط ہوگئے وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا اور اے مسلمانو! اگر تمہیں وہ کفار بہت کرکے دکھاتا لَّفَشِلْتُمْ تم بزدلی کرکے جنگ کی صفوں سے پیچھے ہٹ جاتے۔ (حل لغات) حدادی نے فرمایا کہ اَلْفَشَلُ بمعنی اَلضُّعْفُ مَعَ الْوَجَلِ یعنی خوف کے مارے کمزور ہوجانا۔ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور جنگ کے معاملہ میں جھگڑا کھڑا کر دیتے۔ یہاں امر بمعنے جنگ کا معاملہ ہے یعنی تمہارے آراء مختلف ہوجاتے۔ کوئی کہتا جنگ پر چلنا چاہیے اور کوئی کہتا ایسی بڑی طاقت والوں سے راہِ فرار اختیار کرنی چاہیے۔ اَلتَّنَازُعُ بمعنی دو انسانوں کا آپس میں کسی معاملہ میں جھگڑنا۔ تو ہر ایک دوسرے کو اپنی رائے کی طرف کھینچے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا یعنی تمہیں بزدلی اور جھگڑا سے صحیح سالم رہنے کی نعمت بخشی اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک وہ اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ جرأت کون کرے گا اور بزدلی کون دکھائے گا اور کون صبر کرے گا اور کون جزع فزع کرے گا۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ کی حقیقت دکھا دی۔ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اس کی دونوں ضمیریں یعنی كُمْ خطاب اور هُمْ، یری کا مفعول ہیں اور یُرِیْ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اور اے صحابہ کرام! یاد کرو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کافر دکھائے۔ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ جبکہ تم آپس میں ملے تمہاری نظروں میں درانحالیکہ وہ قَلِیْلًا تھوڑے تھے۔ (اعجوبہ) جنگ کے دوران کفار اہلِ اسلام کو گنتی کے چند نظر آتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قریبی ساتھی سے فرمایا کہ دیکھو وہ تو کل ستر ہزار ہیں۔ ساتھی نے کہا مجھے زیادہ سے زیادہ ایک سو نظر آتے ہیں حالانکہ اُس وقت ایک ہزار یا نو سو پچاس تھے۔ یہ قلت اللہ تعالیٰ نے اس لیے دکھائی تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور ان کے دل مضبوط ہوں۔ اور ساتھ ہی پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب مبارک کی تصدیق بھی ہوجائے۔ ان کا خواب وحی الٰہی تھی اس میں کسی قسم کا شک اور وہم و گمان نہیں ہوسکتا۔ وَیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ اور تمہیں بھی ان کی نگاہوں میں تھوڑا کرکے دکھایا۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی اُكُلَةَ جَزُوْرٍ ہیں۔ یعنی گنتی کے چند ہیں۔ یہ مثال اس شے کے لیے بول دیتے ہیں جو نہایت قلیل ہو۔ یعنی وہ اتنا قلت میں ہیں کہ صرف ایک اونٹ کے گوشت سے ان کا پیٹ بھر جائے۔ (نکتہ) مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھانے میں یہ حکمت تھی تاکہ وہ جنگ سے پہلے مقابلہ میں جم جائیں اور انھیں معمولی سمجھ کر خصوصی اہتمام نہ کریں اور معمولی سا سامان لے کر میدانِ جنگ

یں آئیں۔ پھر جب جنگ میں کود پڑے تو مسلمان انہیں زیادہ تعداد میں نظر آنے لگے۔ یہاں تک کہ انہیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے دوہری ہے۔ اس اچانک کی کثرت سے مبہوت ہوگئے اور ان کے دل یک لخت ٹوٹ گئے۔ (نکتہ) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِہِمْ میں نکتہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو صرف ظاہری آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اور اہلِ ایمان کی کثرت اور قلبی طاقت اور ان کی ملائکہ کی مدد سے اندھے تھے۔ اس لیے کہ ان کی بصیرتیں اور قلبی طاقتیں مٹ چکی تھیں اور ساتھ ہی یہ بھی مقصود تھا کہ وہ اہلِ ایمان کی حقیقی طاقت کو دیکھ کر جنگ سے بھاگ نہ جائیں جیسے ابلیس ملائکہ کی مدد کو دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔

حکایتِ ابلیس شیطان سراقہ کی شکل میں غزوۂ بدر میں حاضر ہوا تھا لیکن جب وہ بھاگنے لگا تو کفار نے پوچھا، کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا، جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ رہے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا "تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام پورا کرے جو ہونا ہے۔" (سوال) اس جملہ کا تکرار کیوں، حالانکہ تکرارِ کلام بلاغت کے منافی ہے۔ (جواب) جب حیثیت مختلف ہو تو المادہ تکرارِ کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہاں پر اہلِ اسلام و کفار کی حیثیت فعل معلل بہ کی وجہ سے مختلف ہے۔ حالت مذکورہ میں فریقین کا جمع ہونا پہلے کا معلل بہ ہے اور ہر دونوں کا ایک دوسرے کو قلیل سمجھنا دوسرے کا۔ قاعدہ ہے کہ حیثیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس جملہ کا مکرر لانا ضروری ہوا۔ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور کا رجوع ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے نہ اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی اسے مجبور کر سکتا ہے۔ (فائدہ) اس میں تنبیہ ہے کہ دنیا کے جملہ امور غیر مقصود ہیں بلکہ اس کے تمام امور سعادت اخرویہ کے وسائل ہیں اور انہی کی بدولت رضائے الٰہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں چند لطیف اشارات ہیں: (۱) ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ دراصل یہی دین کی غنیمتیں ہیں، اور ان میں اعلیٰ اور مکمل ترین توحید ہے۔ اس لیے یہ رکن خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور باقیوں میں جوارح کو دخل ہے۔ (سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادات کے غنایم اور ان کے جملہ متعلقہ معارف و کمالات (جو اللہ والوں (عارفین کاملین) کو نصیب ہوئے) کو حاصل کرنے کی جد و جہد کرے تاکہ اس کی روح اور جملہ اعضاء محرومی سے بچ کر پورے طور پر محفوظ ہو جائیں۔ "تاویلات نجمیہ میں ہے، وَاعْلَمُوْٓا الخ یعنی اے عبادت گزار بندو! جو کچھ تمہیں رفع حجابات کے وقت انوار مشاہدات و اسرار اور مکاشفات نصیب ہوں تو ان میں سے چار حصے تمہارے لیے ہیں کہ تم انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ لیکن اغیار سے مخفی رکھو۔ ؎

داند دیو شد بامر ذوالجلال
کہ نا باشد کشف راز حق حلال

ترجمہ: شیطان کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے رازِ حق نصیب نہیں ہوگا۔

اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مخلص ہو کر اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تابع ہو کر خرچ کرو اور رشتہ داروں کے لیے دینی

بھائیوں کے لیے خدا کی دوستی کی بنا پر اور یتامٰی سے اہلِ طلب مراد ہیں جن سے اُن کے مشایخ غائب ہیں اور وہ بلے چارے حدِ کمال تک نہیں پہنچ سکے اور مساکین سے وُہ طالب صادق مراد ہیں جو ارادت وعقیدت کے ہاتھ سے تمہارے ارشاد و رہبری کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں" وابن السبیل" اس سے مراد وہ عوام ہیں جو سلوک کی راہوں سے بیخبر ہوکر تمہارے ہاں حاضر ہوتے ہیں توان کی صدقِ نیّت اور حسنِ ارادت اور سچّی طلب اور حقیقی استعداد اور ان کے استحقاق کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور ان کی سیرت اور طریقہ پر چلنے کی وجہ سے ان کے حقوق ادا کرو۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے جیسے غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام اور کفار کو اسی حالتِ مذکورہ میں جمع فرمایا تاکہ اُن کے اجتماع سے اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت واضح ہو اسی طرح ارواح ونفوس کو ایسے ہیاکل وقوالب میں جمع فرمایا کہ اگر وُہ اپنی اصلی حالت پر علیحدہ علیحدہ رکھتے اور انھیں آپس میں تناقض ہوتا تو اجتماع مشکل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا تاکہ ارواح کو مقعدِ صدق کا مقام نصیب اور نفوس کو ملائکہ مقربین کی معیت حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا: فَادْخُلِیْ فِیْ جَنَّتِیْ اے نفسِ مطمئنہ! جبکہ تو دُنیا اور جسم کی قید میں تھا اس سے نجات پاکر اب تو جنّاتِ نعیم اور اعلیٰ علیین میں داخل ہوجا جبکہ اس سے قبل تو اسفل سافلین میں تھا۔ یہ خطاب اُن خوش بختوں کو ہوگا جو تحیاتِ قُربات سے نوازے گئے اور وہ بد بخت جنہیں جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا اُن کے لیے یہ مراتب نہیں۔ یاد رہے کہ انسان میں ترقی وتنزل کے ہر دونوں مادّے پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر حجّت کامل ہے (فائدہ) کاشفی نے لکھا ہے کہ ترجمۂ شفاء میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوہر جیسے دوستوں کے سینوں میں رکھا ہے ایسے ہی اپنے دشمنوں کی آستینوں میں بھی ڈالا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا ہلاک اور زندہ رہنے والا زندہ رہے یعنی جس کے عقل کو نورِ عنایت الٰہی وتوفیق ایزدی سے چمک نصیب ہُوئی تو وہ ہدایت یافتہ ہُوا اگر اس پہ قہروخذلان کا حملہ ہُوا تو دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہُوئیں جس سے وہ گمراہ ہوگئے۔ اس لیے فرمایا: "یضلُّ بہٖ کثیرا و یھدی بہٖ کثیرا" اس سے بہتوں کو گمراہ اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدہ دست قدرت اوست

ترجمہ: اگر تیری صورتِ حال اچھی یا بُری ہے کاتبِ تقدیر کے ہاتھ کی بنائی ہُوئی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق الاشیاء کا یقینی طور مشاہدہ کرائے جن کی وہ عوام کو خبر دیتے ہیں ظاہر بین انہیں عقل کی کسوٹی سے غلط سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ مومن ہو یا منافق لیکن مومن تو اپنے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرکے ان کے اقوال واعمال واحوال کو بلا تامل مان لیا جاتا ہے جس کے ایمان میں اللہ تعالیٰ برکت اور نورانیت بخشتا ہے اور منافق جونہی نبی علیہ السلام کی باتیں سُنتا ہے تو بجائے تصدیق کے اس کے دل میں شبہات اُبھرتے ہیں جن سے وہ اعتراضات کرتا ہے۔ اُن کی نحوست سے اُس کی منافقت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے اندھا رہتا ہے وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ مومن کا حال تو یُوں ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پہ راضی ہوتا ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے غضب کا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(الانفال آیات ۴۵ تا ۴۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارا کسی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو کہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا چلی جائے گی اور صبر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو جنگ کے لیے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھلاوا کرتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ اور جب شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور انھیں کہا کہ آج تو تمہارے پر کسی کو غلبہ ہو ہی نہیں سکتا اور بے شک میں تمہارا یار و مددگار ہوں۔ جب دونوں جماعتیں آپس میں آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہا میں تم سے بیزار ہوں۔ میں وُہ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ بےشک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مورد بن جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب اس کے لطف و قہر کے آثار ہیں۔ وہ حکیم مطلق ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

اولیاءِ کرام کے عشاق اور اعداء یہی کیفیت اولیاءِ کرام کے الہامات کی ہے کہ ان کے الہامات و احوال معتقدین و منکرین کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں تو معتقدین و منکرین کے لیے وہی الہامات و احوال و کرامات امتحان و آزمائش کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی اللہ والے کے محب و معتقد ہوتے ہیں۔ یہ اُن پر قہر و غضب کی وجہ سے ہے کہ امور حقہ اسے نامناسب معلوم ہوئے جن سے وُہ اولیاءِ کرام سے بدظن ہو کر اب اُن پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ وُہ محبت ختم ہو گئی۔ اگر پھر معتقد ہو جائے تو سمجھو کہ اس پر فضل الٰہی ہُوا کہ اسی کریم نے اسے اپنے قہر و لطف کا مورد بنایا ہے اور یہ مرتبہ بہت بلند ہوا کہ دُوری کے بعد قُرب نصیب ہو۔ بہرحال اربابِ ظواہر بکثرت ہوتے ہیں۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

اور اصحابِ حقیقت بہت تھوڑے کسی مرشد کامل کو صرف ایک ہی سچا تابعدار مل جائے تو غنیمت سمجھے۔

تفسیر عالمانہ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ۔ اے ایمان والو! جب تم جماعت کو ملو یعنی جب کفار سے جنگ کرو۔ (سوال) تم نے لَقِيْتُمْ کا معنی "جنگ کرنا" کہاں سے نکالا۔ (جواب) لفظ لِقَآء اکثر حرب قتال میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اہلِ اسلام صرف کفار سے ہی جنگ کرتے تھے فَاثْبُتُوْا تو جنگ وغیرہ کے وقت ثابت قدم رہو۔

حدیث شریف دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو۔ لیکن جب ان سے لڑائی ہو جائے تو ڈٹ کے مقابلہ کرو اور ان سے جتنی تکالیف پہنچیں ان پر) صبر کرو۔ (نکتہ) دشمن سے ملنے کی آرزو سے روکنے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان کے اندر عجب خود بینی اور صرف اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ کا خیال عموماً پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جملہ امور تباہی و بربادی کا موجب ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے تصورات سے دشمن سے مقابلہ کے لیے اہتمام سے لاپرواہی اور ان کی تحقیر کے خیالات آتے ہیں اور یہ بھی شکست کا سبب بنتا ہے اور احتیاط کے منافی بھی ہے۔

مناظرہ کرنے کا ایک گُر مناظرہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے بالمقابل کو حقیر تصور نہ کرنا چاہیے۔ یعنی یہ نہ سمجھے کہ وہ مجھ سے عمر اور علم و تجربہ میں کم ہے۔ اس لیے کہ بہت بار سوءِ اتفاق سے ایسے تصور میں لاپرواہی سے بالمقابل کے ساتھ کمزور دلیل اور ضعیف کلام منہ سے نکل جاتا ہے۔ جو وہی کمزوری بالمقابل کے غلبہ کا سبب بن جاتی ہے اس کے بعد ضعیف قوی ہو جاتا ہے اور قوی ضعیف اور وہ شر جو بلا توقع حائل ہو وہ بہت زیادہ درد پہنچاتا ہے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا طلبگار رہے۔ اسے کیا پتہ کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

اول شکستہ باش کہ اوج سریر ملک

یوسف پس از مجاورت قعر چاہ یافت

ترجمہ: پہلے ٹُٹنا پڑتا ہے پھر تخت و تاج شاہی نصیب ہوتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے کنویں کی تکلیفیں اٹھائیں تب انہیں تخت و تاج حاصل ہوا۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو یعنی جنگوں کے گھمسان میں شدت کے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل کی کثرت کرو اور اللہ تعالیٰ سے اہلِ ایمان کی نصرت اور کفار کی شکست و ہزیمت کی دعا کرو جیسے پہلے لوگ کہا کرتے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[1] (اے اللہ! ہمیں صبر کی توفیق بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں پر ہمیں فتح و نصرت بخش۔) تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ اور مرادیں پالو تاکہ تمہیں فتح و نصرت اور بے شمار ثواب حاصل ہو۔ (سبق) اس میں سالک کو پند و نصیحت ہے کہ بندے کو

---

[1] پ ۲ بقرہ، ع ۳۳

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی شے مانع نہ ہو اور اسے چاہیے کہ ہر مصیبت اور دُکھ درد کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرے اور بالکل فارغ البال ہو کر اسی طرف متوجہ ہو جائے اور یقینی طور خیال میں رہے کہ اسی کریم کا لطف و کرم میرے شامل حال ہے ۔

(فائدہ) دفع ضرر اور حصول منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بہت بڑی تاثیر ہے ۔ ؎

تو بہر حالے کہ باشی روز و شب یک نفس غافل مباش از ذکر رب
در خوشی ذکر تو شکر نعمتست در بلاہا التجا با حضرتست

ترجمہ : جس حال پر زندگی بسر ہو رات دن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو پل بھر بھی غفلت نہ کرو ۔ خوشی و راحت کے وقت ذکر شکر نعمت کا سبب بنے گا اور بلاؤں میں بارگاہِ حق میں ذکر التجا بن جائے گا ۔

لطیفہ اہل اللہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہشت موجود ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کا جی باغ باغ ہو جاتا ہے اس سے اُن کی مراد مجالس ذکر ہیں ۔ (غور سے دیکھا جائے تو واقعی مجالس ذکر بہشت بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ لذت ہے بشرطیکہ حقیقی ذکر نصیب ہو)

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ زمین کے بعض حصوں پر پھرتے رہتے ہیں ان کا کام یہی ہے کہ ذکر کے حلقے تلاش کریں ۔ جب وہ ذکر کے حلقوں کو پا لیتے ہیں تو انھیں گھیر لیتے ہیں ۔ فراغت کے بعد ان کے سردار فرشتے اللہ تعالیٰ رب العزت کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہم آج تیرے ایسے بندوں کے ہاں حاضر ہوئے جو تیری نعمت کی عظمت بیان کرتے تھے اور تیری کتاب کی تلاوت نہایت خشوع و خضوع سے کرتے تھے اور تیرے محبوب مدنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے تھے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتا ہے کہ جاؤ انہیں میری رحمت سے ڈھانپ لو وہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی کمبخت نہیں ہو سکتا ۔

مسئلہ مشارق الانوار میں ہے کہ جیسے ذکرِ الٰہی مستحب ہے ، ایسے ہی ذکر کے حلقوں میں بیٹھنا بھی مستحب ہے ۔ (فائدہ) ذکر کے حلقہ کا طریقہ یہی ہے کہ ذکر علانیہ طور ہو ۔ اس لیے کہ ہر دور میں حلقۂ ذکر کا چرچا رہا ہے اور کوئی ایسا دور نہیں جس میں حلقۂ ذکر کے لیے لوگوں کا اجتماع نہ ہوا ہو ۔ (ذکر بالجہر کے فوائد) (۱) طلب مبتدی پر جو وساوس شیطانی و خواطر نفسانی جم جاتے ہیں وہ ذکر بالجہر سے دفع ہوتے ہیں ۔ (۲) جن گھروں یا محلوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوتا ہے تو لوگ فخریہ طور اور ان لوگوں کے برکات حاصل کرتے ہیں ۔ (۳) قیامت کے دن ہر شے خشک و تر (جہاں تک ذکر کی آواز جائے گی) ذاکر کے لیے خیر کی گواہی دے گی بالخصوص ایسے مقامات پر غافلوں کو تنبیہ اور فاسقوں کو نیکی کی توفیق نصیب ہوتی ہے ۔

مسئلہ جو فاسقوں کی مجلس میں اس نیت سے ذکر کرے کہ وہ فسق میں مشغول ہیں تو میرے ذکر سے فسق سے باز آ جائیں گے ۔ ایسا ذکر بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے ۔

مسئلہ بازار میں ذکر بالجہر زیادہ فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے مقامات کے ، اس لیے کہ اس طرح سے بازار والوں کی

غفلت کے پردے ہٹتے ہیں۔

مسئلہ مجلسِ ذکر میں صرف ایک دفعہ کی حاضری ستر بُری مجلسوں کی حاضری کا کفارہ بن جاتی ہے۔ (مسئلہ) جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو وہاں جانا منع ہے۔ (مسئلہ) اسی طرح جس مجلس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے وہاں جانا ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی مجلس ان لوگوں کے لیے بجائے فائدہ کے حسرت کا سبب بن جائے گی (مسئلہ) حدیث شریف میں ہے، جب ایسی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہو کہ جہاں گپ شپ ہوتی رہی تو مجلس سے اُٹھنے سے پہلے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" پڑھ لے تو اس کے وہ تمام گناہ دُھل جائیں گے جو اس سے اسی مجلس میں سرزد ہوئے۔ (سبق) عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت زبان کو ذکر اور دعا و استغفار سے تر رکھے۔ خصوصًا اوقاتِ مبارکہ میں اس کا خصوصی اہتمام کرے۔

روایت مع حکایت مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا تو وہ جلدی غنیمت لے کر واپس لوٹے یعنی انہیں بہت جلد کامیابی حاصل ہو گئی۔ کسی نے عرض کی کہ اس جیسا غنیمت اور واپسی کے لحاظ سے بڑی فضیلت والا لشکر اور کوئی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی قوم کے متعلق رہبری نہ کروں جو غنیمت اور واپسی از جہاد میں عجلت کے لحاظ سے اسی قوم سے افضل ہو۔ سب نے کہا، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا، وہ لوگ جو صبح کی نماز کے لیے مسجد میں باجماعت ادا کر کے پھر طلوعِ شمس تک ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ دو رکعت پڑھ کر گھر لوٹتے ہیں (یعنی اشراق نماز پڑھ کر واپس ہوتے ہیں)۔ (ف) نمازِ اشراق سورج کے نکلنے کے بعد پڑھی جاتی ہے جبکہ سورج میں پُوری روشنی آجائے۔ جو شخص اس کا ایک دوگانہ پڑھتا ہے تو اسے حج وعمرہ کا مکمل ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے یہ کلمہ تین بار دُہرایا۔

شرح حدیث مذکور شرح المصابیح میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی "ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُوا اللّٰهَ" دلالت کرتا ہے کہ اس وقت صرف ذکرِ الٰہی مستحب ہے نہ تلاوتِ قرآن و دیگر اوراد و وظائف۔ اس لیے کہ یہ وقت بہت بڑا برگزیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مواظبت کرنے میں نفوس میں بہترین اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ (مسئلہ) مُنیہ (کتاب) میں جمع العلوم سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک تلاوتِ قرآن وغیرہ سے ذکرِ الٰہی اَولیٰ ہے۔ اس کی تائید قنیہ (کتاب) کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ حضور نبی علیہ السلام پر درود بھیجنا اسی طرح دعا و تسبیح میں مشغول ہونا تلاوتِ قرآن سے افضل ہے۔ یعنی ان اوقات میں کہ جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (حدیث شریف) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا، میں تمہیں بہشت کی ساعات سے ایک ایسی ساعت نہ بتاؤں کہ اس وقت بہشت کے درختوں کے سائے دراز ہوتے ہیں اور اس میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اس میں رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں، اور دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ سب نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ گھڑی صبح صادق سے لے کر طلوعِ شمس کے درمیان ہے۔

روایت وحکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھیں دیکھا کہ وہ طلوعِ شمس سے پہلے نیند کر رہی ہیں۔ آپ نے انھیں پاؤں کی ٹھوکر سے جگا کر فرمایا اُٹھ کھڑی ہو، اور اپنے رب تعالیٰ کے رزق کا مشاہدہ کیجیے اور غافلین سے نہ ہو جائیے۔ اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق طلوع فجر سے طلوعِ شمس کے مابین تقسیم فرماتا ہے۔

ذکرِ خفی افضل ہے یا جلی علماءِ کرام کا اختلاف ہے کہ کیا تسبیح و تہلیل وغیرہ زبان سے مع حضورِ قلب افضل ہے یا صرف قلب سے صرف قلب کے قائلین کی افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مخفی طور ہو وہ افضل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ذکر لسانی مع حضورِ قلب کی افضلیت پر زور دیتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل زائد ہے اور عمل کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ انہی حضرات کا قول صحیح ہے۔ (ذکرہ النووی فی شرح مسلم)

نسخہ روحانی ذکرِ کثیر دراصل وہ ہے جو قلب کی صفائی سے ہو اور تصفیۃ القلب دنیا میں ایک بہشت ہے۔ جو صرف عارفین کو معلوم ہے اس لیے کہ ذکر الٰہی سے سالک نفسِ امّارہ کی جہنم سے نکل کر حضور خداوندی کی نعمتوں میں پہنچتا ہے۔

حکایت حضرت ابوبکر فرغانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں قافلہ سے رہ گیا اور منزلِ مقصود کے لیے صحیح راستہ نہیں مل رہا تھا۔ میں نے الٰہ العٰلمین کے حضور میں عرض کی اکاش! مجھے اسمِ اعظم نصیب ہوتا تو میں منزل کو پا لیتا۔ اندریں اثناء مجھے دو نوجوان ملے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اسمِ اعظم ہے "یا اللہ"۔ میں سُن کر خوش ہو گیا کہ مجھے اسمِ اعظم کی تعلیم نصیب ہوئی۔ دوسرے نے کہا کہ صرف زبان سے کہنے سے "اسمِ اعظم" کام نہیں دے گا، بلکہ نہایت عجز و انکسار سے جیسے کوئی دریا کی موجوں میں اور اس کی سخت طغیانی میں پھینک کر عرض کرتا ہے "یا اللہ"۔ اگر ایسے ہی کہو گے تو یہی اسمِ اعظم ہے اور اسی سے تمام مشکلات حل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ماویٰ و ملجا نہیں۔ (مسئلہ) جہاد تمام طاعات کا سرتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہد کی گرد پر جہنم کی آگ کا دُھواں نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کا ایک قدم تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ دوسرے قدم سے اس کے لیے نیکیاں ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (مسئلہ) مجاہد پر لازم ہے کہ بوقتِ جہاد نیت صاف رکھے اور جنگ کے ہر مشکل سے مشکل مقام پر ثابت قدم رہے۔ اس لیے کہ ثابت قلبی اور صدق قدمی سے ہی مرد کی قدر معلوم ہوتی ہے (صدیق اکبرؓ کی شان) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت (باوجودیکہ آپ کے وصال کو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے تمام صحابہ سیدنا عمر و سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت بیہوش نظر آتے تھے۔ لیکن) صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرنے کا قائل ہو تو اسے سنا دو کہ ان کا وصال ہو گیا ہے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اُس پر موت نہیں آئے گی اور نہ وہ ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے معاصی کا تصور ہو سکتا ہے۔ اگر دشمنوں کا خطرہ ہے تو یقین کر لو کہ اعداء پر غلبہ تو قوّتِ قدسیہ اور تائیدِ الٰہی سے ہوتا ہے نہ قوتِ جسمانیہ اور کثرتِ تعداد سے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہل و ایمان کی ملائکہ کرام کے ذریعہ

کس طرح مدد فرمائی، حالانکہ اہلِ ایمان چند گنتی کے۔ اور کفار بکثرت تھے۔ جو لوگ تقویٰ اور صبر و ثبات کو مدِنظر رکھ کر جہاد کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دشمنوں پر غالب رہتے ہیں بلکہ بہت بڑے درجات اور کمالات حاصل کرتے ہیں اکہ ؎

گر شتابِ[ع] چو صرصر کہ قرار چو کوہ
گر نشیب کبوتر کہ فراز عقاب

حکایت سکندر رومی نے حکم فرمایا کہ جنگی لشکر میرے سامنے لاؤ۔ لشکر کے آگے آگے ایک مرد حاضر ہوا، جو لنگڑے گھوڑے پر سوار تھا۔ سکندر نے فرمایا اسے گھوڑے سے گرا دو۔ وہ سنتے ہی ہنس پڑا۔ سکندر نے متعجب ہو کر پوچھا کہ اب ہنسنے کا کونسا مقام ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے آپ سے تعجب ہے کہ آپ کے ہاں جنگ سے بھاگنے کے سامان ہیں اور میرے پاس بفضلہ تعالیٰ ثابت قدمی کی نعمت ہے۔ گھوڑے سے گرایا گیا ہے تو کیا ہوا۔ مجھ سے ثابت قدمی تو نہیں چھینی گئی۔ سکندر نے اس کے جواب سے خوش ہو کر اسے انعام دیا۔

تفسیر صوفیہ جیسے ظاہری طور پر باغی خائن کفار کو فنا کیا جاتا ہے ایسے ہی باطن کے باغی لوٹے ہیں۔ جیسے قوائے نفسانیہ اور نفسِ امارہ کا لشکر۔ پھر جیسے دشمن کو حکم ہے کہ ظاہری باغی خائن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے۔ اسی طرح اسے حکم ہے کہ باطنی باغیوں کے مقابلہ کے وقت بھی مجاہدات میں ثابت قدمی دکھائے (جیسے کفار سے جہاد کا حکم ہے) اسے جہادِ اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اور قاعدہ ہے اصغر سے اکبر افضل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہادِ اکبر کے شہید کو صدیق کہا جاتا ہے اور جہادِ اصغر میں مرنے والے کو شہید۔ اور قاعدہ ہے کہ صدیق شہید سے افضل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔[1] (فائدہ) ظلماتِ ثلثیہ سے خلاص اور انوارِ ذکر میں مشغول ہونا جو انواعِ جہادِ اکبر و اعلیٰ ترین سے ہے۔ بڑی کامیابی ہے بلکہ رب العباد تک پہنچنے کا جلد تر پہنچانے والا عمل ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقائقِ ذکر و توحید سے آشنا فرمائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ان تمام امور میں جو عمل میں لاتے یا چھوڑتے ہو بالخصوص امرِ جہاد اور معرکۂ قتال میں ثابت رہنے میں وَلَا تَنَازَعُوْا اور مختلف آراء پیش کر کے نہ جھگڑو جیسے بدر و احد میں تم نے مختلف آراء کا مظاہرہ کیا فَتَفْشَلُوْا پس بزدل ہو جاؤ گے۔ یہ نہی لَا تَنَازَعُوْا کا جواب ہے فشل بمعنی کسل و تراخی و جُبن ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہے وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ یہ فعل منصوب ہے اس کا نہی کے جواب پر عطف ہے اور تمہاری ہوا چلی جائے گی۔ یعنی تمہاری دولت و شوکت تمہارے سے نکل جائے گی۔ اسے دولت سے استعارہ کیا گیا ہے کہ دولت چل چلاؤ اور خرچ ہونے والی شے ہے۔ اسے ہوا کے چلنے

---

[1] سورۃ النساء، رکوع ۹ ترجمہ وہی اُنکے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا۔ وہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں۔ [ع] ان کی تیزی آندھی جیسی اور قرار پہاڑ جیسا۔ ان کا نشیب کبوتر کی طرح اور بلندی کا عقاب جیسی ہے۔

اور جاری ہونے سے مشابہت دی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں پر ریحُکُمْ اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ اس لیے کہ فتح ونصرت ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ریحُ النَّصْرَۃِ۔

معجزہ مروی ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریش وغطفان و بنو قریظہ نے یوم خندق محاصرہ کیا تو بادِصبا ایسی سخت زور سے چلی کہ اُن کے خیمے اُکھاڑ ڈالے اور ان کی ہانڈیاں اُلٹ گئیں۔ اس زور کی آندھی سے وُہ لوگ بھاگ گئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: مَیں بادِصبا سے مدد دیا گیا ہُوں اور قوم عاد دبور یعنی پچھوائی ہوا سے تباہ و برباد ہوئی۔ (فائدہ) الصبا بفتح الصاد و بالقصر۔ وُہ ہوا جو مشرق سے چلتی ہے اور الدبور وُہ ہوا جو صبا کے بالمقابل چلتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہوا مَامُوْرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ ہے۔ کبھی وہ فتح ونصرت لاتی ہے تو کبھی تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

جملہ ذرات زمین و آسمان — لشکر حقند گاہ امتحان

بادرا دیدی کہ با عادان چہ کرد — ابر را دیدی کہ با طوفان چہ کرد

ترجمہ: زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ دیکھئے ہوا نے عاد کو کیسے تباہ کیا اور بارش نے کہ قومِ نوح کس طرح برباد کی۔

وَاصْبِرُوْا اور بوقت شدائد حرب اور بوقتِ قتال صبر کرو۔ یعنی ایسے اوقات میں پیٹھ دے کر نہ بھاگو۔ **اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ** بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صابرین ان کو بالاصالۃ اس حیثیت سے کہا گیا ہے کہ صبر انہی سے ہوتا ہے اس لیے کہ اس عمل میں یہ اصل ہیں۔ باقی ان کے تابع اور اللہ تعالیٰ کی معیت مکانی نہیں بلکہ بحیثیت امداد و اعانت کے ہے۔ **وَلَا تَکُوْنُوْا** اور نہ ہو جاؤ اے مومنو **کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ** اُن لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے نکلے یعنی وُہ اہلِ مکہ جو شام سے آنے والے قافلہ کی حمایت کے لیے نکلے تھے **بَطَرًا** یہ مفعول لہٗ ہے یعنی اپنے آباء و اجداد و امہات کے کارناموں کو یاد کر کے اتراتے اور فخر کرتے ہُوئے دراصل **بَطَرٌ** تکبر اور غرور نعمت کے مقابلہ کو کہا جاتا ہے۔ **وَرِئَآءَ النَّاسِ** اور لوگوں کے دکھانے پر تاکہ وہ ان کی شجاعت وسخاوت کی داد دیں۔

واقعہ کفار بدر مروی ہے کہ جونہی قریش (کفار) نے سنا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے شامی قافلے کو لُوٹنا چاہتے ہیں تو زبردست جنگ لڑنے کی تیاری کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہُوئے۔ لیکن شامی قافلہ بچ کر مکہ معظمہ پہنچنے والا تھا۔ ابوسفیان کو معلوم ہُوا کہ قریشِ مکہ حضور علیہ السلام سے محض شامی قافلہ کے لیے لڑنے جا رہے ہیں تو اُس کا قاصد قریشیوں کو جا کر ملا اور بڑا سمجھایا کہ اب اُن سے لڑائی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم اپنا قافلہ صحیح وسالم لائے ہیں۔ فلہٰذا واپس چلو۔ ابوجہل نے کہا: بخدا ہم بدر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور جائیں گے وہاں جا کر شراب کی محفلیں جمائیں گے اور بہترین گانیوالی عورتوں کے گانے سُنیں گے اور وہاں جو لوگ ہماری خاطر پہنچے انہیں دعوتیں کھلا کر واپس لوٹائیں گے۔ چنانچہ بضد ہو کر کفار کا تمام لشکر بدر کی طرف چل پڑا۔ اُن کی قسمت کہ بجائے شراب کے موت کے پیالے پیئے۔ اور گانے بجانے والی عورتوں کی

بجائے ان پر نوحہ گر عورتیں روئیں۔ اسی وجہ سے اہلِ اسلام کو ایسے فخر ومباہات سے روکا گیا کہ ریا سے بچ کر تقویٰ وطہارت پیدا کریں اور سراسر اخلاص کا نمونہ بن جائیں۔ (سوال) آیت میں تو صرف بَطَر (فخر و غرور) اور ریاء سے روکا گیا ہے۔ تم نے تقویٰ وخلوص وغیرہ کے سبق دینے شروع کر دیے۔ (جواب) قاعدہ ہے کہ شے کی نہی سے اس کی نقیض کا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے (مثلاً زنا سے روکا جائے تو اس سے اس کی نقیض کا حکم ہوگا یعنی عفت و پاکدامنی کا شیوہ اختیار کرو) وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بتاویل المصدر اس کا بطرًا پر عطف ہے۔ یعنی کفار کا ایک کام اللہ کے دین سے منع کرنا ہے یعنی وہ دین جو بندے کو بہشت اور ثواب کا حقدار بناتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اور وہ جو عمل کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ محیط ہے۔ اسی لیے وہ انہیں اس کی جزا و سزا دے گا۔ (مسئلہ) آیت ہذا میں اعمالِ قبیحہ پر تنبیہ کی گئی ہے بالخصوص وہ اعمال جو آیت ہذا میں مذکور ہوئے ہیں یعنی فخر و غرور اور ریا۔ (ف) اپنی اچھائیاں ظاہر کرنے اور برائیاں چھپانے کا نام ریاء ہے اور یہ بھی نفس کی صفات ذمیمہ میں سے ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بر سرِ راہ میری کوٹھی تھی اس کے بالاخانے میں میں نے صبح سویرے اُٹھ کر سورۃ طٰہٰ شریف پڑھی۔ اختتام کے بعد تھوڑی دیر کے لیے میں وہیں پر سو گیا۔ خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترا ہے اور میرے سامنے آکر ایک صحیفہ کھولا جس پر سورۃ طٰہٰ مکتوب تھی جس کے ہر حرف کے نیچے دس دس نیکیاں لکھی ہوئی تھیں صرف ایک کلمہ ایسا تھا جس کے نیچے نہ صرف نیکیاں محو تھیں بلکہ خود اس کے حروف بھی مٹا دیے گئے ہیں۔ میں نے کہا یہی کلمہ تو میں نے پڑھا تھا لیکن اس کا نہ مجھے ثواب ملا اور نہ ہی وہ عمل نامے میں مکتوب ہے۔ وہیں پر مجھے کسی نے کہا کہ ٹھیک ہے کہ واقعی تو نے اسے پڑھا بھی ہے اسے ہم نے سنا اور لکھا بھی ہے لیکن ہمیں عرشِ الٰہی سے حکم ملا ہے کہ اسے مٹا دو۔ بزرگ مذکور فرماتے ہیں: یہ سن کر میں بہت رویا اور کہتا رہا یارب کریم! میرے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہوا۔ فرمان ملا کہ اثنائے تلاوت میں تیرے قریب سے ایک شخص گزرا تھا تو نے دکھاوے کی نیت سے یہی کلمہ زور سے پڑھا اسی لیے اس کا ثواب جاتا رہا۔ (حدیث شریف) جہنم اور جہنمی ریاکار کو دیکھ کر زاری کرتے اور شور مچاتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنم ریاکار کو عذاب دینے پر خوشی کے مارے چیختی چلاتی ہے۔ اور جہنم والے عذاب کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ (سبق) ریاکاروں کے لیے بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ بہت گندے عمل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (مسئلہ) جو لوگ نیکوں کا لباس ریاء کے طور پہنتے ہیں یا شہروں کے چکر اسی لیے لگاتے ہیں کہ لوگوں میں ان کا چرچا ہو کہ یہ بھی ان نیکوں میں سے ہیں جیسے ہمارے دور کے لوگ پیروں، فقیروں، صوفیوں کا لبادہ اوڑھ کر ہر جانب نظر آتے ہیں۔ انہیں ایسے لباس اور طور طریق سے اہل اللہ کے ساتھ حقیقی تشبہ مقصود نہیں بلکہ محض دکھاوا مطلوب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ انوارِ معرفت اور اسرارِ حقیقت سے محروم اور دائرۂ طریقت سے خارج ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشا کہ راز
دست غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ: مدعی نے چاہا کہ باغ میں آئے اور تماشا دیکھے لیکن دستِ غیب نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر اسے نامحرم سمجھ کر باغ میں داخل نہ ہونے دیا۔

(سبق) عاقل کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر عبادت میں مالی ہو یا بدنی، خلوص پیدا کرے۔ یعنی یہ نیت رکھے کہ قربِ الٰہی نصیب ہو اور عبادت محض امرِ ربی کی عظمت کے لیے کرے اور عقیدہ رکھے کہ یہ اس کا حکم ہے اسی لیے بجا لاتا ہوں۔ (مسئلہ) تاتار خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز محض رضائے الٰہی کے حصول کی نیت سے شروع کی پھر اس کے دل میں ریاء کا خیال گزرا تو اس کی نماز ریاء میں داخل نہ ہوگی بلکہ خالص عبادت لکھی جائے گی۔ (مسئلہ) لوگوں کے سامنے نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتا ہے لیکن جب لوگ نہ ہوں تو اُلٹی سیدھی کر کے پڑھتا ہے تو یہ بھی ریاء ہے اُسے اصل نماز کا ثواب تو نصیب ہوگا لیکن اس کی روح سے محروم رہے گا۔ (مسئلہ) روزہ میں ریاء نہیں البتہ اس غرض سے روزہ رکھے کہ روزوں سے چہرہ زرد نظر آئے گا اور کمزوری نظر آئے گی تو لوگ مجھے نیک بخت اور صالح انسان سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ شخص خوفِ آخرت سے بدحال ہو رہا ہے تو ایسا روزہ ریاء میں داخل ہے۔ (سبق) ایسے بیوقوف کو کون سمجھائے کہ اتنی بہت بڑی تکلیف لوگوں کے لیے کیوں اٹھا رہا ہے کیا اچھا ہوتا کہ وہ رضائے الٰہی کا طالب ہوتا اگر اسے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم ہوتا تو ایسی سخت غلطی نہ کرتا۔ ایسے پاگلوں کے لیے عرب میں کہاوت مشہور ہے کہ: "اَخَفُّ حُلْمًا مِنْ عُصْفُوْرٍ" فلاں چڑیا سے بھی زیادہ کم عقل ہے۔ (ف) عقل کی کمی اور طیش کے لیے بھی چڑیا کی مثال دی جاتی ہے۔ چڑیا ہوتی بھی کم غضب ناک اور کم عقل ہے) حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

لَا بَاْسَ بِالْقَوْمِ مِنْ طُوْلٍ وَّ اَعْظَمٍ
جِسْمُ الْبِغَالِ وَ اَحْلَامُ الْعَصَافِيْرِ

ترجمہ: قوم کے عظم و طول کا کیا حرج ہے جن کے اجسام خچروں کے اور عقول چڑیوں جیسے ہیں۔

(سبق) دنیا کچھ نہیں خواہ مخواہ زندگی ضایع کر کے مرتے دم تک اس کے حصول میں لگے رہنا یہ کسی عقلمند کا کام نہیں۔

حکایت و روایت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوہڑ سے گزرے اُس میں ایک بکری کا مُردار بچہ پڑا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے پُوچھا: کیا اس کی لوگوں کو ضرورت نہیں ہے؟ عرض کی گئی: اگر انھیں ضرورت ہوتی تو اسے جوہڑ میں کیوں چھوڑ جاتے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی حیثیت اس مردار جیسی بھی نہیں کہ اہلِ دنیا اسے حاصل کریں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: ؎

وگر سیم اندودہ باشد نحاس | تواں خرج کردن بر ناشناس
منہ آب زر جان من بر پشیز | کہ صراف دانا نگیرد بچیز
چہ قدر آورد بندۂ حور دیس | کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ : تانبے کو سونے کا پانی لگا کر کسی بے خبر کے ہاں تو بیچا جا سکتا ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ تانبے پر سونے کا پانی مت لگاؤ کیونکہ صراف دانا ہے وہ تمہارے اس کھوٹے سکے کو ہرگز نہیں لے گا۔ اس بندے کو دنیا میں کیا عزت حاصل ہوگی جو اوپر تو بہتر قبا رکھتا ہے لیکن اندر بدبوئی سے پُر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین کی راہوں پر چلتے وقت پھسلنے سے بچائے اور ہمیں ہر قول و فعل میں اپنی رضا عطا فرمائے۔ وھو المعین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ اور یاد کیجیے اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اس وقت کو جبکہ شیطان نے انھیں ان کے کردار بھلے کر کے دکھائے۔

اللہ تعالیٰ نے وہی قصہ یہاں بیان فرمایا یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! یاد کیجئے کہ شیطان کیسے ابلیس میدانِ بدر میں کفار کو اپنے کام بھلے دکھا کر اہلِ ایمان کی دشمنی کے لیے اُبھارتا تھا۔ (ف) حقائق سلمی میں ہے کہ شیطان نے کفار کی نگاہ میں ان کی قوت و طاقت دکھائی تاکہ وہ اپنی طاقت و قوت کے بھروسے پر جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ۔ اور کہا کہ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں، اس لیے کہ تم کثیر ہو اور وہ قلیل ہیں۔

ترکیب لَكُمْ ، لَا غَالِبَ کی خبر ہے۔ دراصل لَا غَالِبَ کَائِنٌ لَكُمْ تھا اور اَلْيَوْمَ خبر یعنی کائن کی وجہ سے منصوب ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی ضمیر سے حال ہے اور النّاس سے اہلِ ایمان مراد ہیں۔

وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ اور میں بنی کنانہ کا تمہارا ذمہ دار اور مددگار ہوں۔ (حلِ لُغات) جار بمعنی مُجِیْرٌ و مُحَافِظٌ جو دشمنوں کے ضرر سے بچائے۔ جیسے ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو ہر طرح کے دُکھ درد سے بچاتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں اَنَا جَارٌ لَكَ مِنْ فُلَانٍ یعنی میں فلاں کی ضرر رسانی سے تمہاری حفاظت کروں گا۔ وہ تمہیں کسی قسم کا دُکھ نہیں پہنچا سکے گا۔ قاموس میں ہے : اَلْجَارُ بمعنی اَلْمُجَاوِرُ یعنی وہ شخص جو کسی کو بچائے و بمعنی اَلْمُجِیْرُ یعنی بچانے والے۔ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ جب دونوں لشکر بدر میں آمنے سامنے ہوئے۔ کاشفی نے کہا : جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَيْهِ تو شیطان اُلٹے پاؤں بھاگا۔ نُکُوْصٌ بمعنی رَجْعَةٌ قَهْقَرِیٌّ۔ اس لیے کہ جو بھی دشمن سے جنگ کے وقت بھاگتا ہے تو دشمن کے خوف سے اس کی طرف پیٹھ دینے کے بجائے اُلٹے پاؤں بھاگتا ہے۔ (ترکیب) عَلٰی عَقِبَيْهِ نکص کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے اسی لیے رجعة قهقری اُلٹے پاؤں ہوتی ہے۔ (ف) اس سے مکر و حیلہ اور دھوکہ فریب سے شکست کھا کر بھاگنا مراد ہے۔

حکایت منقول ہے کہ جب ملائکہ کرام بدر میں تشریف لائے تو شیطان انھیں دیکھ کر بھاگنے لگا۔ اس وقت وہ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے تھا۔ بھاگتے وقت ہاتھ چھڑائے تو حارث نے کہا: اے سُراقہ! (شیطان اُس وقت سراقہ کی شکل میں نمودار ہوا تھا) تو ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ ابلیس اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر چلتا بنا۔ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اور کہا میں تم سے بیزار ہوں۔ یعنی اب میں تمہیں پناہ نہیں دے سکتا۔ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ بے شک میں وُہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ (فائدہ) یعنی مدد کے لیے ملائکہ کا نزول۔ حارث نے اسے کہا کہ ہمیں تو صرف یثرب کے چھوٹے چھوٹے مرد نظر آتے ہیں۔ (فائدہ) الجعاشیش جعشوش کی جمع ہے بمعنی الرجل القصیر۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ مجھے ملائکہ کوئی تکلیف نہ پہنچائیں یا مجھے اللہ تعالیٰ ہلاک و تباہ نہ کر دے۔ اگرچہ میری ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس وقت تک میں مہلت لے چکا ہوں۔ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ (فائدہ) واقعی کذاب نے سچ کہا اور وُہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی تھا کہ اگر وہ عذاب واقع ہوتا تو وہ مٹ کے رہ جاتا۔

فضائلِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے بھاگتا تھا اور جس گلی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا تو شیطان بچ کر دُوسری گلی کو نکل جاتا صرف اسی بناء پر کہ کہیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت کے نور کا عکس نہ پڑ جائے جس سے وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ اور اسے یقین تھا کہ وہ معذبین و معاقبین سے ہے۔ (فائدہ) شیطان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اسی لیے بھی تھا کہ اسے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اس کا ہر عذاب ہر دوسرے عذاب سے سخت تر ہوتا ہے۔ (نکتہ) شیطان کا خوفِ الٰہی سے ڈرنا دلالت کرتا ہے کہ اس نے تا حال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید بندھی ہوئی ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

عجیب کہانی منقول ہے کہ جب کفار شکست کھا کر مکہ معظمہ کو لوٹے تو سُراقہ کو کہلا بھیجا کہ تُو نے ہی ہمیں شکست دلائی ہے اس لیے کہ نہ تو ہمیں بھروسہ دیتا نہ ہم جنگ کو جاتے۔ سُراقہ نے قسم کھا کر کہا کہ تا حال مجھے تمہاری جنگ کا علم تک نہیں۔ اس کے بعد سب کو معلوم ہوا وہ دھوکہ باز شیطان ابلیس تھا کہ سُراقہ کی صورت میں آ کر اس نے ہمیں دھوکہ دیا۔ (سوال) یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان نے اپنی اصلی صورت چھوڑ کر سراقہ کی شکل اختیار کر لی۔ اگر کہو کہ وُہ انسانی صورت بننے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر یہ بھی مانو کہ وہ انسان بنانے کی طاقت رکھتا ہے اور یہ ممتنع ہے۔ (جواب) بشرطِ صحت روایت مذکورہ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ہی شیطان کو سُراقہ کی شکل میں پیدا فرمایا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ کسی کو سراقہ کی صورت میں پیدا کرے۔ اور وُہ ذات جو سُراقہ کی صورت میں پیدا کر سکتی ہے شیطان کو سراقہ کی صورت میں بھی ظاہر کر سکتی ہے۔ (کذا فی التفسیر الحدادی)

(مسئلہ) قاضی ابو یعلیٰ نے فرمایا کہ شیاطین کو یہ قدرت نہیں کہ وُہ اپنی تخلیق میں تغیر پیدا کر سکیں یا کسی اور صورت میں

منتقل ہوسکیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چند کلمات سکھا دیے یا انہیں ایسا عمل بتا دیا جس سے وہی عمل کرکے یا وہی کلمات پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوسری صورت میں منتقل ہوجائیں۔ پھر کہا جائے کہ وہ مختلف صورتوں و شکلوں میں منتقل ہونے کی قدرت رکھتا ہے بایں معنیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کلمات یا عمل کی وجہ سے قدرت رکھتا ہے کہ وہی اعمال و افعال استعمال کرکے دوسری صورت میں منتقل ہوجائے۔ خلاصہ یہ کہ منتقل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بتائے ہوئے کلمات یا اعمال کو استعمال کرنا شیطان کا کام۔ اس استعمال کی وجہ سے مختلف صورتوں میں منتقل ہونے کی نسبت شیطان کی طرف مجازاً ہے ورنہ اس کا اپنی اصلی صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونا محال ہے اس لیے کہ اصلی صورت سے منتقل ہونا مستلزم ہے کہ پہلے اس کی اصلی صورت اور پہلا تیار کیا ہوا ڈھانچہ مٹے اور اس کے ڈھانچہ کے اجزاء ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر نہ ڈھانچہ رہے گا نہ حیات، اور ایسا ہونا محال بھی ہے۔

ازالۂ وہم مذکورہ تقریر کے مطابق جواب ہوگا ملائکہ کا مختلف شکلوں میں آنا۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ ابلیس کا سُراقہ کی صورت بن جانا اور جبریل علیہ السلام کا دحیہ کی صورت میں ہونا اور جبریل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ یہ تمام اسی پر محمول ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی کلمہ سکھا دیتا ہے جسے وہ کہہ کر ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ (کذا فی آکام المرجان) اسی طرح انبیاء و اولیاء مختلف شکلیں اختیار کرسکتے ہیں[1]۔ (فائدہ) والہی الاسکوبی نے اس میں فرق بتایا ہے وہ اس طرح کہ جبریل علیہ السلام متمثل ہوئے لیکن ابلیس متصور رہا۔ مگر ان کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو اس تمثیل یا تصویر کی ذاتی قدرت تھی۔ بلکہ ان کا بھی وہی مقصد ہے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے قدرت بخشی جو تمثیل و تصویر جیسے چاہتے عمل میں لاتے تھے۔ یہ دونوں اقوال آپس میں منافات نہیں رکھتے۔ ان دونوں کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے یہ تمثیل و تصویر کے لحاظ سے مختلف ہوجاتے تھے اور وہ قدرت دراصل چند اسباب تھے۔ جیسا کہ اسباب سے مخلوق کے کام چلتے ہیں۔ (ف) صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ ملائکہ و شیاطین ارواح لطیفہ کے قبیل سے ہیں۔ اور ارواح کو مختلف صورتوں میں متصور ہونے کی قدرت دی جاتی ہے۔ جیسے اجسام کو مختلف لباس پہننے کی قدرت حاصل ہے۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت دینے پر ہے۔ یاد رہے کہ اس مسلک کو سمجھنا سخت مشکل کام ہے[2]۔ صرف انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام علی نبینا و علیہم السلام کو اس کا علم ہوسکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو مکاشفہ کے مالک ہیں، وہ بھی سمجھتے ہیں (واللہ اعلم) بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلِ سنت اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں[ع]۔

تنبیہ شیطان کی عادت ہے کہ جو بھی اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے مطیع کو تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار کر اُس سے بیزار ہوجاتا ہے۔

---

[1] اسی مسئلہ کے مزید ابحاث فقیر کے رسالہ "الانجلاء فی تطورات الاولیاء" یا "ولی اللہ کی پرواز" میں دیکھیے۔ (فقیر اویسی رضوی غفرلہٗ)

[2] جیسے وہابی دیوبندی اس حقیقت سے آج تک بے خبر ہیں۔ ورنہ مسئلہ واضح ہے کہ قدرت رب کی ہے استعمال بندہ کرتا ہے۔ ۱۲

[ع] یعنی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی قدرت اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے اور وہ اسے عمل میں لاکر متعدد مقامات پر حاضر و موجود اور ناظر ہوتے ہیں (ولکن الوھابیہ قوم لا یعقلون) (اویسی غفرلہٗ)

حکایت منقول ہے کہ ایک عبادت گزار بندہ اپنے حجرے میں عرصۂ دراز تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہا۔ اسی علاقہ کے بادشاہ کو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بادشاہ کو خیال گزرا کہ اسے کہیں ایسی جگہ چھوڑ آؤں۔ جہاں کسی کو معلوم نہ ہوسکے کہ بادشاہ کی لڑکی ہے اس طرح سے وہ منگنی سے بچ جائے گی۔ اور وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کی لڑکی کا کسی سے نکاح نہ ہو۔ چنانچہ اس لڑکی کو اس عابد کے حجرے کے قریب ٹھہرا دیا۔ جب وہ لڑکی جوان ہوئی تو شیطان نے اسی عابد زاہد کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے ساتھ جماع کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ زاہد عابد شیطان کا دھوکا کھا کر اس لڑکی سے جماع کر بیٹھا، اور اس سے وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔ پھر شیطان اسی زاہد کے ہاں حاضر ہوا کہ اگر اس لڑکی سے بچہ پیدا ہوا یا اس کے حمل کا بادشاہ کو علم ہوگیا تو تیری رُسوائی ہوگی۔ اس کے متعلق صحیح صورت یہی ہے کہ بادشاہ کی لڑکی کو قتل کرکے کہیں دفن کر دے۔ اور بادشاہ کو جا کر کہہ دے کہ تیری لڑکی مرگئی ہے۔ عابد زاہد نے اس کے کہنے پر لڑکی کو قتل کرکے دفنا دیا۔ پھر شیطان بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ تیری لڑکی سے اُس زاہد نے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئی۔ پھر اس نے اپنی شرمساری کو چھپانے کے لیے اسے قتل کر دیا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو قبر کھود کر اس کا پیٹ چیر دیں اس سے بچہ نکلے گا۔ اگر اس کے خلاف ہو تو مجھے قتل کر دینا۔ بادشاہ نے قبر کھودی اور پیٹ چیرا تو بات سچی نکلی۔ بادشاہ زاہد کو حجرہ سے گرفتار کرکے شہر لایا اور برسرِ میدان سُولی پر لٹکا دیا۔ جب وہ سُولی پر لٹکایا جا رہا تھا تو اس کے ہاں شیطان حاضر ہوا اور کہا کہ آپ نے میری تمام باتیں مانی ہیں اب آخری بات بھی مان لو، وہ یہ کہ تم میرا کلمہ (ابلیسی) پڑھ لو، بادشاہ کی سزا سے بچا لوں گا۔ چونکہ اب اسے بدبختی گھیر چکی تھی اسی لیے وہ شیطان کے کہنے پر ایمان ہاتھ دھو بیٹھا۔ اور کہا کہ اے ابلیس! اب تو بچا لیو۔ اس نے کہا میں نے تو صرف دھوکا دیا تھا اب میں تیری مدد کروں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

(سبق) دانا پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

ترجمہ: بے شک آدمی کے بڑے دشمن پنہاں نہیں، عاقل وہ ہے جو ہر وقت ڈرتا رہے۔

(فائدہ) شیطان جب کسی سالک پر غلبہ پا لیتا ہے تو وہ اسے قوت و کمال کا دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اب تم درجۂ کمال کو پہنچ چکے ہو فلہٰذا اب تمہیں دنیوی امور سے کسی قسم کا نقصان نہیں بلکہ بعض منہیاتِ شرعیہ کے ارتکاب سے اُلٹا تمہیں فائدہ ہوگا مثلاً ریاء، و عُجب سے بچ جاؤ گے جیسے ملامتیہ فرقہ کے لوگ برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

علاج روحانی اگر نفس کے عُجب کو مٹانے کے لیے کسی مباح فعل کا اظہار کیا جائے تو اہلِ حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن حرام فعل کا ارتکاب نہ کرے۔ اس پر تمام مشایخِ اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے۔ (سبق) سالک پر لازم ہے کہ ان باتوں کا خصوصیت سے خیال رکھے ورنہ بہت سے غلط کار صوفی ایسی بے شمار غلطیاں کر جاتے ہیں۔ وہ تو حلال و حرام کی حدود بھی توڑ دیتے ہیں بلکہ اپنے مشایخ سے کیے ہوئے تمام وعدے ختم کر ڈالتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنے

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَ
أَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ○ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

ترجمہ: جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر تم دیکھو کہ جب فرشتے کافروں کی رُوح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں مارتے ہوئے کہتے ہیں جلانے والی آگ کا عذاب چکھو۔ یہ عذاب تمہارے ان اعمال کی سزا ہے جنہیں تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ان کا طریقہ ویسا ہے جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں کا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔

میں سلامتی ہے اور اولیاء کرام کے آدابِ طریقت پر چلنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ یہ بات اسے کام دے گی جو اسرارِ الٰہی کے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدسی نے فرمایا ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست

ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راستہ پر شیطان کے وسوسے بہت ہیں۔ ہوش کرکے فرشتے کا پیام دل میں محفوظ کرلے۔

تفسیر عالمانہ إِذْ یہ اُذکُرْ محذوف کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ یعنی یاد کرو اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جبکہ منافقین کہتے تھے۔ انؐ سے قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگ مراد ہیں۔ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض تھا۔ ان سے وہ قریش مراد ہیں جو مکہ معظمہ میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن قوت کے فقدان اور اپنے اقربا کی ممانعت از ہجرت کی وجہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرکے نہ آسکے۔ جب کفارِ مکہ جنگِ بدر کے لیے آئے انہیں باجبار و اکراہ ساتھ لائے۔ ایسے لوگوں نے جب دیکھا کہ اہلِ اسلام تو مٹھی بھر ہیں تو شک میں پڑکر مرتد ہوگئے اور اہلِ مکہ یعنی کفار سے کہا: غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے کہ قلت کے باوجود جنگ کے لیے

قریش مکہ کے مقابلے میں نکل کھڑے ہیں حالانکہ اُن کی کثرت بھی ہے اور شان وشوکت بھی۔ اور انہوں نے نہ صرف شک کیا بلکہ انہیں یقین تھا کہ قریش (کفار) اہلِ اسلام پر غلبہ پا جائیں گے کیونکہ وہ (کفار) ایک ہزار کے لگ بھگ تھے اور یہ (اہلِ اسلام) صرف تین سو تیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان مرتدوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے یعنی اپنے جملہ امور اسی کو سپرد کر دے اور سہارا ہو تو صرف اسی کا، اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سر جھکائے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ تو بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرے اُسے ذلیل وخوار نہیں کرتا بلکہ اُسے پناہ دیتا ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ حَكِيْمٌ حکمت والا ہے اپنی حکمت سے وہ کام کرتا ہے جس کا عقول وفہوم ادراک نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امور کو دیکھ کر بہت بڑے عقیل و فہیم حیران رہ جاتے ہیں۔

حجاج بن یوسف ظالم اور ایک بیباک نڈر حاجی

منقول ہے کہ ایامِ حج میں حجاج بن یوسف ظالم مکہ معظمہ میں تھا۔ ایک شخص کو زور سے تلبیہ پڑھتے ہوئے سُن کر فرمایا: اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا تو حجاج نے پوچھا، تُو کون ہے؟ اس نے کہا، میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ تُو کہاں سے آیا ہے؟ عرض کی: یمن سے۔ حجاج نے کہا، میرے بھائی (محمد بن یوسف) کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: خوب موٹا تازہ ہے، خوش لباس ہے، ہر وقت سواریوں پر سوار نظر آتا ہے۔ حجاج نے کہا، میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ معاش میں کیسا ہے بلکہ یہ بتائیے کہ عوام سے اس کا معاشرہ کیسا ہے۔ اس نے کہا معاشرہ پوچھتے ہو تو حد درجہ کا ظالم، انتہائی غاصب، مخلوق کا مُطیع اور خالق کا نافرمان ہے۔ حجاج نے غصہ آمیز لہجہ میں کہا تمہیں اتنی بڑی جرأت کیونکر ہوئی جب تجھے معلوم ہے کہ وہ میرا بھائی ہے اور میرے دل میں اس کی کتنی قدر ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی تو انسان نہیں ہوں اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کے پیارے نبی علیہ السلام کا زیارتی اور اس کے دین اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنے والوں کا عاشق ہوں۔ حجاج اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ شخص اس سے پُوچھے بغیر سے چلا گیا اور کعبہ شریف کے پردوں کو پکڑ کر پڑھنے لگا، اَللّٰهُمَّ بِكَ اَعُوْذُ بِكَ اَلُوْذُ اَللّٰهُمَّ فَرْجُكَ الْقَرِيْبُ وَمَعْرُوْفُكَ الْقَدِيْمُ وَعَادَتُكَ الْحَسَنَةُ۔

ترجمہ: اے وہ ذات کہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اے اللہ! تیری کشادگی قریب اور تیری نیکی قدیم اور تیری عادت کریمہ اچھی ہے۔

(سبق) اس حاجی صاحب کی جرأت قابلِ داد ہے۔ اس نے حق بیان کر ہی دیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ذرہ برابر بھی خوف نہ کیا بالخصوص حجاج ظالم سے بھی نہ گھبرایا کہ جس کے ظلم کی مثال نہیں ملتی۔ وہ ظالم حجاج جس نے کسی عزت والے کو نہ چھوڑا اور جس نے ناحق ظلم کرکے بہت بڑے کاملین کے خون سے زمین کی پیاس بجھائی۔ اس کے ظلم کی داستان سنانے سے زبان تھراتی اور قلم لرزتا ہے لیکن اس بندۂ خدا نے جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس کریم نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سب سے بڑی جرأت یہ کہ وہ اکیلا اور حجاج اپنے لشکر میں تھا۔ (نکتہ) اس مردِ مومن کے غلبہ کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ مومن روحانی طور تندرست اور فاسق و

فاجر بیمار کی مانند ہوتا ہے۔ اور تندرست ہمیشہ بیمار پر غالب ہوتا ہے بالخصوص مومن منافق پر غلبہ رکھتا ہے اور حجاج تو اسی امت کا منافق تھا۔

تفسیر صوفیانہ دراصل قلب کی بیماریاں دو قسم کی ہیں،
(۱) ایمان میں شک و شبہ اسی طرح دین کے بارے میں اور اس کی حقانیت پر پورا یقین نہ ہو، یہ کفار و منافقین کے قلوب ہوتے ہیں۔

(۲) دنیا اور اس کے شہوات کی طرف میلان اور حظوظِ نفسانیہ۔ آیت میں اشارہ ہے کہ کفار و منافقین کے قلوب کی بیماری کا علاج ایمان و یقین و تصدیق قلبی سے ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی بیماری میں مرجائیں اور علاج نہ کرائیں تو تباہ و برباد ہوں گے یعنی دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے اور اہل ایمان کے قلوب کی بیماریاں توبہ و استغفار، زہد و اطاعت اور ورع و تقویٰ سے دور ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ لوگ اس حالت میں مرگئے تو انہیں انبیاء کرام و اولیاء عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نجات ہوسکتی ہے۔ ایسے لوگوں کی بیماری سے خطرہ ہے کہ کہیں ایسی بیماری سے کفر میں نہ دھکیل دیئے جائیں۔ گناہوں کے مرض میں اضافہ ہو تو نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ اہل مکہ کے بعض کی کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے مکہ معظمہ میں رہ کر اپنی بیماری کا علاج ترک کیا اور طبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری اختیار کی اور غذا نا موافق کھاتے رہے۔ مثلاً کہا، غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ تو ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ظاہر اور باطن تباہ و برباد ہوگئے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے اور یہ اصلاح اللہ والوں کی صحبت اور ہمنشینی سے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو وہ کریم ہے جو عوام پر بھی لطف و کرم فرماتا ہے اور جب عقیل و فہیم اور عاشق زار ہو کر اس کے فضل و کرم کی طلب کرے تو وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد ‏ ‏ ‏ ‏ اے خواجہ درد نیست ورنہ طبیب ہست

ترجمہ۔ عاشق کا محبوب ہو گزرا ہو لیکن نظر عنایت سے نہ نوازا، اے خواجہ درد نہیں ورنہ تیرا طبیب تو تیرے ساتھ ہے۔

دوسرے اور بزرگ نے فرمایا: ؎

مگو اصحاب دل رفتند و شہر عشق شد خالی ‏ ‏ ‏ ‏ جہاں پر شمس تبریز است و مردے کو چو مولانا

ترجمہ۔ یوں نہ کہہ کر اہل دل چلے گئے اور عشق کا شہر خالی ہوگیا سارا عالم تو شمس تبریز (اولیاء) سے پُر ہے لیکن مولانا (روم) جیسا کہاں۔

اے مولا کریم! ہمیں ان اعمال کی توفیق بخش جن سے تجھے محبت اور جن سے تو راضی ہے، اور ان بیمار قلوب کا علاج ہمارے لیے آسان فرما۔ آمین

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰٓى اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کا حال دیکھ لیں۔ (سوال) تریٰ مضارع کو ماضی کے معنے میں کیوں۔ (جواب) لَوْ مضارع کو ماضی کے معنے میں لاتا ہے جیسے لفظ اِنْ ماضی کو

مضارع بنا تا ہے۔ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں یعنی جب عزرائیل علیہ السلام کا لشکر بدبین کفار کی روحیں نکالتا تھا۔ الْمَلٰٓئِكَةُ یتوفی کا فاعل ہے یَضْرِبُوْنَ فرشتوں کا یہ حال تھا کہ وہ لوہے کے گُرزوں سے مارتے تھے۔

مروی ہے کہ جب وہ کافروں کے منہ میں لوہے کے گُرز مارتے تو اُن کے چہروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی تھیں۔
وُجُوْهَهُمْ ان کے چہروں یعنی اعضاء کے اگلے حصّوں پر۔ وَ اَدْبَارَهُمْ اور اُن کے پچھلے حصّوں پر وَ ذُوْقُوْا انہیں گرز مارتے ہوئے کہتے کہ دنیا کی تلواروں کے درد کے بعد چکھو عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلانے والا وہ عذاب جو کہ آخرت کے عذابوں سے پہلا عذاب ہے۔ اَلْحَرِيْقُ فعیل بمعنی مفعل یعنی اَلْمُحْرِقُ ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے حَرَقَهُ النَّارُ ای اَحْرَقَتْهُ وَ حَرَّقَهٗ فَاحْتَرَقَ وَ تَحَرَّقَ یعنی اسے آگ نے جلایا پھر وہ جل گیا۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ اور اسے اس لیے محذوف کیا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ ایسا سخت ترین منظر ہے کہ خارج از بیان ہے در اصل یہ عبارت یوں ہوگی؛ لَرَاَيْتَ اَمْرًا فظيعًا لَا يَكَادُ يُوْصَفُ تو تم اسے ڈراؤنا منظر دیکھتے ایسا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ذٰلِكَ وہ جو مذکور ہوا یعنی فرشتوں کا مارنا اور عذاب کا واقع ہونا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ سبب اس کے جو تم نے کفر و معاصی کا ارتکاب کیا۔ (ف) یہاں پر یَدٌ سے نفس وذات کا مراد ہے اس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اعمال میں جوارح سے سب سے زیادہ ہاتھ کو دخل حاصل ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ جملہ معترضہ تذییلیہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کے لیے واقع ہوا ہے یعنی معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انکے گناہوں کے بغیر عذاب نہیں دیتا جس کا نتیجہ نکلا کہ اہلِ ایمان کو جہنم اور اس کے عذاب کی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ یہ سزا کفار و منافقین و مرتدین کے لیے ہے کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (ف) ظلم کی نفی کرکے عذاب کی نفی میں ایک راز ہے۔ اس لیے کہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ گناہ نہ ہو وہ عذاب دے تب بھی ظلم نہیں چہ جائیکہ بندوں سے گناہ سرزد ہو تو عذاب دے۔ یہ تو بطریق اولیٰ ظلم متصور نہ ہوگا۔ اس کی مفصل تقریر سورۂ آلِ عمران میں گزری ہے۔

سوال؛ ظلّام بصیغۂ مبالغہ ظالم سے اخص ہے اس لیے کہ اس کے اندر تکثیر کا معنی ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ خلاصۂ سوال یہ ہے کہ اگر وہ ظلّام نہیں تو ظالم ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب ۱؛ یہاں کثرت ظلم سے متعلقین کی کثرت مراد ہے۔ اس لیے کہ لفظ عبید کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس بنا پر ان پر ظلم کا پہنچنا بطور کثرت ہوگا۔ پھر جب ان سے ظلم کی نفی ہو گئی تو گویا اس ذات سے ہر طرح ظلم کی نفی ثابت ہوئی (وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ) اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

جواب ۲؛ کثیر کی نفی سے قلیل کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو بھی کسی پر ظلم کرتا ہے تو کسی نفع کو مدِّ نظر رکھ کر پھر جو شخص کثیر نفع کو ترک کرکے کسی پر ظلم نہیں کرتا تو قلیل نفع کے لیے کیسے ظلم کر سکتا ہے۔ یہ عمومی مفہوم کی حیثیت سے ہے کہ جسے نفع یابی یا ضرر

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ○ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ○ ع

(الانفال آیات ۵۳ تا ۵۸)

ترجمہ: یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت سے نہیں بدلتا جب تک وُہ خود نہ بدلیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے جیسے فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں کا حال ہوا کہ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب سے انہیں تباہ و برباد کیا اور فرعونیوں کو بھی غرق کر دیا، اور وہ سب کے سب ظالم تھے بے شک تمام خلائق سے بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی کافر ہیں اسی بنا پر وہ ایمان نہیں لاتے۔ وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا تھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پھر اگر آپ انہیں کہیں لڑائی میں پائیں تو ان کے سبب سے ان کے پسماندگان کو بھگا دیجیے اس امید پر کہ وہ سمجھ جائیں اور اگر آپ کو کسی قوم سے دھوکہ کا خطرہ ہو تو ان کا معاہدہ نہیں واپس فرما دیجیے تاکہ معاملہ برابر ہو بیشک اللہ تعالیٰ دغا والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(تفسیر و تشریح)

سے بچنے کا خیال ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا مفہوم کہاں۔

جوابِ ۳: یہ فعال بزاز و عطار کی طرح نسبت کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ اس میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سے قریش کا مقابلہ فرعون والوں کی طرح ہے۔ وہ ایسے قبیح اعمال میں مشہور ہیں تو یہ بھی اُن کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

حل لغات: دَاْب لغت میں ادامۃ العمل کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں فُلَانٌ يَدْاَبُ فِيْ كَذَا۔ یعنی وہ ایسے عمل پر مداومت کرتا ہے پھر عادت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ اس لیے کہ انسان اپنی عادت پر مداومت کرتا ہے اور آلؔ کا اطلاق مرد کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اپنے مؤکد ترین اسباب لے کر اسی کی طرف لوٹیں اسی لیے قرابت والوں کو آل الرجل کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھیوں کو آل نہیں کہا جاتا لیکن یہاں پر فرعون اور اس کے اتباع مراد ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وُہ لوگ جو ان سے پہلے تھے یعنی فرعونیوں سے پہلے، جیسے قومِ نوح، عاد، ثمود اور دیگر

اہل کفر و عناد۔ کَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے منکر ہوئے۔ یہ دَاْبِ کی تفسیر ہے اور آیات سے دلائل التوحید مراد ہیں جو آفاق والنفس میں موجود ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات مراد ہیں۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑا، یعنی ان کے کفر و دیگر معاصی کی وجہ سے ان کی گرفت ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سخت عذاب والا ہے کہ اس کے عذاب کو کوئی دفع نہیں کر سکتا۔

ذٰلِكَ وہ عذاب جو ان کی غلطیوں سے مرتب ہوا، ورنہ وہ قادر ہے کہ ایسے ہی کسی کو عذاب دے۔ بِاَنَّ اللّٰهَ

تفسیر عالمانہ بسبب اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ لَمْ يَكُ یہ در اصل لَمْ يَكُنْ تھا۔ نون کو حروفِ علت سے مشابہت کی وجہ سے تخفیفاً حذف کیا گیا ہے وجہ تشبیہ یہی ہے کہ یہ حرف غنہ ہے۔ پھر جیسے حرفِ علت بانت عامل جازم کے محذوف ہو جاتا ہے یہ بھی بوجہ کثرت استعمال کے تخفیفاً محذوف ہوتا ہے اور فعل کَوْن کثیر الاستعمال ہے بخلاف لَمْ يَصُنْ وَ لَمْ يَخُنْ کے۔ ان میں نون محذوف نہیں ہوا اس لیے کہ وہ کثیر الاستعمال نہیں اور کثیر الاستعمال بھی تخفیف کو چاہتا ہے۔ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اور اس کی حکمت کے لیے ناموزوں ہے کہ وہ کسی کو نعمت دے کر پھر اس میں تبدیلی کرے حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہاں تک کہ تبدیل کریں جو ان کے نفسوں میں ہے یعنی انکے ان اعمال و احوال کی وجہ سے کہ نعمت کے حصول کے باوجود وہ غلط کاریوں میں مشغول رہے اور نعمت کے تقاضا کے منافی اعمال و افعال کے مرتکب ہوئے خواہ اس سے قبل ان کے احوال و افعال نیک تھے یا نیکی کے لیے اصلاح پذیر تھے۔ مثلاً یہی کفار کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے کہ وہ بت پرستی میں مشغول تھے۔ لیکن ان کے لیے یہ حالت ایسی تھی کہ بحیثیت مہلت دینے کے وہ حصولِ نعمت کے مورد تھے یعنی تمام دنیوی نعمتیں ان کو حاصل تھیں۔ جب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم معجزات لے کر تشریف لائے تو انہوں نے انہیں بدتر احوال کی طرف تبدیل کیا بایں حیثیت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ سے اور آپ کے تابعین سے مخالفت و عداوت کی اور ہر طرح کی تکالیف میں مبتلا کیا اور شدائد و مصائب کے ان پر پہاڑ ڈھائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی دی ہوئی نعمت بھی اُن سے چھین لی کہ جہاں انہیں مہلت دے رکھی تھی انہیں عذاب میں مبتلا کیا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ وہ بھوکے تھے تو ان کے لیے طعام وغیرہ کی فراوانی کی اور انہیں خوف سے مامون و مصئون فرمایا، اور ان سے ہی رسول علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کی ہی زبان میں قرآنِ کریم نازل فرمایا۔ جب انہوں نے ان نعمتوں کا شکر نہ کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمت حاصل کی۔ اس طرح سے انہوں نے نعمتوں کو تبدیل کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی نعمتیں واپس لے کے انہیں ہلاک کر دیا اور بدر میں انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے یعنی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال خواہ وہ عمل میں لاتے یا انہیں ترک کرتے ہیں ان سب کو جانتا ہے وہ سابق ہیں یا لاحق وہ مناسب و موزوں طریق سے انہیں مرتب

فرماتا ہے۔ کسی پر نعمتیں باقی رکھنا موزوں ہوتا ہے تو باقی رکھتا ہے اگر اس سے واپس لینا مناسب ہوتا ہے تو واپس لیتا ہے۔
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون والوں کے طریقہ پر۔ اس کا تکرار تاکید کے لیے ہے۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے جنہوں نے اپنے رب کریم کی آیات کی تکذیب کی پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کیا وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اس کا عطف فَاَهْلَكْنٰهُمْ الخ پر ہے۔ اور ہم نے فرعون والوں کو غرق کر دیا۔

سوال : اغراق کا مفہوم تو اَهْلَكْنَا میں ادا ہو گیا تھا پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : عموم کے بعد خصوص کا ذکر کسی اہمیت کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یہاں اغراق کی ہولناکی اور اس کی گھبراہٹ کی سختی کو مدنظر رکھ کر اَهْلَكْنَا کے بعد اَغْرَقْنَا لایا گیا ہے۔

وَكُلٌّ اور ان میں ہر ایک یعنی فرعون والے اور قریش مکہ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے لیے پیش کیا یا معنیٰ ہے کہ وہ ایمان و تصدیق کی بجائے کفر و تکذیب کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فرعون اور اس کی قوم کو غرق در دریا سے اس لیے مخصوص کیا گیا کہ فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی اور خواہشات نفسانی کو غالب کر کے جوہر روحانی کو ضایع کرنے کا انتہائی مرحلہ طے کیا۔ اس لیے کہ اگرچہ ہر کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور کفر سے اپنے جوہر کو ضایع کر دیتا ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم کی غلط کاری اور مراتب کفر کو کوئی نہ پہنچ سکا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلی فطرت کو ضایع نہ کرے حتی الامکان اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور منحوس معاملات سے بچے، جو اسے فساد اور ہلاک کی طرف لے جائیں اور مخالفت حق کے اعمال سے احتراز کرے اسی طرح ایسے امور کے قریب نہ جائے جو اسے قبولِ حق سے باز رکھیں۔ یہ پند و نصیحت ہر ایک کو مفید ہے بالخصوص راہ سلوک پر جو شخص گامزن ہو اس کے لیے نہایت ہی ضروری ہے ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

ترجمہ : جس کے ذہن میں غرور بھرا ہو وہ حق کو ہرگز نہیں سنے گا۔

پندِ غزالی قدس سرہٗ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص نعمت کی قدردانی نہ کرے اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ اسے ایک مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کسی اپنے عبد مملوک کو اعزازاً و اکراماً اپنے قریب تر کر دے اور بہترین لباس اور پوشاک عطا فرمائے اور اسے اپنے تمام نوکروں چاکروں

اور خدام و حشم کا سردار بنا دے، اور اسے حکم ہو کہ وہ شاہی دروازہ پر حاضر باش رہے پھر غائبانہ اس کے لیے ایک بہترین بنگلہ تیار کرانا شروع کر دے۔ اسے ہر طرح کی زیبائش سے مزین کر کے اس پر ہر طرح کا بہتر سے بہتر سامان لگائے اور ہر قسم کے خوان و نان اس کے لیے تیار کرائے۔ اور اس میں نہایت حسین و جمیل حور و غلمان مقرر کرے اور اسے اجازت ہو کہ وہ بادشاہ کی خدمت سے فراغت پا کر اسی بنگلہ میں آرام کرے اور وہ اس میں بمنزلہ بادشاہ اور مخدوم و مکرم و معزز ترین انسان کے ہو اگر اسے صرف گھڑی بھر یا اس سے بھی کم رہ کر پھر واپس جلد تر بادشاہ کی خدمت کے لیے جانا ہے۔ اندریں اثناء ایسا شخص دیکھے کہ بادشاہ کے دروازے کے باہر کوئی روٹی کے سُوکھے ٹکڑے کھا رہا ہے یا کُتا ہڈی توڑ رہا ہے۔ ایسا شخص بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر انہی سُوکھے ٹکڑوں کو دیکھنا شروع کر دے اور کُتے کی ہڈی کو گھُور گھُور کر دیکھے، اور ان سے اس کی ایسی دلچسپی ہو کر دُو چاہے کہ اسے یہی سُوکھے ٹکڑے اور ہڈی مل جائے۔ نہ اسے بادشاہ کا اعزاز ملحوظ خاطر ہو اور نہ ہی اپنی موجودہ عزت و احترام کا خیال ہو بلکہ وُہ بھُوکوں کی طرح انہی سُوکھے ٹکڑوں اور کُتے کی ہڈی کو حاصل کرنے کے لیے ٹُوٹ پڑے اور ان سُوکھے ٹکڑوں کے لیے دست دراز کرے اور کُتے سے ہڈی چھیننے کے لیے بڑی جد و جہد کرے اور اسے روٹی کے ٹکڑوں اور کُتے کی ہڈی کا دل میں بہت بڑا احترام ہو اور اسے ایک نعمتِ عظمیٰ تصور کرے۔ بتائیے ایسے شخص کے لیے بادشاہ کو کیا خیال گزرے گا بلکہ کہے گا یہ تو حد درجہ کا پاگل ہے جس نے ہمارے اعزاز و اکرام کی کوئی قدر نہیں کی اور نہ اس نے ہمارے قرب و اکرام اور دیگر الطاف و عنایات کو دیکھا۔ ہم نے اس پر نعمتوں و کرامتوں کے دریا بہا دیے۔ یہی کہا جائے گا کہ یہ جہالت کا استاد بلکہ بیوقوفوں کا سربراہ ہے۔ پھر اس سے وہ تمام نعمتیں چھین لی جائیں گی اور اس کا تمام اعزاز و اکرام برباد ہو جائے گا کہ اسے بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دو۔

مثال مذکور ہر اس عالم دین کی ہے جو علم پڑھ کر عمل کرنے کے بجائے دنیاوی عیش و عشرت کی طرف مائل ہو۔

عالم بے عمل اسی طرح ہر وُہ عابد جس کی عبادت کا مطمع نظر صرف خواہش نفسانی ہو۔

سالک پر لازم ہے کہ انتہائی جد و جہد کرے تا کہ اسے معرفتِ الٰہی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان سکے۔

سبق کہیں ایسا نہ ہو کہ وُہ نعمت اس کے لیے عذاب کا سبب اور رحمت عذاب بن جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ او شد مر شاہ را جامہ کش	ہست خسراں بہر شاہش
ہر کہ با سلطان شود او ہمنشیں	بر درش شستن بود حیف و غبیں
دست بوسش چوں رسید از بادشہ	گر گزیند بوس پا باشد گناہ
گرچہ سر بر پا نہادن خدمت است	پیش آں خدمت و ذلت است
شاہ را غیرت بود بر کہ او	برگزیند بعد از انکہ دید او

ترجمہ: جو بادشاہ کے لیے بمنزلہ کپڑے کے ہو اسے بعد کو بادشاہ سے نقصان ہوگا۔ جو بادشاہ کا ہمنشین ہو گا اسے بادشاہ سے ہر وقت خوف و خطر ہو گا۔ جب بادشاہ اس کی تعظیم و تکریم کرے تو اسے غیر کی پا بوسی سے گناہ

ہوگا۔ اگر اس کی خدمت پا بوسی پر مقرر ہو ایسی خدمت اس کے لیے ذلت ہے۔ بادشاہ کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اس کے غیر کو دیکھے۔

سبق جو اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کو پہچان لیتا ہے تو وہ دنیا بلکہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بزرگ تر ہے اور اس کا ذکر و کلام ہر ذکر و کلام سے افضل و اعلیٰ ہے۔

حکایت حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام اپنے لشکر میں نہایت کرّ و فر سے جا رہے تھے۔ پرندوں نے سایہ کیا ہوا تھا۔ اور وحوش و انعام جن و انس بلکہ جمیع حیوانات وغیرہ آپ کے دائیں بائیں تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے ایک عابد سے گزرے تو اس نے کہا: اے ابن داؤد علیہما السلام! آپ کو ایک بہت بڑا ملک اور تخت نصیب ہوا۔ آپ کتنے خوش قسمت ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عابد! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صرف ایک بار تسبیح کہنا ابن داؤد کی شاہی اور تخت و سلطنت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ ابن داؤد کی شاہی اور اس کی سلطنت کو فنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح غیر فانی ہے۔

سبق جو آخرت کا طالب ہے اس کے لیے یہی ذکرِ الٰہی بہتر رہبری ہے۔ اسی طرح جو شواغلِ دنیا سے فارغ ہو کر حضرت علیا کی طرف متوجہ ہے اور آخرت کے لیے ہر وقت جدّ و جہد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ بے شک زمین پر چلنے والے یعنی جملہ حیوانات سے شریر تر ہیں۔ اس میں انسان بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر دَوَآبّ کا لغوی معنیٰ مراد ہے عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم و قضا میں الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جنہوں نے کفر کیا یعنی اس پر اصرار کیا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی ان سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ ان لوگوں سے ہیں کہ جن پر کفر کی مُہر ثبت ہو چکی ہے۔

سوال: انہیں شر الناس کی بجائے شر الدواب کیوں کہا؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ اتنا بدبخت ہو چکا ہے کہ انسانی مجانست سے خارج ہو کر حیوانوں میں داخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئك كالانعام بل هم اضل۔ یہ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ ؎

دریغ آدمی زادہ پر محل
کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

ترجمہ: اس آدمی پر حیف ہے جو جانوروں سے بھی بدتر ہو۔

اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ یہ پہلے اَلَّذِيْنَ سے بدل البعض ہے۔ اس کے بیان یا تخصیص کے لیے ہے یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے۔ اس معنی میں یہ مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے ہے ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

عَهْدَهُمْ پھر وُہ اپنا معاہدہ توڑ ڈالتے ہیں۔ اس کا عطف عَاهَدْتَّ پر ہے۔ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ یعنی ہر بار معاہدہ کر کے توڑ ڈالے وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ وہ اپنے خلاف معاہدہ اور کفر کے اصرار کرنے پر دوام رکھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وُہ اس دھوکہ بازی سے بچتے ہی نہیں۔ اس بارے میں عار اور نارِ جہنم سے نہیں ڈرتے۔

یہود معاہدہ توڑ اس سے قریظہ کے یہودی مراد ہیں جنہوں نے حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا یعنی وہ تمہارے دشمنوں سے مل کر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے لیکن انہوں نے نہ صرف معاہدہ توڑا بلکہ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شکست دینے کے لیے اہلِ مکہ کو ہتھیار دیے۔ جب انہیں معاہدہ کی یاددہانی کرائی گئی تو کہا کہ ہم بھول گئے اور ہم نے غلطی کی۔ اس کے بعد دوبارہ معاہدہ کیا تو غزوۂ خندق میں وعدہ توڑ کر کفار سے مل گئے اور حضور علیہ السلام کو شکست دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ یہودیوں نے جب غزوۂ بدر میں اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھا تو سمجھا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہی سچے نبی ہیں جن کے متعلق خوشخبری دی گئی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے اس لیے معاہدہ کر لیا کہ اب کے بعد ان پر کوئی غلبہ نہیں پا سکے گا۔ پھر مسلمانوں کو جب اُحد میں تھوڑی سی شکست ہوئی اور وہ بھی ان کی ناتجربہ کاری اور غلط تدبیر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی سے، تو شک میں پڑ گئے اگر یہ نبی حق پر ہوتے تو شکست نہ کھاتے۔ اسی لیے معاہدہ توڑ کر اہلِ مکہ کے ہاں خود چلے گئے۔ چنانچہ بنو قریظہ کا سردار کعب بن سعد مکہ معظمہ کے کفار کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم نبی علیہ السلام سے مقابلہ کرو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ پہلے تم اکیلے لڑتے رہے اب ہم تمہارا تعاون کرتے ہیں۔ اُن کے اُکسانے پر غزوۂ خندق وقوع پذیر ہوا۔

مسئلہ: اس میں اشارۃً معاہدہ توڑنے اور وعدہ خلافی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ بالخصوص وُہ لوگ جنہوں نے عالمِ میثاق میں اللہ تعالیٰ سے کفر اور معاصی سے دُور رہنے کا معاہدہ کر کے اب دُنیا میں کفر و عصیاں کر کے وہ معاہدہ توڑ دیا۔ اور نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار۔ ؎

نہ مارا درمیاں عہد و وفا بود ٭ جفا کردی و بد عہدی نمودی

ہنوزت ار سرِ صلحت باز آ ٭ کزاں محبوب تر باشی کہ بودی

ترجمہ: تیرے میرے درمیان معاہدہ تھا لیکن تُو نے ظلم کیا اور معاہدہ توڑا۔ اب بھی اگر تجھے صلح کا خیال ہے تو آجا پہلے کی طرح تُو میرا محبوب ہو گا۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ یہ ثقفٌ سے ہے اور اس کی گردان بابِ سمع کے مطابق ہوگی بمعنی مُصَادَفَةٌ وَ اَخْذٌ وَ ظَفْرٌ وَ اِدْرَاكٌ (کذا فی القاموس) اور لفظ "اِمَّا" ان شرطیہ اور ما تاکیدیہ سے مرکب ہے یعنی جب ان کا یہی حال ہے جیسے مذکور ہوا۔ تو اگر آپ اُن پر فتح پائیں۔ فِی الْحَرْبِ جنگوں اور کمزوریوں میں فَشَرِّدْ بِهِمْ پس انہیں متفرق فرمائیے۔ کاشفی نے کہا کہ پس رمیدہ گردان و متفرق ساز بہم یعنے ان کے قتل کے سبب سے مَّنْ خَلْفَهُمْ وہ جو اُن کے پیچھے ہیں۔ یہ

ؑ یعنے دور بھینک اور منتشر کر ۱۲ اویسی غفرلہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فشرد کا مفعول بہ ہے۔

فائدہ: اس سے آپ کے دشمن کفار مراد ہیں۔ (ف) اَلتَّشْرِیْدُ بمعنی الطرد و تفریق الشمل و تبدید الجمع۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان معاہدہ توڑنے والوں پر جنگ میں فتح پالیں تو ان کے ساتھ ایسا سخت معاملہ کرنا اور انہیں قہر و غضب میں ایسا مبتلا کرنا کہ ان کے دل کانپ جائیں تاکہ آپ کے ساتھ آئندہ کوئی معاہدہ توڑنے کی جرأت نہ کر سکیں بلکہ تادم زیست انھیں آپ سے لڑائی اور جنگ کرنے کے تصورات بھی مٹ جائیں۔

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ توڑنے والوں کے ماسوا ہیں کہ وہ آپ کی سخت سزا سے آئندہ کے لیے نصیحت پائیں گے کہ جس طرح بنا فقین اور معاہدہ توڑنے والوں کو سزا ملی ہے انھیں بھی ایسے ہی سزا ملے گی۔ اس طرح سے وہ کفر و معاصی سے بچ جائیں گے۔ ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز — چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائبِ دیگراں — تا نگیرند دیگراں از تو پند

ترجمہ: وہ پرندہ دانے کے لیے نہیں جاتا جب دوسرے پرندے کو جال میں پھنسا دیکھتا ہے۔ دوسروں کے مصائب سے نصیحت حاصل کرو نہ کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ اور اگر تم معلوم کرو یہاں پر خوف استعارۃً بمعنی علم ہے **مِنْ قَوْمٍ** معاہدہ کرنے والی قوم سے **خِيَانَةً** آئندہ کے معاملات میں ان سے خیانت یعنی عہد شکنی محسوس کریں بایں طور کہ ان کے طور اطوار بتائیں کہ ان کے عزائم اور ارادے کیا ہیں **فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ** تو ان کے معاہدے ان کی طرف پھینک دیں **عَلٰى سَوَآءٍ** در اں حالیکہ آپ ان کی دشمنی کے اظہار میں سیدھے راستہ پر ہوں بایں طور کہ آپ بھی ان سے عہد شکنی ظاہر فرمائیں یعنی غیر مبہم الفاظ سے انھیں واضح کر دیں کہ اب تمہارا اور ہمارا معاہدہ، اور ایک دوسرے سے تعلق ہمدردی ختم، تاکہ انھیں جنگ کے دوران یہ وہم نہ ہو کہ آپ اپنے معاہدہ کے پابند ہیں حالانکہ اندرونی طور معاہدہ ختم کر کے ان سے لڑائی کا پروگرام ہے۔ جب آپ واشگاف الفاظ سے معاہدہ ختم کا اعلان فرمائیں گے۔ اب وہ کسی وہم و گمان میں نہ رہیں گے اور نہ ہی آپ پر الزام تراش سکیں گے کہ آپ نے ان سے خیانت کی ہے۔

فائدہ: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ معاہدہ توڑنے والے سے حال ہے یا علی السواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ عہد کے خاتمے کا اعلان ایسے واضح الفاظ سے فرمائیں کہ جس سے ہر چھوٹا بڑا اور اعلیٰ ادنیٰ باخبر ہو اس معنی پر "علی السواء" اَلْمَنْبُوْذُ اِلَيْهِمْ سے حال ہے یا علی السواء کا مطلب یہ ہے کہ آپ اور وہ اس عہد کے ختم کرنے میں برابر ہیں۔ اس معنی پر علی السواء پر دونوں جانبوں سے حال ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ بطریق استیناف کے یہ امر فَانْۢبِذْ کی تعلیل اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا انہیں امر کیوں ہوا اور عہد شکنی سے پہلے انھیں جنگ سے کیوں روکا گیا تو اس کا جواب ملا کہ بیشک اللہ تعالیٰ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ○ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○

(الانفال آیات [illegible])

ترجمہ: اور کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ بچ گئے بیشک وہ عاجز نہیں کر سکتے اور جتنا تم سے ہو سکے تم ان کے لیے تیار رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کے دلوں پر رُعب ڈالو اور ان کے علاوہ جنہیں تم نہیں جانتے ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پُورا دیا جائے گا اور تمہارے لیے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔

خیانتیوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے معاہدہ توڑنے پر طعن کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کر کے بہت سخت غلطی کھائی۔ گویا حضور علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی محسوس فرمائیں تو ان کو عہد شکنی کی اطلاع دے کر ان سے جنگ کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور یہ یہود بھی منجملہ ان عہد شکنی کرنے والوں سے ہیں جیسا کہ آپ اُن کے حالات معلوم کر چکے ہیں۔

(تفسیر [illegible])

مسئلہ: خلیفۂ اسلام پر واجب ہو جاتا ہے کہ جس قوم سے عہد شکنی کے آثار محسوس کرے تو اُن کو عہد شکنی کا اعلان کر دے۔

مسئلہ: اگر ان سے عہد شکنی یقینی ہو جائے۔ یعنی وہ عہد شکنی کا ارتکاب بھی کر چکے ہوں تو پھر اعلان کی ضرورت نہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ سے کیا کہ جب انہوں نے خزاعہ کو قتل کیا تو وہ حضور علیہ السلام کے ذمہ میں تھے تو آپ نے اس عہد شکنی کے بعد بلا اعلان اہلِ مکہ سے جنگ کی۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے جنگ سے پہلے عہد شکنی کا حکم فرمایا تو کسی کے دل میں وہم گزرا کہ ہم جنگ سے پہلے دشمن کو کیسے بیدار کریں یا انہیں ہم کس طرح اطلاع دیں کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے ہیں باوجودیکہ وہ خود عہد شکنی توڑ کر قرائن سے معلوم تو کر لیں گے کہ ہم ان سے معاہدہ ختم کر چکے۔ پھر جب ہم انھیں مطلع کریں گے تو وہ جنگ کی تیاری کر کے مضبوط قدم جما سکیں گے کہ ان سے مقابلہ مشکل ہو جائے گا یا کم از کم جنگ سے بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بہرحال ہماری اطلاع سے ہمارا مقصود فوت ہو جائیگا یعنی ان سے انتقام لینا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اس طرح کیوں نہ ہو کہ انھیں اطلاع دیے بغیر جنگ لڑی جائے اس وقت جب کہ ہم ان سے خیانت کی علامات محسوس کریں۔ ورنہ معاملہ گڑبڑ ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفین کی عہد شکنی کے آثار معلوم کرنے کے بعد انہیں اطلاع دیے بغیر ان سے جنگ لڑنی چاہیے۔ لیکن یہ حکم جو فرمایا گیا ہے کہ پہلے انھیں اطلاع دو پھر

اُن سے جنگ کرو، یہ عقل کے خلاف ہے۔

تفسیرِ عالمانہ اس وہم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَا يَحْسَبَنَّ** اور گمان نہ کریں **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ یہ وَلَا یَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اور اس کا پہلا مفعول محذوف ہے اور وہ اَنْفُسَهُمْ ہے اسے اس لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے کیونکہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور اَنْفُسَهُمْ کا ایک معنیٰ ہے۔ **سَبَقُوْا** یہ دوسرا مفعول ہے یعنی وہ جو چوک گئے یعنی وہ جن پر آپ لوگ فتحیاب نہیں ہو سکے۔ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو غزوۂ بدر اور دوسری جنگوں میں بچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور جی بھر کر جرم و خطائیں کیں۔ **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ** بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ یہ نہی کی تعلیل اور جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے ادراک میں عاجز نہیں پائیں گے۔

حلِ لغات: لَا یُعْجِزُوْنَ میں باب افعال کا ہمزہ اصل فعل کی فاعلیت میں مفعول کے وجود کے لیے ہے یعنی عجز مثلاً کہا جاتا ہے اَبْخَلْتُهٗ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو بخیل پائے اور کہا جاتا ہے اَعْجَزَہُ الشَّیْءُ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی سے رہ جائے اور کہتے ہیں اَعْجَزْتُ الرَّجُلَ۔ یہ اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی کسی کو عاجز پائے۔

مسئلہ: آیت میں ان نفوس کو تہدید سُنائی گئی ہے جو گناہوں پر جرأت رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت مندی کی جاتی ہے۔

حکایت حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک شہر کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان کھڑا ہو گیا۔ وہ شاہی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے اور بھی ساتھی تھے۔ جب اس نے میرے وعظ کے یہ کلمات سُنے کہ اس ضعیف پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ اسی حالت میں مجلس سے چلا گیا۔ پھر دُوسرے روز میں حسبِ عادت وعظ کرنے لگا تو پھر وہی نوجوان حاضر ہوا اور مسجد میں آکر السلام علیکم کہا اور دوگانہ پڑھ کر مجھ سے گویا ہُوا: اے سری سقطی! فرمایئے، کل آپ نے کہا کہ اس کمزور پر تعجب ہے جو بڑی طاقت والے کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کا مطلب مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قوی تر اور کوئی نہیں، اور بندے سے بھی ضعیف ترین اور کوئی نہیں لیکن اس کے باوجود بندہ اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی کرتا ہے۔ نہ

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ
چہ زند پیش باز روئین چنگ

ترجمہ: اگرچہ مرغ لڑائی میں چالاک ہے لیکن باز کے سامنے اس کی کیا مجال۔

یہ سُن کر اٹھا اور مسجد سے نکل گیا۔ پھر تیسرے روز حاضر ہوا تو بجائے شاہی لباس کے صرف دو سفید کپڑے اس کے زیبِ تن تھے

اور اس کے ساتھ پہلے والا مجمع بھی نہیں تھا بلکہ اکیلا تھا۔ آتے ہی مجھ سے فرمایا: اے سری سقطی! بتایئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسی راہ جاتی ہے؟ میں نے اسے کہا کہ اگر صرف عبادت مطلوب ہے تو دن کو روزے رکھو اور رات کو نوافل پڑھو، اور اگر اللہ تعالیٰ کا وصال مطلوب ہے تو "ماسوی اللہ" سے علیحدگی اختیار کرو۔ اس طرح سے انشاء اللہ تعالیٰ وصالِ الٰہی نصیب ہو جائے گا۔ اور ماسوی اللہ کا ترک مساجد اور ویرانوں اور گورستانوں میں اقامت پذیر ہونے سے نصیب ہو سکتا ہے۔

یہ سُن کر وُہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ سخت سے سخت تر راستے طے کروں گا۔ یہ کہتا ہوا جامع مسجد سے نکل گیا۔ چند دنوں کے بعد میرے ہاں چند نوجوان حاضر ہوئے اور کہنے لگے: آپ نے احمد بن یزید الکاتب کو کیا کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اسے جانتا نہیں البتہ میرے ہاں ایک نوجوان اس صورت و سیرت کا کئی روز پہلے حاضر ہوا تھا اور میری اور اس کی اس طرح گفتگو ہوئی، اس کے علاوہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ انہوں نے کہا: آیندہ اگر اس کے متعلق کچھ معلوم ہو تو ہمیں مطلع کرنا۔ ایک سال کامل اس کے متعلق کوئی خبر نہ مل سکی، ایک رات میں تہجد کے لیے اٹھا تو میرے دروازے پر کسی نے دستک دی، میں نے اسے کہا اندر چلے آیئے۔ وُہ اندر چلا آیا، میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان ہے جس کا تہبند ایک اُونی کپڑا ہے اور ایک ٹکڑا اونی کپڑے کا کاندھے پر ڈالے ہوئے تھا اور بغل میں ایک زنبیل تھی جس میں چند دانے کھجور کی گٹھلیوں کے تھے۔ آتے ہی میری آنکھیں چومنے لگا اور دُعائیں دیں کہ اے سری سقطی! تجھے اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد فرمائے۔ آپ نے مجھے دنیا کے گورکھ دھندوں سے بچا لیا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اسے اس کے گھر لے جایئے۔ وُہ اسے گھر لے گیا۔ گھر والی جو خود بھی زیورات سے آراستہ و پیراستہ اور بچے بھی نہایت فاخرہ لباس سے ملبوس تھے۔ اس نے بچے کو اپنے شوہر کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا: اے میرے آقا! آپ نے مجھے اپنی زندگی میں بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا دیا۔ اس نوجوان نے بیوی کی بات سُن کر اپنے ایک بچے کو گلے لگایا اور پیار کرتے ہوئے کہا: اے میرے جگر کے ٹکڑے، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ یہ کہہ کر بچے کے گلے سے اچھے کپڑے اتار کر اپنے کپڑوں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر بچے کے گلے میں ڈال دیا۔ اس کی بیوی نے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ اور بچے سے پُرانے کپڑے اتارنے اور نئے کپڑے پہنانے میں مشغول ہُوئی تو وہ نوجوان چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد اس کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ساری رات اس کے بچے، بیوی اور رشتہ دار روتے رہے۔ صبح کو اس کے عزیز سری سقطی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر دوبارہ آپ کو اس کے متعلق علم ہو تو ہمیں مطلع کرنا، میں نے وعدہ کر لیا، بہت عرصہ تک اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ایک دن شونیزیہ سے ایک بڑھیا حاضر ہُوئی اور اسی نوجوان کا سلام پہنچا کر کہا کہ اے سری سقطی! وہی نوجوان آپ کو بلا رہا ہے۔ میں وہاں پہنچا اُسے دیکھا تو نہایت نڈھال ہو گیا تھا اور ایک اینٹ سرہانے رکھ کر سویا ہُوا تھا صرف سانس آ جا رہا تھا میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا: اے سری سقطی! کیا میرے اتنے بڑے گناہ معاف ہو سکیں گے؟ میں نے کہا: ضرور معاف ہو جائیں گے۔ اس نے کہا: میں نے بڑے ظلم کیے ہیں، کیا وُہ بھی معاف ہو جائیں گے؟ میں نے کہا: ضرور۔ اس نے کہا: اے سری سقطی! میں گناہوں میں غریق ہُوں۔ میں نے کہا: وہ کریم ڈوبوں کو سہارا دیتا ہے۔ اس نے کہا: میرے اوپر کچھ حقوق العباد ہیں ان کے متعلق کیا بنے گا؟ میں نے کہا: فکر مت کیجیے، حدیث شریف میں ہے کہ:

تائب کر قیامت میں حاضر کر کے کہا جائے گا کہ اس پر جن لوگوں کے حقوق ہوں وہ حاضر ہوں جب وہ آ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے حقوق کا بدلہ دیتا ہوں لیکن تم میرے اس بندے کو چھوڑ دو اس طرح سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نوجوان نے مجھ سے فرمایا کہ اے سری سقطی! میرے ہاں گٹھلیوں کی خرید و فروخت کے چند ٹکے محفوظ ہیں میرے مرنے کے بعد اُن ہی سے تجہیز و تکفین کرنا اور میرے اعزّہ و اقارب کو مطلع بھی نہ کرنا تاکہ وہ اس میں حرام کا مال نہ ملا دیں۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور وہیں شونیزیہ میں دفنا دیا۔ چند روز کے بعد اس کے اعزہ و اقربا نے مجھ سے اُس کے متعلق پوچھا تو میں نے بتانے سے گریز کیا۔ جب انہوں نے مجبور کیا تو میں نے کہا، وہ فوت ہو گیا ہے، اس کی قبر فلاں جگہ ہے لیکن اس نے شرط لگائی تھی کہ میری تجہیز و تکفین حلال مال سے ہو اور میرے اقارب حرام کا مال نہ ملائیں۔ اس کی بیوی نے کہا: صرف آپ ہمیں اس کی قبر بتا دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی قبر کی زیارت کے سوا اور کوئی بات نہیں کریں گے۔ میں نے اُسے قبر دکھائی تو پہلے تو وہ خوب روئی پھر دو معتبر گواہوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنے شوہر کی تمام کنیزیں اور غلام آزاد کیے اور اس کی تمام زمین اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی اور اس کا تمام مال فقراء و مساکین کو دے دیا اور وہیں قبر کے نزدیک عرصۂ دراز تک مقیم رہی اور وہیں فوت ہوئی، رحمۃ اللہ علیہا۔ ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کر سکے افسوس کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔

وَاَعِدُّوْا اور اے مومنو تیار کرو **لَهُمْ** ان کفار کی جنگ کے لیے یعنی سامان مہیا کر کے اُن سے لڑو **مَّا اسْتَطَعْتُمْ** جتنی تمہیں طاقت ہے درآنحالیکہ **مِّنْ قُوَّةٍ** ایسی قوت یعنی ایسا سامان جو جنگ کے لیے ضروری ہوتا ہے گھوڑے، ہتھیار اور تیر وغیرہ۔

سوال: حضور علیہ السلام نے فرمایا: اَلَا اَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ۔ خبردار جنگی طاقت صرف تیر اندازی ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنگی طاقت صرف تیر اندازی میں محصور ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی بتائی ہیں۔

جواب: یہ حصر علی سبیل الکمال ہے۔ اس لیے کہ اس وقت جنگی طاقتوں میں مکمل ترین ہتھیار تیر اندازی تھی اور قاعدہ ہے کہ اکمل کا ذکر اس کے باقی جمیع افراد کو مشتمل ہوتا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُحد میں ایک ہزار تیر مارے۔ اُن کے ہر تیر مارنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ يَا سَعْدُ۔ اے سعد! تیرے اُوپر میرے ماں باپ فدا ہوں۔

سوال: بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے بھی لائق نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کو کہے فداك ابی و امی۔ چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک اُمتی کو فرمائیں۔

جواب: بعض نے کہا کہ یہ اس وقت فرمایا جب حضور علیہ السلام کے ابوین کے متعلق کفر و اسلام کا امتیاز واضح نہیں

ہوا تھا۔ لیکن یہ جواب ضعیف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے ابوین کے ایمان و اسلام کا اگرچہ عوام میں اقتیاز نہیں ہُوا۔ مگر حضور علیہ السلام کو تو اُن کے ایمان و اسلام کا علم تھا۔ لیکن بایں ہمہ آپ نے فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ یا سعد فرمایا۔ اس لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کا فتوٰی مبنی بر صحت نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے فداك امی و ابی کہنا مطلقاً جائز ہے۔ اس لیے کہ ان الفاظ سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے بلکہ اس سے صرف کلام کو لطیف بنانا مطلوب ہوتا ہے، جو دوسرے کو خوش کرنے اور اس کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اُسے بنایا جاتا ہے کہ بولنے والا اس سے محبت رکھتا ہے۔

تیراندازی کے فضائل

حدیث شریف ۱ : ہر نیکی پر تیراندازی اور دُعا کو فضیلت ہے۔

حدیث شریف ۲ : ایک ہی تیر کی وجہ سے تین افراد کو اللہ تعالیٰ بہشت میں داخل فرمائیگا،

۱۔ تیر بنانے والا جو اس نیت سے تیر بناتا ہے کہ اس کا بنایا ہُوا تیر جہاد میں کام آئے گا۔

۲۔ جس نے ہدیہ کے طور مجاہد کو تیر پیش کیا۔

۳۔ جنگ میں تیر مارنے والا۔

حدیث شریف ۳ : جس کی جوانی خدمتِ اسلام میں گزری اُسے قیامت میں ایک خصوصی نُور نصیب ہوگا۔ اور جو جہاد فی سبیل اللہ میں تیر مارتا ہے اس کا تیر اس کے دشمن کو پہنچے یا نہ، تو اُسے ہر تیر پر ایک آزاد شدہ مومن غلام کا ثواب ملے گا، جس کا ایک ایک عضو اس تیر مارنے والے کیلئے جہنم کا فدیہ بنایا جائے گا۔

حدیث شریف ۴ : جو شخص تیراندازوں کے دو نشانوں کے درمیان چلتا ہے اس کے ہر قدم پر اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی۔

فائدہ : الفرضُ بفتح الغین المعجمۃ والراء بعدھا الضاد المعجمۃ۔ ہر وہ نشان جسے تیر مارنے والا اپنے تیر کے پھینکنے کے لیے منتخب کرتا ہے۔

حدیث شریف ۵ : اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا ہر فعل و قول اور عمل لہو و لعب میں شامل ہے سوائے چار اعمال کے :

۱۔ تیراندازوں کے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا۔

۲۔ جہاد کی خاطر اپنے گھوڑے کو جنگی تربیت دینا۔

۳۔ اپنی گھر والی سے جائز ہنسی مذاق وغیرہ۔

۴۔ دریا میں تیرنے کا ڈھنگ سیکھنا۔

فائدہ : تیراندازی تین قسم کی ہے :

۱۔ ظاہری تیراندازی تیر و کمان سے۔

۲۔ باطنی سحر کے وقت آہ و فغاں کے تیر اور خضوع و خشوع کی کمان سے۔

۳۔ حظِ نفسانی دل سے ہٹ کر توجہ بحق کرکے ماسوٰی سے فراغت کی تیراندازی (یہ اخص الخواص کا کام ہے) حضرت حافظ

نے فرمایا ؎

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ دوست
چہ کنم حرفِ دگر یاد نداد استادم[1]

وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ یہ فعال بمعنی مفعول لباس بمعنی ملبوس کی طرح ہے یعنی خیل مربوط جَرْدٌ قَطِيفَةٍ کی طرح ہے کہ دراصل قَطِيفَةٌ جَرْدٌ ہے یہاں عام خاص کی طرف مضاف ہے یہ اضافت خاتم فضۃ کی اضافت بیانیہ یا تخصیص کے لیے ہے۔

سوال: اسے من قوۃ کے بعد لانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ من قوۃ میں ضمناً اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

جواب: اس کی فضیلت اور اہمیت ظاہر کرنا مطلوب ہے جیسے عموم کے بعد خصوص میں ہوتا ہے جیسے ملائکہ کے ذکر کے بعد حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اعجوبہ: جنات اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں گھوڑا یا جنگی ہتھیار ہوں۔

حدیث شریف: جس نے جَو خریدے اور انھیں صاف کر کے بطور گھاس کے جنگی گھوڑے کو کھلائے تو اسے ایک ایک جَو کے عوض نیکی نصیب ہوگی۔

فائدہ: بنی آدم کی طرح گھوڑے کو خواب آتے ہیں۔

مجاہد گھوڑے کے فضائل

۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مجاہدین کے دو گروہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو گھوڑا پڑھتا ہے "سبوحٌ قدوسٌ ربنا ورب الملٰئکۃ والروح" یہی نکتہ ہے اس میں کہ پیدل جنگی کو غنیمت کا ایک حصہ اور گھوڑ سوار کو دو حصے ملتے ہیں۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مادہ گھوڑیوں کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھو اس لیے کہ ان کی پیٹھ تمہاری حفاظت اور ان کے پیٹ تمہارے خزانے ہیں۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص گھوڑے کو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا وعدہ پورا کرنے کی نیت سے پالتا ہے تو اس کا گھاس سے سیر ہونا اور اس کی رال اور اس کی لید اور اُس کا پیشاب قیامت میں جمع کر کے اس کے اعمال نامے میں رکھا جائے گا۔

حکایت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ جانوروں میں سے آپ کو کون سا جانور محبوب تر ہے؟ انہوں نے فرمایا، گھوڑا اور گدھا اور اُونٹ، اس لیے کہ گھوڑا اولو العزم رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی

---

[1] میرے دل کی تختی پر سوائے دوست کے قد و قامت کے اور کچھ نہیں میں بھی مجبور ہوں کہ مجھے استاد صاحب نے سوائے اس کے اور کوئی سبق نہیں سکھایا۔

سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود وصالح وشعیب وسیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے اور گدھا عیسیٰ وعزیر علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی۔ پھر میں ان سے کیوں محبت نہ کروں جب اللہ تعالیٰ ان سے قبل الحشر یعنی موت سے پہلے محبت کرتا ہے۔

فائدہ: گھوڑے تین قسم کے ہیں:

۱۔ رحمٰن کے لیے۔ وُہ یہ کہ اسے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرید کر اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قتل کیا جائے۔

۲۔ انسان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے اپنے پیٹ کی خدمت کی جائے یعنی فقر کا ستر۔

۳۔ شیطان کے لیے۔ وہ یہ کہ اس سے جُوا کھیلا جائے وغیرہ۔

تُرْهِبُونَ بِهٖ درانحالیکہ تم اسے ڈراؤ یہ اعدوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم اپنے جنگ کے ہتھیار سے دشمنوں کو ڈراؤ دھمکاؤ۔ **عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ** اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو، اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔

سوال: اہلِ مکہ کی تخصیص کیوں؟ حالانکہ تمام کفار اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے دشمن ہیں۔

جواب: اہلِ مکہ دُوسرے کفار سے سرکشی اور حد سے متجاوز ہونے میں سخت تر تھے اسی لیے ان کی تخصیص کی گئی۔

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ اور ان کے ماسوا دُوسروں کو بھی ان کے ذریعے ڈراؤ اس سے دوسرے کفار جیسے یہود و نصاریٰ اور منافقین اور فارس کے آتش پرست وغیرہ مراد ہیں اسی طرح جنات کے کفار بھی اس میں شامل ہیں **لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ** تم نہیں جانتے ہو۔ یہاں پر علم بمعنی معرفت ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور معرفت کا تعلق ذات سے ہے یعنی تم ان کی ذات کو نہیں جانتے **اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ** ای یعرفھم یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔

سوال: معرفت کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتا ہے جبکہ معرفت کو پہلے جہل لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے جہل کا وہم لانا بھی کفر ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے جب اسی لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے ان کا ذوات سے مطلق تعلق مراد ہوتا ہے اس میں نسبت جہل وغیرہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اشیاء اس کے علم سے متعلق ہونے سے پہلے مجہول تھیں یا نہ۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ انسان کو اپنے ہر دشمن کا جاننا ضروری نہیں۔ ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

وَمَا یہ ما شرطیہ ہے **تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ** اور وہ جو اپنے سرکش دشمنوں کی تیاری میں خرچ کرتے ہو وہ قلیل ہو یا کثیر۔ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی راہ میں جسے جہاد نے واضح کیا ہے **يُوَفَّ اِلَيْكُمْ** تمہیں اس کی پُوری جزا دی جائے گی۔ **وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ** اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ بالکل ثواب سے محروم کر دیئے جاؤ یا تمہارے ثواب میں کمی کی جائے۔

سوال: ظلم کو ترکِ ثواب سے کیوں تعبیر کیا ہے اس لیے کہ اعمال ثواب کو موجب نہیں کہ اس کے ترک کو ظلم سے تعبیر کیا جائے۔

؎ آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں خوف خدا رکھنے والا انسان دانا ہے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ
اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ يٰۤاَيُّهَا
النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(انفال آیات ۶۱ تا ۶۴ پارہ ۱۰)

ترجمہ: اگر وہ صلح کی جانب جھکیں تو آپ بھی اس کے لیے جھک جائیے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ سمیعٌ علیم ہے اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے وُہ اللہ تعالیٰ جس نے آپ کو اور اہلِ ایمان کو اپنی مدد سے قوت بخشی اور ان کے دلوں میں آپس کی الفت پیدا فرمائی۔ زمین میں جو کچھ ہے اگر تم اسے خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپس میں متفق بنا لیا بیشک وہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور ان کو بھی جو آپ کی تابعداری میں ایمان لانے والے ہیں۔

جواب: کمال تنزہ کی وجہ سے کہ جن امور کا اس کی ذات سے صدور محال ہے اس کے اسباب بھی اس کی طرف منسوب نہ کیے جائیں اور اعمال پر ثواب نہ دینا بھی منجملہ اس کے ہے اسی لیے اس کا تنزہ ذاتِ باری تعالیٰ سے ضروری ہُوا۔

حدیثِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ایسا تیز رفتار براق لائے کہ جہاں تک آپ کی نگاہِ اقدس پڑتی وہاں براق کا قدم پہنچتا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ساتھ تھے آپ کا ایک قوم پر گزر ہُوا جو ابھی بیج ڈالتے تو ابھی کھیتی سرسبز ہو جاتی پھر وُہ اسی وقت کاٹ بھی لیتے ایک دن میں یہ کام مکمل ہو جاتا آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پُوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ انھیں ایک نیکی کے عوض دُگنا بلکہ سات سو گنا زائد ثواب ملتا ہے جو کچھ انہوں نے خرچ کیا تھا اب اللہ تعالیٰ انھیں اجر و ثواب عطا فرما رہا ہے۔

حدیث شریف: جو مجاہد فی سبیل اللہ مدد کرتا ہے یا نہایت ہی دُکھ اور تکلیف کے باوجود جنگ میں شامل ہوتا ہے یا گردن آزاد کرانے والے کی اعانت کرتا ہے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا جہاں اس کی رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اخوالِ گنجِ قارون کایام داد بر باد

باغنچہ باز گویند زر را نہان ندارد

ترجمہ۔ قارون کے خزانے کا حال سب کو معلوم ہے کہ کیسے برباد ہوا اب غنچے کو کہیں کہ وہ زر کو چھپا نہ رکھے۔

چہ دوزخی چہ بہشتی چہ آدمی چہ ملک
بمذہب ہمہ کفر طریقت امساک

ترجمہ: دوزخی بہشتی آدمی فرشتہ ہر ایک کا متفقہ فیصلہ ہے کہ طریقت میں بخل کفر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ جَنَحُوْا (حلِ لغات) اَلْجُنُوْحُ بمعنی اَلْمَیْلُ یعنی جھکنا۔ اسی سے اَلْجَنَاحُ ہے۔ چونکہ پرندہ اپنے پر کے ذریعہ جہاں چاہتا ہے جھکتا ہے اسی مناسبت سے اس کے پر کو جَنَاحٌ سے تعبیر کرتے ہیں جُنُوْحٌ لام اور الٰی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اگر وہ کفار جھکیں لِلسَّلْمِ صلح کے لیے سر تسلیم خم کریں۔ یہ اس وقت ہوا جب کافروں نے مسلمانوں کے ساز و سامان کو دیکھا کہ وہ اب ان کی سرکوبی کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں تو ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اسی لیے وہ صلح کے لیے تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا، فَاجْنَحْ لَهَا تو آپ ان کی صلح کو مان لیں۔

سوال: سِلْمٌ مذکر ہے اس کے لیے مونث کی ضمیر کیوں؟

جواب نمبر ۱: اس کی نقیض حرب پر محمول کرکے اور وہ مونث ہے۔

جواب نمبر ۲: سِلْمٌ بمعنے المسالمۃ یعنی المصالحۃ ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے یعنی ان کے مکر و فریب سے خوف نہ کیجئے اس خیال پر کہ ممکن ہے کہ وہ بظاہر صلح کر رہے ہیں لیکن اندرونی طور در پئے آزار ہوں آپ کو کوئی خطرہ نہ ہونا چاہیے اس لیے آپ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک وہ سمیع ہے کہ کفار تنہائیوں میں جتنا مکر و فریب اور دھوکہ بازی کے منصوبے بناتے ہیں اَلْعَلِيْمُ علیم ہے یعنی ان کی نیات و عزائم کو جانتا ہے ان کے استحقاق کے مطابق ان کا مواخذہ فرمائے گا اور ان کے دجل و فریب کو ان کے منہ پر مارے گا۔

مسئلہ: یہ آیت اگرچہ یہودیوں کے متعلق ہے لیکن حکم میں یہود اور غیر یہود یعنی جملہ عہد شکن کفار کو شامل ہے۔

قاعدہ: فَاجْنَحْ لَهَا امر اباحت کا ہے۔

مسئلہ: اس امر کے مطابق عمل کی کارروائی امام (حاکم وقت) کی رائے پر مبنی ہوگی۔ اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ کفار کے ساتھ جنگ لڑتا رہے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ ان سے ہمیشہ صلح و سلوک کی باتیں کرے بلکہ ہر معاملہ میں اہلِ اسلام کی بہبودی اور فلاح کو مدِ نظر رکھے۔ مثلاً اہلِ اسلام کو کفار سے لڑائی کی پوری طاقت اور ہمت حاصل ہو تو پھر کفار سے صلح وغیرہ نہ کرے بلکہ لڑائی اور جنگ کے لیے کمربستہ ہو اور اگر اہلِ اسلام میں ضعف و کمزوری ہو کہ وہ لڑائی اور جنگ نہیں کر سکتے تو پھر کفار سے لڑائی کے بجائے ان سے مصالحت کی چارہ جوئی کرے اور طاقت و قوت کے وقت لڑائی چھیڑ دے یہاں تک کہ وہ کفار خود صلح پر مجبور ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔

مسئلہ: اگر صلح کا معاملہ طے ہو تو بھی ان سے ایک سال کامل کا صلحنامہ نہ لکھ دے بلکہ سال سے کم۔ ہاں اگر غلبہ اور قوت و طاقت کفار کو حاصل ہو تو پھر جیسے مناسب دیکھے خواہ دس سال تک کا صلح نامہ لکھے لیکن دس سال سے زاید کا معاہدہ نہ ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار اور پیروی اسی میں ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی کفار کو صلح نامہ اسی طرح لکھ دیا لیکن جب کفار نے عہد شکنی کی تو پھر آپ نے مدت سے پہلے ہی عہد شکنی کا اعلان فرما دیا اور یہی عہد شکنی فتح مکہ کا سبب بنی۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا اور اگر وہ لوگ جو آپ سے صلح کا مطالبہ کرکے دل میں ارادہ رکھتے ہیں اَنْ یَّخْدَعُوْكَ یہ کہ آپ سے صلح ظاہر کرکے دھوکہ دیں تاکہ آپ ان سے جنگ کرنے سے باز رہیں فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ پس بیشک آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے کہ ان کے فتنوں اور شر سے آپ کو بچائے گا، آپ کا وہی مددگار رہے گا اور آپ کو ان پر غلبہ دے گا۔ یہ اس محاورہ سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

"احسبنی فلان ای اعطانی حتی اقول حسبی"

یعنی فلاں نے مجھے ایسا عطیہ عنایت فرمایا کہ جس پر مجھے کافی ہے کہنا پڑا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنی کرم نوازی سے آپ کی مدد فرمائی یعنی بغیر کسی ظاہری سبب کے اسی نے اپنے لطف و کرم سے آپ کو تقویت بخشی وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور آپ کی اہلِ ایمان مہاجر و انصار کے سبب سے مدد فرمائی۔

ربط: اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جس نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ ایمان کے سبب سے کس طرح مدد فرمائی۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں میں آپس کی محبت پیدا فرمائی حالانکہ اس سے قبل تعصب اور بغض و کینہ میں مبتلا تھے اور ایک دوسرے سے انتقام لینے میں مرمٹنے تک تیار رہتے کہ ان سے آپس کی الفت و محبت کی امید بھی نہیں تھی۔

اُن کے بُغض و کینہ کی ایک اَدنیٰ مثال اگر کسی قبیلہ کے ایک آدمی کو کوئی آدمی طمانچہ مارتا تو اس کا سارا قبیلہ مارنے والے قبیلے سے بڑی خونریز جنگ چھیڑ دیتا۔ اسی طرح ان کے درمیان دائمی جنگ رہتی اور ایک دوسرے کی دشمنی میں ان کی زندگی بسر ہوتی کہ ان سے ہمیشہ کے لیے الفت و محبت اور اتفاق منقطع متصور ہوتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے انہیں ایسی توفیق عنایت ہوئی کہ اب آپس میں یکجان ہوگئے یہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ترین معجزات سے ہے۔

فائدہ: اوس و خزرج دونوں قبیلوں کی ایک سو بیس سال سے لڑائی اور جھگڑے چلے آرہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی برکت سے ان میں الفت و محبت پیدا فرمائی۔ (کذا قال الکاشفی) ؎

یک حرف صوفیانہ بگویم اجازت است
ای نورِ دیدہ صلح بہ از جنگ آوری

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر تم ان کی تالیف قلوب کے لیے زمین کے اندر کی تمام اشیاء خرچ کرتے۔

؎ ترجمہ: ایک صوفیانہ نصیحت کرتا ہوں اگر اجازت ہو وہ یہ کہ اے میری آنکھ کے تارے صلح اچھی ہے جنگ سے۔

مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ تو تم ان کے دلوں میں کبھی تالیف پیدا نہ کرسکتے یعنی ان کی آپس کی عداوت اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اگر کوئی خرچ کرنے والا ان کی اصلاح کے لیے زمین کے تمام اموال اور ذخیرے خرچ کر ڈالے تو بھی ان کی اصلاح نہیں کرسکتا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان تالیف قلوب فرمائی ہے کہ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قلوب پر قبضہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے۔ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ بے شک وُہ بڑی قدرت والا اور غلبہ والا ہے اس کے ارادہ کے خلاف کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ حَكِيْمٌ بڑی حکمت والا ہے جس طرح کسی کو قبضہ دینا چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق قابض کر دیتا ہے۔

فائدہ: بھائیوں سے اُلفت ومحبت اور موافقت کرنا عالمِ ارواح سے ہے یعنی آج کی محبت والفت اور موافقت ازلی محبت اُلفت اور موافقت کا نشان ہے۔

حدیث شریف: مومن فطرۃً الفت ومحبت کا گرویدہ ہے اور اس شخص کے لیے کوئی بھلائی نہیں جو نہ الفت کرتا ہے اور نہ کسی کی الفت میں گرویدہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف: دو مومن جب آپس میں ملتے ہیں تو ان کی مثال دو ہاتھوں کی ہے جو ایک دوسرے کو دھوتے ہیں۔ اسی طرح دو مومن جب بھی آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے بھلائی کا افادہ و استفادہ کرتے ہیں۔

اولیاء کرام کی عزت واحترام

حضرت ابو ادریس خولانی نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ میں آپ سے فی سبیل محبت کرتا ہوں اور آپ کو اس کی بہت خوشی ہونی چاہیے اسی لیے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرتے سُنا کہ قیامت میں چند لوگوں کے لیے عرش کے گرد کُرسیاں بچھائی جائیں گی۔ ان کے چہرے چودھویں شب کے چاند کی طرح روشن ہوں گے اس روز اور لوگوں کو گھبراہٹ ہوگی لیکن وُہ گھبراہٹ سے پاک ہوں گے دوسرے لوگ اس دن خوفزدہ ہوں گے لیکن وُہ بے خوف وخطر ہوں گے اور وہ اولیاء اللہ ہوں گے کہ جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔ عرض کی گئی وہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ وُہ ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت کرتے ہیں۔

نسخۂ روحانی

اگر لوگ آپس میں محبت کریں اور اسی کو اپنا دستور العمل بنالیں تو عدالت سے بے پروا ہو جائیں اور عدالت محبت کی نائب ہے۔ جہاں محبت نہ ہو وہاں عدالت سے کام لیا جاتا ہے یعنی محبت کے فقدان پر جھگڑے اُٹھتے ہیں تو پھر ان کے فیصلہ کے لیے عدالتیں اور کچہریاں لگائی جاتی ہیں۔

نکتہ: محبت سے فرمانبرداری ڈر اور خوف کی اطاعت سے افضل ہے اس لیے کہ محبت کی اطاعت کا تعلق باطن (قلب) سے ہے اور خوف و ڈر کی اطاعت کا تعلق ظاہر سے ہے۔ باطن کو ظاہر پر فوقیت حاصل ہے۔

نکتہ: اسی وجہ سے صوفیہ کرام کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے اس لیے کہ ان کی محبت اللہ واسطے ہوتی ہے اسی لیے وُہ اپنے صحبت یافتہ لوگوں کو سعادت کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح سے مرید کو شیخ کی صحبت سے فائدہ

نصیب ہوتا ہے اور نیک کی صحبت سے عوام استفادہ کرتے ہیں۔

نکتہ: ہر روز پانچ بار محلہ والوں کو مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں بھی یہی راز ہے اور علاقہ والوں کے ہفتہ وار جمعہ کے اجتماع میں بھی یہی نکتہ ہے اور عیدین کی نماز بھی یکجا پڑھنے کے لیے سال میں دو بار اکٹھے ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے جو ابھی مذکور ہوا، اسی طرح تمام ممالک کے لوگوں کے زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ ادا کرنے میں فائدہ مذکور مضمر ہے علاوہ ازیں اور بھی ان میں بہت حکمتیں ہیں (جو اہل علم سے مخفی نہیں) منجملہ ان کے یہی ہے کہ ان کے ایسے اجتماعات میں ان کی آپس کی محبت و الفت میں اضافہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ ایمان کی آپس کی محبت و الفت اور ایک دوسرے سے شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اس کے کسی حصہ کو درد ہو تو سارا جسم بے قرار اور بے چین ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند*
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

نسخۂ روحانی کسی سے الفت و محبت اس کی صحبت کو چاہتی ہے اور صحبت ہو تو نیک لوگوں کی ہو، اس لیے کہ ان کی صحبت راہِ راست پر لانے کے لیے بہت بڑی تاثیر رکھتی ہے بلکہ ان کی صرف نگاہِ کرم بھی لاکھوں کی بگڑی بنا دیتی ہے۔

لطیفہ: صرف کسی کو دیکھنے سے بھی اس کی عادت اور اس کے طور و طریق سے دیکھنے والے پر اثر پڑتا ہے مثلاً کوئی شخص ہمیشہ غمگین و حزین کو بار بار دیکھے تو اس میں حزن و ملال پیدا ہو جائیں گے اسی طرح مسرور اور خوش و خرم آدمی کو بار بار دیکھنے سے سرور اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔

نکتہ: عرب کا مقولہ مشہور ہے:

"من لا ینفعك لحظه لا ینفعك لفظه"

جس کی نگاہ سے تمہیں فائدہ نہ پہنچ سکے تو اس کے ملفوظات بھی تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

نکتہ: شرارتی اور فسادی اور سرکش اونٹ کو نرم خو اونٹ کے ساتھ اٹھایا بٹھایا جائے تو وہ سرکش اونٹ نرم خو ہو جائے گا، اس لیے کہ ایک دوسرے کی مقاربت سے جانوروں اور انگوریوں بلکہ جمادات کو فائدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہوا اور پانی جیفہ (مردار) سے بدبودار ہو جاتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ کھیتوں اور زمینوں سے جڑی بوٹیاں اور فضول قسم کی اشیاء جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکی جاتی ہیں اس لیے کہ وہی جڑی بوٹیاں اور دیگر فضول چیزوں کے باقی رکھنے سے زمین اور کھیتی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

لطیفہ: جب مذکورہ بالا اشیاء کی مقاربت سے نقصان ہی نقصان ہے تو بزرگ ترین صورتیں یعنی حضرت انسان تو اس تاثیر کا زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔

* بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں۔ کیونکہ پیدائش میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب ایک عضو کو زمانہ دکھ پہنچاتا ہے تو دوسرے عضو کو قرار نہیں رہتا۔

نکتہ: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ انسان کو انسان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جسے بھی دیکھتا ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ وہ شے کی اچھائی و بُرائی کو نہیں دیکھتا بس شے کو دیکھتے ہی اس سے متاثر ہو جاتا ہے خیر ہو تو بھی، بُرائی ہو تو بھی۔ پھر اس سے محبت والفت سے مزید تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

نکتہ: بُرے لوگوں کی صحبت اور دوستی کے بجائے تنہائی اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا بہتر اور اعلیٰ ہے۔

نسخۂ روحانی اہل علم و وفا اور صوفیہ کرام اور اخلاقِ حمیدہ والے حضرات کی صحبت اور دوستی نعمت وغنیمت ہے بلکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی کے قائم مقام ہے جیسے ان کی محبت گویا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ اُن سے رابطہ قائم کرنا حق سے ملنا ہے اور ان کے غیر سے رابطہ تو طبع و مزاج پر منحصر ہے اسی لیے صوفیہ کرام کا قاعدہ ہے کہ "الصوفی مع غیرالجنس کائن بائن و مع الجنس کائن معائن"۔ صوفی غیر جنس سے مغایر ہو کر گزارتا ہے لیکن اپنے ہم جنس سے گویا عین ہو جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ حدیث سے ثابت ہے کہ "المومن مرأۃ المومن" مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے بمنزلہ شیشے کے ہے۔ جب وہ اپنے نیک بھائی سے ملاقی ہوتا ہے تو اس کی گفتار و رفتار اور احوال سے استفادہ کرتا ہے اس لیے کہ اس کے اقوال و احوال اور گفتار و رفتار تجلیات ربانیہ و تعریفات رحمانیہ اور تلویحات الٰہیہ ہوتے ہیں لیکن انہیں غیروں سے مخفی رکھا جاتا ہے البتہ نورانی لوگوں کو اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ (کذا فی عوارف المعارف)

قرآنی کیمیا صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بہت بڑے شیخ کامل اور متقی عالم باعمل سے سُنا، وہ فرماتے ہیں کہ میری دو گھر والیاں تھیں، ان کی ہمیشہ ناچاقی رہتی تھی میں نے یہی آیت "هو الذی ایدك بنصره" الآیہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے دونوں کو وہی پانی پلایا تو بفضلہٖ تعالیٰ ان کی آپس میں محبت والفت پیدا ہو گئی اور ان کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت کافور ہو گئے۔

یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ سے غیبی خبریں دینے والے اور بہت بڑی بلند شان والے **حَسْبُكَ اللّٰهُ** جمیع امور و معاملات میں آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے **وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ** واؤ بمعنی مع ہے یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ کو اپنے تابعدار کافی ہیں یعنی آپ کی مدد کرنے میں وہی آپ کو کافی ہیں یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے "حسبك و زید ادرهم" یعنی تمہیں زید مع درہم کے کافی ہے یا اس کا اسم اللہ پر عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے کہ "کفاك الله والمؤمنین" یعنی اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان آپ کو کافی ہیں۔

سوال: حقیقی کفایت کنندہ تو اللہ تعالیٰ ہے تو پھر کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف کیوں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کفایت کے اسباب ظاہری وہی اہل ایمان تھے بنا بریں کفایت کا اسناد اہلِ ایمان کی طرف جاتا ہے[1]

---

[1] یہی ہے وہ مسئلہ جو آج تک دیوبندیوں، وہابیوں کو سمجھ نہیں آیا، یا عمداً ضد کرتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ انبیاء و اولیاء کی امداد بھی اللہ تعالیٰ کی امداد کے لیے ایک ظاہری سبب ہے۔ اسی طرح ان کے تصرفات و اختیار کا مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ (اویسی رضوی غفرلہٗ)

شانِ نزول ۱۔ یہ آیت غزوۂ بدر سے پہلے البیداء میں نازل ہوئی تاکہ آپ کو کفار کے مقابلہ کے لیے تقویت اور صحابہ کرام کو تسلی ہو اس لحاظ سے آیت میں "المؤمنین" سے انصار مراد ہیں۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے پر نازل ہوئی۔ اسی بنا پر یہ آیت مکیہ ہے لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے سورۃ مدنیہ میں لکھا گیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تینتیس مرد اور چھ عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کی وجہ سے کل چالیس مکمل ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دعا مانگتے تھے اللھم اعز الاسلام۔ اے اللہ تعالیٰ اسلام کو عزت دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایدالاسلام باحد الرجلین اے اللہ تعالیٰ دو مردوں کی وجہ سے موید فرمایا۔ ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مبارک بدھ کے دن کی تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام لانا خمیس کے دن تھا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک چھبیس سال کی تھی۔ حضرت حمزہؓ تین ماہ تین دن ان سے پہلے مسلمان ہوئے۔

فائدہ : مروی ہے کہ جب " انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون" نازل ہوئی تو ابوجہل بن ہشام کھڑا ہو گیا۔ ایامِ جاہلیت میں اسے ابوالحکم پکارا جاتا تھا۔ اس لیے کہ عربوں کا خیال تھا کہ فنونِ حکمت کا وہ سرچشمہ ہے، لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابوجہل رکھا۔ اور یہی کنیت اس پر غالب آگئی۔

فائدہ : ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ ابوجہل کی بہن تھی کیونکہ وہ بھی ہشام بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور ہشام ابوجہل کا والد تھا، اسی بنا پر ابوجہل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں ہوا اور ماں کے عصبیات بیٹے کے ماموں ہوتے ہیں۔

ابوجہل کی ایک تقریر ابوجہل اپنے بھانجے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر سخت رنجیدہ ہو کر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ یامعشر قریش الخ اے قریشیو! (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے معبودوں کو گالیاں دیں اور باتوں باتوں میں تمہیں بیوقوف بنایا۔ اور ان کا خیال ہے کہ تم اور تمہارے آباؤ اجداد جہنم میں جائیں گے تم میں کوئی ہے جو (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالے، اس کے لیے میں ایک سو بہترین سرخ و سیاہ اونٹنیاں پیش کروں گا اور اس کے ساتھ ایک ہزار سونے کا اوقیہ بھی بطور انعام دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس پر تمہارا پختہ ارادہ ہے اور کیا واقعی تم انعام دو گے؟ ابوجہل نے کہا، یقین کیجیے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وعدہ ضرور پورا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عمر ابوجہل کو کعبہ معظمہ میں لے گئے اس وقت کعبہ معظمہ میں بہت بڑا بت رکھا تھا جسے ہبل کے نام سے پکارتے تھے۔ وہاں دونوں نے جا کر قسم کھائی کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ اس پر اپنے معبود باطل ہبل کو گواہ بنایا۔ اور ان کی عادت تھی کہ جب کہیں سفر کو جاتے یا شادی و بیاہ کرتے تو ہبل کے ہاں حاضر ہو کر مشورہ لیتے اور جس بات کا پختہ ارادہ

کرتے تو اسے گراہ بناتے۔ اس وقت ڈیڑھ ہزار بت کعبہ معظمہ میں رکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر اپنے صنم ہُبل سے مرخص ہو کر تلوار کو نیام سے نکال کر بغل میں دبائے ہوئے چلے، ارادہ یہ تھا کہ جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملیں گے انہیں قتل کر دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ دارِ ارقم میں چھپے ہوئے تھے اور حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر صفا کے نیچے تھا اور ان کے مکان میں چھپ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے اور وہیں پر قرآن پاک پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاش کرتے کرتے اسی مکان پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ تلوار سے مسلح ہیں۔ اس نے گھبرا کر حضور علیہ السلام سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دیکھو حضرت عمر تلوار سے مسلح ہو کر آ گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اسے آنے دو، اگر خیر کے لیے آیا ہے تو ہم اس کے لیے آنکھیں بچھائیں گے، اگر برائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم بھی اسے زندہ نہیں جانے دیں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے آنے دو۔ جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے اوپر بلا نازل فرمائے۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کا بازو پکڑا اور ان کے کپڑوں اور تلوار کی حمائل کو کھینچا اس سے حضرت عمر پر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت چھا گئی جس سے وہ بجائے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے آرام سے بیٹھ گئے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسی اسلام کی تلقین فرمائیے جس کے لیے آپ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھیے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا تو تمام مسلمانوں نے زور سے نعرہ لگایا جسے مکہ معظمہ کے گلی کوچوں میں دُور دور تک سُنا گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھا تو حضور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر تین بار اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے ہوئے پڑھا: اللھم اخرج ما فی صدر عمر من غل وابدلہ ایمانا۔ اے اللہ! عمر کے سینے سے کھوٹ نکال کر اس کے عوض اس کے دل کو ایمان سے بھر دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلام کا بول بالا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر تمام آسمان والے مسرور ہوئے۔ لیکن مشرکین کے گھر صفِ ماتم بچھ گئی اور کہتے تھے آج کے بعد ہماری قوم نصف و نصف ہو گئی یعنی عمر کے اسلام لانے پر ہماری آدھی قوم اسلام میں چلی گئی۔

فاروق کی وجہ تسمیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا فاروق نام کیوں رکھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب میں نے اسلام قبول کیا،

اس سے قبل حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ چھپ کر عبادت کرتے، میں نے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا! ہاں حق پر ہیں۔ میں نے عرض کی: تو پھر ہم چھپ کر کیوں عبادت کریں، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اب میں جس مجلس کفر میں جاؤں گا وہاں اسلام کی دعوت دوں گا، نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ کسی کا خوف، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم کہ آج کے بعد ہم چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تقریر کے بعد حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ دارِ ارقم رضی اللہ عنہ سے باہر نکلے اور آپ کے آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار نیام سے نکال کر بڑے زور سے پڑھتے جا رہے تھے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا گیا اور آپ مسجد مکہ میں تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں زور سے اعلان کرتے ہوئے فرمایا! "اے قریشیو! خبردار، اگر تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت کی تو اسی تلوار سے تمہاری گردن اڑا دوں گا" اس کے بعد طواف کے لیے روانگی ہوئی تو آگے آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جارہے تھے پیچھے پیچھے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سمیت کعبہ مکرمہ کا طواف کر رہے تھے۔ جی بھر کر طواف کیا۔ اس کے بعد قرآن مجید زور زور سے پڑھتے رہے۔ کسی کافر کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی بات کر سکے اسی بنا پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام فاروق رکھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے حق و باطل کا امتیاز فرمایا۔

حدیث شریف: سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلانیہ طور اسلام بیان فرمایا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق کے مظہر اکمل تھے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حق کو بیان کرنے والا عمر سے بڑھ کر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ؎

لما لزمت التنصح والتحقیقا

لم یترکالی فی الوجود صدیقا۔

ترجمہ: جب سے میں نے نصیحت و تحقیق کو لازم پکڑا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہر پہلو سے حق ادا کر دیا۔

اعجوبہ اور حکایت رافضی شیعہ

حضرت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک چکی والا رافضی شیعہ ملعون میرا ہمسایہ تھا، اس کمینے کے دو خچر تھے، اس نالائق نے ایک کا نام ابوبکر، دوسرے کا عمر رکھا ہوا تھا۔ اسے اس کے ایک خچر نے ایک رات ایسا زور سے مارا کہ اس کی جان ہی نکال دی۔ اس واقعہ کی خبر میرے جدِ امجد حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا جا کر پوچھو میرا خیال ہے کہ جس خچر نے اسے جان سے مار دیا اسی کا نام عمر ہوگا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کمینے شیعہ کو مارنے والا خچر عمر نامی تھا۔

فضائلِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

① حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے حج عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں فرمایا یا اخی لا تنسنا من دعائك۔

اے بھائی جان ! ہمیں اپنی دعا سے نہ بھولنا۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "یا اخی" کہہ کر پکارنے سے اور کوئی کلمہ محبوب تر نہیں۔

② مروی ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصافحہ فرمائیں گے۔

③ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری چار وزراء سے مدد فرمائی ہے، دو آسمانوں میں جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام ہیں اور دو زمین میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ دونوں حضرات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وزیروں کی طرح تھے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حضرات سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا کرتے تھے، اور "شاورھم فی الامر" ان دونوں حضرات کے متعلق نازل ہوئی۔

④ مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں "محدث" ہوتے تھے۔

ف : محدث بفتح الدال المشددہ ہر اس بزرگ کو کہا جاتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتیں القاء ہوں، وہ ان باتوں کو بطور فراست بیان کرے اور پھر اسی طرح ہو جیسے اس کے منہ سے نکلے۔ گویا اس کے ساتھ ملاء الاعلیٰ کے ملائکہ گفتگو کرتے ہیں اور اولیاءِ کرام کے لیے یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میری امت میں وہ محدث ہو تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سوال : اس حدیث میں حرف اِنْ شرط سے حضرت عمر کی محدثیت کا ذکر ہے اور حرف اِنْ شک پر دلالت کرتا ہے، اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت یقینی طور تو ثابت نہ ہوئی۔

جواب : (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شک نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بطور رشک یہ فرمایا کہ دوسری امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کی امت تو افضل الامم ہے۔ جب دیگر امتوں میں محدث کا ہونا یقینی ہے تو پھر اس امت میں بھی اس کا ہونا یقینی ہے، اور جب اس امت کا اس کا ہونا یقینی ہے تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۲) حرف اِنْ شرط بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے ہے اور اس کا ازالہ ہم نے پہلے کر دیا ہے۔ اسی مضمون کو غور سے دیکھا جائے تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے محدثیت کے یقین پر تاکید ہے۔ مثلاً عربی مقولہ مشہور ہے کہ،

ان یکن لی صدیق فھو فلان۔

یعنی اگر میرا کوئی سچا دوست ہے تو وہ فلاں ہے۔

اس جملہ میں اس شخص کی محبت و صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے کسی دُوسرے کی صداقت و محبت کی نفی بھی مقصود نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محدثیت کے ثبوت سے کسی دوسرے صحابی یا ولی سے محدثیت کی نفی نہیں ہوتی۔

۵ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل پر یہ شعر موزوں ہے: ؎

لہ فضائل لا تخفی علی احد
الا علی احد لا یعرف القمرا

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و کمالات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہاں صرف اسے معلوم نہیں جو چاند کو نہیں جانتا۔

۶ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے ابن الخطاب (عمر رضی اللہ عنہ)! آپ جس راستہ سے گزرتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں "الفج" واقع ہے، ہر اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو واسع اور فراخ ہو۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے کہ شیطان اس راستہ پر نہیں چل سکتا کہ جس راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزر جائیں اور بالخصوص وُہ راستہ بھی کھلا ہوا ہو حالانکہ شیطان وُہ ہے جو ہر انسان کے ہر رگ ریشہ میں خُون کی طرح دَورہ کرتا ہے۔

ف: اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دین کے معاملہ میں بہت متصلب تھے اور آپ تادمِ زیست اسی طرح رہے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگشتری کی خاتم پر مکتوب تھا "نعم القادر اللہ" اللہ کیسا قادر ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا" موت ہی واعظ کافی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ مُخْلِصًا" میں اللہ تعالیٰ پر مخلص ہو کر ایمان لایا ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا "اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ" تمام ملک اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی خاتم پر مکتوب تھا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

ف: یہ منقوش صرف ظاہری طور پر تھے جو بدن کی طرف منسوب ہیں ورنہ باطنی نقوش کچھ اور طریقہ رکھتے ہیں۔ ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دستِ تقدیر اوست

ترجمہ: تیری ظاہر حالت اچھی یا بُری ہے یہ تمام اسی کی تقدیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست
آنچہ سلطان ازل گفت بکن آں کردم

(ترجمہ ص ۱۷۵ پر)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اگر تمہارے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تمہارے ایک سو ہوں گے تو کافروں کے ہزار پر غلبہ پائیں گے۔ اس لیے کہ کافر ایسی قوم ہے جو کچھ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والا ہو تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غلبہ پائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کسی نبی کی شان کے لایق نہیں کہ کافروں کو قید کر کے ایسے چھوڑ دیں بلکہ قید کے بعد نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ان کا زمین پر خون بہائیں اے لوگو! تم دنیا کا اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا نوشتہ (تقدیر) سبقت نہ کرتا تو اے مسلمانو! تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ پس کھاؤ وہ غنیمت کا مال جو تمہیں کافروں سے حاصل ہوا وہ تمہارے لیے حلال طیّب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

(نظم ص ۱۵۲)

ترجمہ: یہ پژداری او دستی نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ سلطان نے فرمایا کہ وہ کرو ہم نے وہی کیا۔
ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری لوحِ قلب سے شک و شبہ کے کھوٹ دور کر کے اس پر ایمان کا نقش کندہ فرمائے۔
اے اللہ! ہمارے دل کے کھوٹ دور کر دے تو نے ہمیں ہدایت عنایت فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا، اور تو ہی معطی ہے اور ہمیں ان اہلِ ایقان سے بنا جنہیں تو نے اولٰئك كتب في قلوبهم الايمان سے نوازا اور جنہیں تیرے جمال نے منقوش فرمایا انہیں تیرے جلال سے نہیں مٹایا جا سکتا اگرچہ اس پر زندگیاں گزر جائیں۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اے رفیع القدر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اہل ایمان

کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں زیادہ سے زیادہ برانگیختہ فرمایئے اور انہیں ثواب کا وعدہ دے کر جنگ کی رغبت دیجیے یا انہیں جنگ پر انعام دینے کی ترغیب دیں۔

حلِ لغات : تحریض یہ ہے کہ کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا اور اسے اس بات پر ابھارنا کہ اگر اس کے خلاف کرے گا تو تو حارض یعنی ہلاکت کے قریب ہو جائے گا۔

فائدہ : آیت سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان اگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار سے جنگ لڑنے کی ترغیب دلانے کے باوجود جنگ سے پیچھے رہ جائیں گے تو ہلاکت دنیا ہی کے قریب ہو جائیں گے۔

فائدہ : دوسرے کو کسی امر کے لیے اس وقت ترغیب دلائی جاتی ہے جب پہلے اس امر پر عمل کیا جائے تاکہ دوسرا اس کی اقتدا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور فخرِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جنگ کرتے وقت جب دیکھتے کہ اب جنگ پورے زوروں پر ہے تو آپ دشمنوں کے زیادہ قریب ہو جاتے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو کہ جنگ میں آگے بڑھنے میں ثواب اور اجرِ عظیم ہے۔

فائدہ : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ زوروں پر ہوتی اور جنگی ایک دوسرے سے لڑائی پر حملہ آور ہوتے تو ہم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کرتے اس لیے کہ آپ اس وقت دشمنوں کے قریب تر ہوتے۔ سلطان سلیم فاتح مصر نے فرمایا ؎

گر لشکر عدو بود از قاف تا قاف ۔ باللہ کہ ہیچ رو نمی تابم از مصاف
چوں آفتاب ظلمت کفر از جہان برم ۔ گاہے چوں صبح بروں آرم از غلاف

ترجمہ : اگر دشمن کا لشکر کوہ قاف سے کوہ قاف تک ہو بخدا جنگ سے نہیں منہ موڑوں گا۔ کفر کے ظلمات کو جہان سے مٹا کر رکھ دوں گا جب میں اپنی طاقت کی صبح پردہ سے باہر کروں گا۔

مسئلہ : آیت میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لیے کہ اگر اس کی فضیلت نہ ہوتی تو اس پر ترغیب نہ دلائی جاتی۔

حدیث شریف : تمام بندگانِ خدا کے اعمال جہاد کے سامنے ایسے ہیں جیسے دریا کے پانی کے سامنے چڑیا کی چونچ کا پانی۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اگر تم میں سے کوئی اے مسلمانو عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ معرکۂ جنگ میں بیس صبر کرنیوالے ہوں يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو دوسو کافروں پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں تو ایک ہزار کافروں پر غلبہ پا جائیں گے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الف (ہزار) کی ابہام کی تفصیل ہے اور یہی قید مِائَتَيْنِ میں بھی ہے یعنی ان دوسو سے بھی کافر مراد ہیں۔ اسی طرح صبر کی قید دونوں مقامات پر معتبر ہے۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اسی لیے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے یعنی وہ قوم نہ خدا پر ایمان رکھتی ہے اور نہ ہی آخرت پر۔ اس لیے ان کی جنگ ثواب اور حکمِ الٰہی بجالانے کے لیے نہیں اور نہ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہے اور نہ ہی انہیں رضائے حق مطلوب ہے، وہ تو صرف جاہلیت کے جوش سے جنگ کرتے ہیں اور انہیں شہوات نفسانیہ مدِ نظر ہوتی ہے اور

شیطان کی اتباع میں لڑائی کرتے ہیں اور ان کا مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ملک میں بغاوت اور فساد پھیلے اسی اعتبار سے وہ ذلت اور رسوائی کے مستحق ہوتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں وعدہ کریمہ ہے کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ ابوجہل کے تین سو کافروں کے مقابلہ کے لیے بھیجا تو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔

ف: اس کے باوجود مسلمانوں پر یہ بات شاق تھی کہ ہم تھوڑے سے ہو کر کثیر التعداد کفار کے مقابلہ میں کس طرح جائیں گے۔ ایک مدت تک بہت پریشان رہے تو یہ حکم منسوخ ہوا اس کا ناسخ یہ ہے: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے کہ ایک کو دو کا مقابلہ کرنا فرض تھا۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان تین کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں اگر دو کے مقابلہ سے بھاگا تو گنہگار ہے۔

مسئلہ: کافروں کے مقابلہ سے باوجود قوت و طاقت کے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: ایک مسلمان کا دو کافروں سے مقابلہ اس وقت ضروری ہے جب اس کے پاس ان دو کافروں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار اور سامان ہو اگر خالی ہاتھ ہو اور کافر مسلح ہوں تو ان کے مقابلہ سے بھاگ جانا بھی گناہ نہیں۔

وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ط اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزوری اور ضعف بدنی ہے۔

سوال: علامہ تفتازانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا، تخفیف کو اَلْـٰٔنَ سے مقید کرنے میں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد اب وہ کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم ہوں گے لیکن اسے علم سے مقید کرنے میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہاں پر وہم پیدا ہوتا ہے کہ حادثہ کے وقوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی معلوم ہوا کہ تم ضعیف ہو۔

جواب: (۱) بہ نسبت علمی ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ اس کا علم تو ازلی ابدی ہے یعنی جو واقع ہو گا یا ہے یا ہوا، وہ تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

(۲) حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ تم میں سے ایک دس اور دس سو کا اور سو ہزار کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والا ہو تو تم دو سو پر غالب ہو گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہو تو دو ہزار کافروں پر غلبہ پا جاؤ گے اس لیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی نصیب ہو گی۔

ف: پہلی آیت میں جو دو قیدیں بیان کی گئی ہیں یہاں بھی ان دونوں قیدوں کا اعتبار ہے ماقبل میں بیان ہونے کی وجہ سے

یہاں اعادہ نامناسب ہوا۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تائید اور مدد فرماتا ہے فلہٰذا یہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔

سوال: اللہ تعالیٰ صرف صبر کرنے والوں کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی دیگر ہر نیکی کرنے والے سے بھی خصوصی معیت ہے۔

جواب: چونکہ جہاد کی حیثیت میں صبر کرنے والے اصل اور دوسرے اعمال والے ان کے تابع ہیں اسی لیے یہاں پر اصل کا ذکر کیا گیا ہے۔

نکتہ: جو صبر کرتا ہے وہ فتح پاتا ہے اس لیے کہ صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ ؎

صبر و ظفر ہر دو دوستاں قدیمند   صبر کن اے دل کہ بعد ازاں ظفر آید

از چمن صبر رخ متاب کہ روزے   باغ شود سبز و شاخ گل بر آید

ترجمہ: صبر اور کامیابی دونوں آپس میں پرانے دوست ہیں۔ اے دل صبر کیجئے اس کے بعد کامیابی نصیب ہو گی۔

صبر کے چمن سے منہ نہ موڑیئے اس لئے کہ کبھی تیرا یہ صبر باغ بن کر تجھے بہترین پھل دے گا۔

سلطان سلیم اول نے فرمایا: ؎

سلیمی خصم سیہ دل چہ داند ایں حالت

کہ از ظہور الست فتح لشکر ما

ترجمہ: اے سلیم! سیاہ دل دشمن کو کیا خبر ہمارے لشکر کی فتح اللہ تعالیٰ کے فضل کا ظہور ہے۔

تفسیر برنگ دیگر "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بِاِذْنِ اللّٰهِ سے قوت و طاقت اور اس کی ظفر اور غلبہ مراد ہے یعنی کفار پر غلبہ پانا تمہاری اپنی قوت و طاقت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت ہے اس لیے کہ تم تو ضعیف اور کمزور ہو تمہیں جو کچھ فتح و نصرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہوتی ہے ہاں اگر قوت و طاقت والے ہیں تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اس لیے کہ وہ کفار پر سخت ہیں اس لیے کہ توکل اور یقین اور فہم دین میں بہت بڑی قوت و طاقت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دشمن کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اگرچہ وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہو جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخصوص اہل قوت یاروں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ میں غزوہ حنین میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کی رفاقت کو میں نے لحہ بھر بھی ترک نہ کیا آپ سفید خچر پر سوار تھے۔ جب اہل اسلام و کفار کا آمنا سامنا ہوا تو بعض مسلمان پیٹھ دے کر بھاگے تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی طرف متوجہ کرتے، اور میں آپ کے خچر کی لگام کو تھامے ہوئے تھا کہ کہیں آپ کا خچر عجلت کر کے کفار کے لشکر میں نہ چلا جائے۔ اسی طرح حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رکاب کو تھامے ہوئے تھے کہ آپ کفار کے ہاں نہ چلے جائیں، اس وقت نہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے

بھاگے اور نہ ہی آپ کے مخصوص اہلِ قوت دوست صبر کرنے والے۔

سلطان سلیم نے فرمایا: ؎

سیمرغ جان ما کہ رمیدست از دو کون

منت خدا را کہ بجان رام مصطفیٰ است

ترجمہ: ہماری جان کا مُرغ دو کونین سے فارغ ہُوا تو شکر خدا کہ مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ اثر ہُوا۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ کے وصایا کے ترجمہ میں ہے کہ آدمی از جہت انسانیت حرص و ہوا اور بزدلی پر، لیکن از جہت ایمان قوت و شجاعت اور جنگ کے اقدام پر پیدا کیا گیا ہے۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ ایک دن تم مصر کے والی ہو گے۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایک جنگ مصر میں لڑی اور وہاں ایک قلعہ کا محاصرہ کیا وہ صحابی بھی اس جنگ میں موجود تھا اسی نے مجاہدین صحابہ سے فرمایا کہ مجھے ایک فلاخن میں رکھ کر کفار کے قلعہ کے اندر پھینک دو میں ہی ان سے لڑ کر قلعہ کھولوں گا۔ صحابہ کرام اس کی جرأت سے متعجب ہُوئے اور پُوچھا کہ اتنی جرأت کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم مصر کے والی ہو گے اور تا حال میں مصر کا والی نہیں بنا اور مجھے یقین ہے کہ میں نہیں مروں گا جب تک کہ مصر کا والی نہ بنوں۔

سبق: غور کیجئے کہ صحابہ کرام کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر کتنا یقین تھا اور ان کی قوتِ ایمانی کتنی مضبوط تھی[1] ورنہ ظاہر ہے کہ کسی کو فلاخن میں ڈال کر دُور پھینکا جائے تو سوائے موت کے اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسی سے مومن کو سبق سیکھنا چاہیے کہ اہلِ ایمان کتنا قوی القلب ہوتا ہے۔

سبق: انسان کا دل ایک ڈھکی ہوئی تلوار ہے لیکن اس کے لیے صیقل ضروری ہے۔

اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے: اللّٰھم انی اعوذ بك من الشك فی الحق بعد الیقین و اعوذ بك من الشیطٰن الرجیم و اعوذ بك من شرّ یوم الدین۔ اے اللہ! میں حق میں یقین کرنے کے بعد شک سے پناہ مانگتا ہُوں اور شیطان رجیم سے بھی اور قیامت کے دن کے شر سے بھی۔

نسخہ روحانی بعض مشایخ کا فرمان ہے کہ نیک عمل اللہ تعالیٰ کی جانب سعی الارکان اور نیت سعی القلوب ہے اور قلب بادشاہ ہے اور ارکان اس کا لشکر ہیں اور لشکر کے بغیر دشمن سے لڑنا مشکل ہے اور نہ ہی کوئی لشکر بادشاہ کے بغیر

---

[1] یہی عقیدہ بفضلہ تعالیٰ اہلسنت (بریلوی) کو نصیب ہوا ور نہ دیوبندی، وہابی، تبلیغی، مودودی و دیگر جاہل فرقے اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں
عت کما ـ‍ـئے والا حصہ ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

لڑ سکتا ہے۔

مَاکَانَ تفسیر عالمانہ یعنی بر صحیح نہیں اور نہ ہی موزوں ہے لِنَبِیٍّ کسی نبی علیہ السلام کے لیے اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی یہ کہ ان کے ہاں کفار قیدی ہو کر آئیں۔ یہاں یَکُوْنَ بمعنے یَثْبُتُ ہے۔ اس اعتبار سے یہ کَانَ تامہ ہوگا اور اَسْرٰی اسیر کی جمع جیسے جرحٰی جریح کی جمع ہے اور اساری جمع الجمع ہے۔

آیت کا شان نزول اور اسیرانِ بدر کا واقعہ

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بدر کے ستر قیدی حاضر کیے گئے ان میں حضرت عباس، عقیل بن ابی طالب بھی تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یہ آپ کی برادری کے لوگ ہیں بلکہ قریبی رشتہ دار۔ فلہذا آپ ان سے درگزر فرمائیے ممکن ہے انہیں بعد کو دولتِ اسلام نصیب ہو البتہ ان سے فدیہ لے لیں ان کے مال و دولت سے اسلام کو تقویت ملے گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں۔ لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ ان کی گردن اڑا دو اس لیے کہ یہ کفار کے سرغنے ہیں۔ مجھے فلاں کی گردن اڑانے کی اجازت بخشئے اگرچہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عقیل کی اور حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو عباس کے قتل کرنے کا حکم فرمائیے۔ اس طرح سے ہم ان سب کو قتل کر دیں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کے دل دودھ سے بھی زیادہ نرم بنائے ہیں اور بعض کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے عرض کی: فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفورٌ رحیم۔ اور اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے کہ انہوں نے اپنی امت کے لیے عرض کی: رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اس کے بعد آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا، اب تمہاری مرضی، چاہو تو انہیں قتل کر دو، چاہو تو ان سے فی کس بیس اوقیہ فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

ف: اوقیہ ۴۰×۴۰ دراہم اور ۶×۶ دنانیر کا ہوتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر تمہیں یہ شرط منظور کرنی پڑے گی کہ جتنا چھوڑ و گے اتنا تمہارے مسلمان شہید ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ شرط منظور کر لی اور عرض کیا اس میں ہمارا کون سا نقصان ہے کہ ہم فدیہ بھی لیں اور بہشت میں بھی جائیں۔ فلہذا ہم فدیہ لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ ولیستشھد مناعدتھم، بہرحال آپ نے فدیہ لے لیا اور آپ کے ارشادِ گرامی کے مطابق غزوۂ احد میں ستر صحابی شہید ہوئے۔ پھر اسارٰی بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر یہی آیت نازل ہوئی۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی رونے کا سبب بتائیے تاکہ میں بھی

آپ کے ساتھ روؤں۔ اگر رونا نہ آئے تو رونی شکل بناؤں۔ آپ نے فرمایا، میں اپنے دوستوں کے فدیہ کی وجہ سے رو رہا ہوں اور حال یہ ہے کہ میں ان کے عذاب اس درخت سے بھی قریب تر دیکھ رہا ہوں، اور وہ درخت آپ کے بالکل قریب تھا۔

فائدہ: سیرت حلبیہ میں ہے کہ اُساریٰ بدر میں بعض ان میں وُہ تھے جنہیں فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ مثلاً ابوالعاص اور وہب بن عمیر اور بعض ان میں مر گئے اور بعض ان میں وہ جو قتل کر دیے گئے اور وہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔

حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط یہاں تک کہ وُہ زمین پر خون بہائے یعنی زیادہ سے زیادہ قتل کرے اور اس میں بہت زیادہ مبالغہ کرے یہاں تک کہ کفر کو ذلیل وخوار کرکے کافروں کی جماعت کو کمزور کر دے اور اسلام کا بول بالا کرے اور اہل اسلام کو غالب بنا دے اور حَتّٰی انتہائے غایت کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اثخان (خونریزی) کے بعد ہی کفار کو قید کرنے اور فدیہ لینے کا کام ہوا۔

حل لغات: الاثخان ثخانۃ سے مشتق ہے بمعنے الغلظۃ والکثافۃ فی الاجسام۔ پھر استعارۃً قتل اور اس میں مبالغہ کرنے پر مستعمل ہوتا ہے اس لیے کہ خلیفۂ وقت جب کفار کے قتل میں بہت زیادہ مبالغہ کرتا ہے تو دشمن اس شے کی طرح ہوتا ہے جیسے کوئی بوجھل چیز ایک جگہ پر پڑی ہو کر حرکت بھی نہ کر سکے۔ یہ اثخنہ المرض یعنی اسے مرض نے کمزور کر دیا اور بوجھل بنا دیا اور اس سے چلنے پھرنے کی قوت اور طاقت سلب کر لی۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا تم دنیوی اسباب کا ارادہ کرتے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ ہے عتاب کا سبب بتایا گیا ہے یعنی فدیہ لے کر دنیوی اسباب کا ارادہ رکھتے ہو اور دنیوی اسباب کو عرض سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیوی اسباب چند روزہ ہیں اس لیے کہ دنیا کے منافع اور اس کے متعلقات کچھ نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کو ثبات وقرار نہیں وہ چند روزہ ہے پھر فنا ہی فنا ہے۔

دیوبندیوں، وہابیوں کے اوہام کا ازالہ یہ خطاب نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور نہ ہی آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ لینے کا مقصد محض اعزازِ دین اور بدر کے قیدیوں کو ہدایت دینا تھا اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین قیدیوں سے انبیاء علیہم السلام کا فدیہ لینا انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں شامل نہ تھا اس لیے کہ اس سے تو رغبت دنیوی ثابت ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کی عادات میں طمع دنیوی شامل نہیں تھا بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا کہ مالی وللدنیا یعنی مجھے دنیا سے کیا غرض۔ ؎

کین جہان جیفہ است و مردار و رخیص
بر چنین مردار چون باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور بدبو دار اور بے کار ہے پھر میں ایسے مردار پر — — — کس طرح حریص ہو سکتا ہوں۔

فائدہ : اگر ظاہری طور پر دنیوی رغبت فرمائی تو وہ بھی صحابہ کرام کے مشورہ پر جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کما قال تعالیٰ وشاورھم فی الامر۔ (اے ان کے ساتھ مشورہ کیجیے)

وَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ ؕ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ثواب آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ہاں اتنا وسیع القدر ثواب ہے کہ دنیا و مافیہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

فائدہ : سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ یہاں پر یُرِیۡدُ بمعنے یَرۡضٰی ہے ارادہ بمعنے رضا بوجہ مشاکلۃ کے ہے۔ (واللہ اعلم) اس سے مذہب اہلسنت پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف واقع ہوا حالانکہ اس کے ارادہ کے خلاف کبھی کچھ واقع ہوتا ہی نہیں۔ اس کا جواب پہلے بیان ہوا کہ یہاں پر ارادہ بمعنے رضا ہے۔

وَ اللّٰهُ عَزِیۡزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے یعنی اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے حَکِیۡمٌ حکیم ہے کہ ہر حال کو اس کے لائق جانتا ہے اور ان حکمتوں کو صرف وہی جانتا ہے جیسے مشرکین کی شان و شوکت کے باوجود خونریزی کا حکم کر کے فدیہ لینے سے روکا گیا اور جب حالات نے پلٹا کھایا کہ اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو پھر قیدی کفار کے لیے فدیہ لینے یا منت لگا کر مفت چھوڑ دینے کا اختیار دیا۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کرتے ہیں اس لیے آیت مذکورہ میں عتاب محبوبی ہے اور ایسا عتاب نہ وحی کے احکام میں ہوتا ہے اور نہ حکم باصواب پر، اور ان کا اجتہاد گاہے مبنی برخطا ہوتا ہے[1] لیکن اس پر انہیں دوام نہیں ہوتا بلکہ ان کو صواب پر متنبہ کیا جاتا ہے۔

لَوۡ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ اگر لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ثبت نہ ہوتا۔

ف : لوح محفوظ میں یہی حکم ثبت تھا کہ اجتہاد کی خطا پر گرفت نہیں ہوگی اور نہ ہی اہل بدر کو عذاب کیا جائے گا یا ان لوگوں پر سزا مقرر نہیں جن کے لیے کسی حکم کے متعلق نہی کی تصریح نہیں کی گئی اور ان سے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے اگر ان اساریٰ بدر کی سبقت سے کتاب اللہ کا حکم نہ ہوتا تو ان کے بعض ایمان لانے اور ان کی آل و اولاد بھی اسلام قبول کرتی۔ لَمَسَّكُمۡ تو تمہیں پہنچتا فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ اس سبب سے جو تم نے فدیہ لیا عَذَابٌ عَظِيۡمٌ دردناک عذاب کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف وفضیلت عمر رضی اللہ عنہ (۱) مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے سوائے عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور کوئی نہ بچتا اس لیے کہ ان حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔

---

[1] اس سے مجتہدین کی اجتہادی خطا کو بھی ثواب میں شامل کرنا مقصود ہوتا ہے مزید تشریح کے لیے تفسیر اویسی دیکھئے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق فدیہ لینے کا مشورہ تمام صحابہ کرام نے دیا سوائے ان دونوں بزرگوں کے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب کسی امر کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا تو تمام کی رائے ایک طرف اور تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ان کے برعکس ہوتی تو قرآن پاک اسی طرح نازل ہوتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوتی۔

(۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل اور زبان پر حق رکھا ہے۔

(۴) متعدد مقامات پر وحی ربانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئی منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو مذکور ہوئی اور دوسرا وہ مسئلہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی ازواج مطہرات کو نیک اور برے دیکھتے ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ آپ انہیں پردہ کا حکم فرماتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ ایک موقعہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بہ بنائے غیرت آپ کی ازواجِ مطہرات حاضر ہوئیں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا شروع کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت کا جز بنا دیا۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ مروی ہے کہ مالِ غنیمت لینے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انکار کر دیا

شانِ نزول تو اللہ تعالیٰ نے یہی حکم نازل فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے غنیمت کا مال وغیرہ جائز رکھا ہے فلہذا کھاؤ جو تم مالِ غنیمت حاصل کرو۔ فدیہ بھی مالِ غنیمت میں داخل ہے۔ حَلٰلًا یہ ال مغنوم سے حال ہے۔

سوال: جب انہیں عفو و مغفرت کا مژدہ سنایا گیا تو لازماً ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب ہو گیا پھر حَلٰلًا طَيِّبًا کی تصریح کا کیا فائدہ۔

جواب: صحابہ کرام کو عتاب ملنے پر دل میں طرح طرح کے خطرات و وساوس گزرتے تھے کہ کہیں ہمارے لیے مالِ غنیمت ناجائز نہ ہو تو ان کے خطرات و وساوس دور کرتے ہوئے فرمایا وہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال ہیں۔

طَيِّبًا طیب ہیں۔

ف: لذیذ شے کو طیب کہا جاتا ہے حلال کو طیب سے موصوف کرنا بوجہ تشبیہ کے ہے کہ طیب وہ ہے کہ اس سے طبیعت کو کسی قسم کی کراہت نہ ہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی مخالفت سے ڈرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی جو کچھ تم نے فدیہ لے کر زیادتی کی حالانکہ اس کی اباحت کا ابھی تمہیں حکم نہیں دیا گیا لیکن تم سے غلطی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس غلطی سے درگزر فرماتا ہے۔ پھر ایسی غلطیوں سے جو شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحم کرتا اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

فائدہ: کاشفی صاحب نے لکھا کہ وہ رحیم یعنی مہربان ہے کہ مالِ غنیمت تمہارے لیے حلال فرماتا ہے، حالانکہ دوسری

امتوں کے لیے مالِ غنیمت حرام تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر مالِ غنیمت حرام تھا اور جتنا بھی مالِ غنیمت حاصل کرتے انہیں حکم تھا کہ وہ راہِ للہ لٹا دیں اور وہ یہی یوں کہ آسمان سے آگ اُتر کر اس مال کو کھا جاتی لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر عنایات بے نہایات ہیں کہ ان کے لیے مالِ غنیمت حلال طیب کر دیا گیا۔

مکالمہ آدم با سیدِ آدم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام سے شبِ معراج فرمایا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے چھ انعام ہوئے، فلہذا آپ خیر الناس ہیں ؛

- آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔
- آپ کو علم کی دولت بخشی۔
- آپ کو مسجودِ ملائکہ بنایا۔
- جس نے آپ کے سجدہ سے انکار کیا اسے ملعون ٹھہرایا۔
- آپ کو اپنے جز سے بیوی سے نوازا۔
- آپ کے لیے بہشت کی تمام نعمتیں مباح فرمائیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کی آپ خیر الناس ہیں اس لیے کہ آپ کو ایسی چھ نعمتیں بخشی ہیں جو آپ سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوئیں ؛

- آپ کے ہمقرین شیطان کو مسلمان بنایا۔
- آپ کے دشمنوں کو مقہور بنایا۔
- آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی زوجہ مکرمہ عطا فرمائی جو تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔
- آپ کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کو شبِ معراج زندہ فرمایا۔
- آپ کو اپنی امت کے مخفی اسرار سے مطلع فرمایا۔
- آپ کی امت کو چھ بہترین عمل عنایت ہوئے ؛
- مجھے ایک گناہ (ظاہری طور ورنہ درحقیقت وہ گناہ نہ تھا) سے بہشت سے نکالا گیا لیکن آپ کی اُمت کو ہزاروں گناہوں کے باوجود مسجد سے بھی نہیں نکالا جاتا۔
- مجھ سے اس گناہ کے بعد تمام کپڑے اتار لیے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ستر پوشی کی جاتی ہے۔
- اس گناہ کے بعد میری زوجہ مجھ سے علیحدہ کی گئی لیکن ان سے ان کی عورتیں علیحدہ نہیں ہوتیں۔
- اس وقت سے میرے قدوقامت میں کمی کی گئی لیکن ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی۔

○ وعصیٰ آدم کہہ کر مجھے رسوا کیا گیا لیکن ان کی کبھی رُسوائی نہیں ہوئی۔

○ میں سَو سال روتا رہا تب کہیں میری بخشش ہوئی۔ اور آپ کی امت کو صرف ایک عذر سے معافی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ؎

محالست اگر سر بزمین در نہی — کہ باز آیدت دست حاجت تہی

بضاعت نیاوردم الا امید — خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: محال ہے کہ تو عاجزی کرکے سر زمین پر رکھے خالی لوٹے۔ اے اللہ! میں صرف امیدِ کرم کی پونجی لایا ہوں مجھے عفو سے نااُمید نہ کر۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ ہر وقت ڈرتا رہے اس لیے کہ جب وُہ امورِ اجتہادیہ جو صرف ظاہری طور خطا پر مبنی ہیں پر گرفت فرماتا ہے تو جو شخص عمداً گناہ کا ارتکاب کرے اس کی کیوں نہ گرفت فرمائے گا جب ایک معمولی دنیوی بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے سزا ملتی ہے تو پھر حقیقی بادشہ کی صریح خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ہو۔

ہُدہُد کا واقعہ یاد کیجیے کہ جب اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ چند لمحات کے لیے غائب ہو گیا، تو زجر و توبیخ اور سزا کا مستحق ہُوا۔ اسی طرح جو بھی سلطان حقیقی کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر کوئی طاعتِ الٰہی میں مصروف ہے تو اس کا عذر مسموع ہوگا۔

فائدہ: آیت کے شانِ نزول سے ثابت ہُوا کہ انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت بارگاہِ حق کے خوف سے روتا رہے۔ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد دونوں حضرات بہت رویا کرتے۔

حدیث شریف: قیامت میں جہنم کو قریب لایا جائے گا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرمائیں گے دُور ہو جا۔ وُہ نہیں ہٹے گی۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک پیالہ پانی کا لائیں گے اور وُہ اسے جہنم پر چھڑک دیں گے۔ اس سے جہنم دُور بھاگ جائے گی۔ سوال ہوگا اے جبریل علیہ السلام! یہ پانی کہاں سے لائے ہو؟ وہ فرمائیں گے: یہ گنہگاروں کے آنسو تھے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن

طفل یکروزہ ہمی داند طریق — کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

تو نمی دانی کہ دایۂ دائگان — کم دہد بے گریہ او رائگان

چوں برآرند از پشیمانی انین — عرش لرزد از انین المذنبین

(باقی برصفحہ آئندہ)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا
يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا
خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

ترجمہ : اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ان قیدیوں کو فرمائیے جو آپ کے قبضے میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی بھلائی جانی تو جو مال تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ (بھی) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کافر آپ سے دھوکہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے خیانت کر چکے ہیں تو اس پر آپ کو ان پر قدرت دے کر انہیں آپ کے ہاں گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکمت والا ہے۔

(منظوم ترجمہ)

ترجمہ : بادل جب تک نہیں روتا باغ شاداب نہیں ہوتا۔ جب تک بچہ نہیں روتا ماں کا دودھ جوش نہیں مارتا۔ نومولود دودھ حاصل کرنے کا یہی طریقہ جانتا ہے کہ رونے سے ماں کا دودھ ملے گا اب تم سوچو کہ وہ رب الارباب کہ رونے کے بغیر بھی سب کچھ دیتا ہے۔ گنہگار بندے جب آہ وزاری کرتے ہیں تو عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے القابات سے یہ لقب بزرگ ترین ہے۔ یعنی اے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ یا اس کے احکام کی خبر دینے والی ہے قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى فرمائیے ان قیدی لوگوں کو جو آپ کے قبضہ میں ہیں۔ اَسْرٰی اسیر کی جمع ہے۔

شانِ نزول وعلم غیب رسول مروی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان تھے۔ آپ بدر کے ان دس قیدیوں میں سے تھے جنہوں نے تمام لشکر کفار سے وعدہ کیا تھا کہ شام کے قافلہ کی حمایت کے لیے اسے مکہ تک بسلامت لانے تک جتنا طعام کا خرچہ ہوگا اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔ حضرت عباس جب بدر کی لڑائی کے لیے نکلے تھے تو ان کے ہاں بیس اوقیہ سونا تھا ارادہ کیا کہ اسے کفار پر خرچ کریں گے لیکن ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی لڑائی شروع ہو گئی۔ اسی بنا پر وہ بیس اوقیہ سونا ان کے پاس رہ گیا۔ جنگ میں ان سے وہی بیس اوقیہ سونا پکڑا گیا۔ حضرت عباس نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ وہی بیس اوقیہ سونا ان کے فدیہ میں شمار کیا جائے لیکن حضور علیہ السلام نے اس سے انکار کیا اور فرمایا جو چیز تم ہمارے اوپر استعمال کرنے کے لیے لائے اور وہ مال غنیمت میں پکڑی گئی وہ تمہاری نہیں ہماری ہے بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے فدیہ کے علاوہ ایک سو اوقیہ زاید ادا کریں اور ساتھ ہی اپنے دونوں بھائیوں کے بیٹوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے

چالیس اوقیہ بھی پیش کریں۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کی ، یا رسول اللہ! آپ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا واپس جا کر زندگی بھر قریش سے مانگتا پھرے ۔ التکفف بمعنے لوگوں کے سامنے سوال کے لیے دست دراز کرنا۔ یعنی مال و دولت مسلمانوں نے لوٹ لیا باقی جو کچھ گھر میں ہے اس کا اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ ادا کروں تو پھر میرا باقی کیا بچ رہے گا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، وہ سونا کہاں جائے گا جو آپ نے ام الفضل یعنی اپنی زوجہ کے سپرد کیا تھا جبکہ آپ مکہ سے غزوۂ بدر کے لیے نکلے اور اسے سونا دے کر فرمایا کہ کیا معلوم مجھے کیا پیش آئے اور کہا تھا اگر میں مرجاؤں تو یہ تیرا اور تیرے بیٹوں عبد اللہ اور فضل اور قثم کا ہے ۔ یہ آپ کے تینوں صاحبزادوں کے نام ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے ۔ حضرت عباس نے کہا ، یقیناً آپ سچے ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یاد رہے کہ میں نے جب وہ سونا اپنی زوجہ کو دیا تھا اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں تھا اور اندھیری رات تھی اس سے قبل مجھے آپ کی نبوت پر شک تھا لیکن آپ کی اس غیبی خبر سے یقین ہو گیا کہ آپ لاریب نبی مرسل ہیں ۔

فائدہ : اگرچہ یہ آیت حضرت عباس کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب اس کا حکم عام ہے اس لیے کہ حکم خاص واقعہ سے متعلق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ عباس ، عقیل اور دیگر قیدیوں سے فرمائیے اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں خیر یعنی ایمان و اخلاص کو جانتا۔

[illegible] شک کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے شک کیسا۔

جواب : بیشک یہ نسبت ہمارے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے دعائے استخارہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی : ان کنت تعلم الخ یعنی اگر تیرے علم و ارادہ کا تعلق ہو۔ چونکہ اس علم کا تعلق بہ نسبت طرف بندے کے مشکوک ہے اسی لیے اسے حرفِ شک سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ تو تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے فدیہ لیا گیا وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اور تمہاری مغفرت فرمائے گا ، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

فائدہ : حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر عطا فرمایا ہے اس سے جو مجھ سے بدر میں لیا گیا کہ اس وقت بحمدہ تعالیٰ میرے بیس مملوک ہیں اور کم درجہ والا بیس ہزار درہم کی تجارت کرتا ہے اور مجھے زمزم کا سقایہ عنایت فرمایا ہے یہ وہ دولت ہے کہ تمام مکہ والے میرا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان دونوں وعدوں سے ایک تو پورا ہو گیا دوسرے وعدے کا مجھے انتظار ہے یعنی باقی مجھے مغفرت کی امید ہے اور اس وعدۂ کریمہ کے خلاف نہیں ہوگا۔ ؎

خلاف وعدہ محالست کز کریم آید ٭ لئیم اگر نکند وعدۂ وفا شاید

ترجمہ : کریم سے خلاف وعدہ محال ہے ہاں نالائق وعدہ پورا نہ کرے تو اس سے ہو سکتا ہے ۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اور اگر وہ بدر کے قیدی ارادہ کریں خِيَانَتَكَ آپ سے خیانت کا ۔ یعنی جو کچھ آپ سے [illegible] وعدے کیے ہیں یعنی اسلام سے ہٹ کر اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف ہو گئے فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ انہوں نے اس سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کی خیانت کی تھی یعنی کفر کیا تھا اور جو کچھ ازل میں اللہ تعالیٰ سے وعدے کیے سب توڑ دیئے فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ پس ان پر تمہیں قبضہ دے گا جیسے بدر میں تمہیں فتح و نصرت دی اب بھی اگر تمہارے ساتھ خیانت کریں تو تمہیں ان پر [illegible] عطا فرمائے گا۔ یہ محاورہ "مكنه من الشى و امكنه منه اى اقدر عليه فتمكن منه" سے ہے۔ یعنی فلاں کو فلاں شے پر قدرت دی پھر وہ اس پر غلبہ پا گیا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ ان کی نیات اور [illegible] انہیں جانتا ہے۔ ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں نزدش یکیست

حَكِيْمٌ ○ وہ حکیم ہے کہ جیسے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا ہوتا ہے ویسے کرتا ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ظاہر نہیں کرتے تھے اس لیے کہ آپ کے قریش پر بہت قرضہ جات تھے انہیں خطرہ تھا کہ اگر اسلام ظاہر کر دیں تو قرضہ جات وصول نہیں ہو سکیں گے۔

سوال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر زاید فدیہ دینے پر کیوں مجبور کیا؟

جواب: یہ بھی ان کے لیے ایک فائدہ تھا اگرچہ بظاہر ان کے لیے دُکھ تھا لیکن حقیقۃً ان کے لیے نفع ہی نفع تھا۔

ف: جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اہلِ مکہ کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اسلام کا اعلان فرما دیا۔

سوال: اگر حضور علیہ السلام کو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندرونی اسلام کا علم تھا تو پھر آپ نے ان کے اسلام کا اعلان کیوں نہ فرمایا؟

جواب: آپ نے بھی وہی مصلحت دیکھی جو خود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لیے چاہتے تھے یعنی تاکہ ان کے اظہارِ اسلام سے ان کے قرضہ جات ضایع نہ ہو جائیں۔

ف: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے ہجرت کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا "یا عم اقم مكانك الذى انت فيه فان الله يختم بك الهجرة كما ختم بى النبوة" اے چچا جان! آپ اپنے گھر ہی رہ جائیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الہجرۃ بنایا ہے جیسے مجھے خاتم النبوۃ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ ؎ ترجمہ اسکے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ پوشیدہ و ظاہر اسکیلئے برابر ہے۔

مسئلہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے اور دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ایمان و اسلام کے سوا بچنا مشکل ہے وہی قادر ہے قوی ہے خالق ہے اور اس کے ماسوا باقی تمام مخلوق عاجز ضعیف ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوت والے کو فرما دو کہ تجھے تیری قوت عجب میں نہ ڈالے اگر تجھے بڑی طاقت ہے تو میں موت سے تیری اس قوت کو ملیامیٹ کر دوں گا اور عالم کو فرما دو کہ تجھے تیرا علم عجب میں نہ ڈالے پس اگر تجھے علم کا غرور ہے تو میں تیرا گھمنڈ موت سے مٹا دُوں گا اور دولت مند کو فرما دو کہ تجھے تیری دولت تکبر میں نہ ڈالے تو میں طاقت رکھتا ہوں کہ تیری دولت مخلوق کو لٹا دُوں گا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ آیت میں قیدیوں سے وہ نفوس مراد ہیں جو جہاد اکبر میں مقید ہیں کہ جن پر سلطان ذکر کا غلبہ ہے اگر نفوس کو ذکر الٰہی اور عبودیت اور سلطان ذکر کے احکام کی پابندی سے اطمینان ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتیں اور اس کے درجات عطا فرمائے گا اور یہ شہوات دنیا اور اس کی نعمتیں اور اس کی زینت سے افضل ہیں اس لیے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور جنت اور اس کی نعمتیں باقی ہیں۔

قاعدہ عجیبہ: سات چیزوں کی متابعت سے سات چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

۱۔ نفس کی متابعت سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کو قابیل کے متعلق فرمایا ہے: فطوعت له نفسه قتل اخيه فقتله فاصبح من النادمين۔

۲۔ خواہشات نفسانی کی متابعت حق سے دوری پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بلعام کے لیے فرمایا: واتبع هواه فمثله كمثل الكلب یعنی اس نے اپنے نفس کی اتباع کی تو اُس کا بعد اور خساست کتے کی طرح ہے۔

۳۔ شہوات کی اتباع کفر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا۔ یعنی جنہوں نے شہوات کی اتباع کی تو انہیں وادی غیّ یعنی کفر میں ڈالا جائے گا۔

۴۔ فرعون کی متابعت دنیا میں دریا کی غرقابی اور آخرت کی جہنم کا دخول پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واتبعوا امر فرعون۔ یعنی انہوں نے فرعون کے حکم کی تابعداری کی فاوردهم النار تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جہنم کی آگ میں ڈالا۔

۵۔ گمراہ لیڈروں کی تابعداری حسرت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذ تبرا الذين اتبعوا الی ان قال كذلك يريهم الله اعمالهم حسرات عليهم وما هم بخارجين من النار۔

۶۔ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری ان کا عشق اور محبت پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔

۷۔ شیطان کی تابعداری جہنم کا ایندھن بناتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لك عليهم سلطان الا من اتبعك من الغاوين وان جهنم لموعدهم اجمعين۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ
اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ
وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْاۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا
عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۝ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌؕ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ
مِنْكُمْؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے اہل ہجرت کو جگہ دی اور اہل اسلام کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تمہیں ان کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ بھی ہجرت کریں اور اگر وہ تم سے دینی امور کی مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد کرنا کہ تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور وہ لوگ جو کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اگر ایسا نہ کروگے تو زمین پر بہت بڑا فتنہ اور فساد ہوگا اور وہ لوگ جو ایمان لاتے اور ہجرت کی اللہ کی راہ میں جہاد اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے اور پکے مومن ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور وہ جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں یہی حکم کتاب اللہ میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان لاتے وَ هَاجَرُوْا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کی وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ اور انہوں نے اپنے اموال سے جہاد کیا یعنی انہیں جنگی سامان اور ہتھیار اور دیگر ضروریات پر خرچ کیا وَ اَنْفُسِهِمْ اور جنگ میں اور اس جیسے محاذ پر اور ہلاکتوں کے مراکز پر نفسوں کو قربان کیا۔

سوال: اموال کو انفس پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: (۱) مال سے جہاد زیادہ واقع ہوتا ہے اور اسی سے زیادہ ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نفس سے جہاد مال کے بغیر

ممکن نہیں ہوتا۔ (کذا فی التفسیر الارشاد)

(۲) صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا: مال نفس و وجود کے توابع سے ہے اور خرچ کے وقت توابع اصل سے مقدم ہوا کرتے ہیں۔

(۳) ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا یہی بہترین طریقہ ہے اسی لیے صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توحید افعال کے مقابلہ میں مال کو خرچ کیا جاتا ہے اور ذات معبود کی توحید میں وجود کو۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جَاھِدُوْا کے متعلق ہے اسے جہاد کے انواع میں سے ایک قسم کے متعلق کیا گیا ہے۔ سبیل اللہ سے وہ طریقہ مراد ہے جو ثواب اور جنت اور درجات و قربات تک پہنچانے والا ہو اور وہ بھی اس وقت پہنچاتا ہے جب اس میں خلوص ہو اس لیے کہ مال اور نفس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ریا ہو تو اس سے رضائے الٰہی نصیب نہیں ہوتی۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے راستہ پر جہاد کرتے اور تیرے غیر سے دُور رہتے ہیں۔ حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گلِ توحید نروید کہ زمینی کہ دور
خار شرک وحسد و کبر و ریاء و کین است

ترجمہ: اس زمین پر توحید کا پھول نہیں اُگتا جس میں شرک وحسد وکبر اور کینہ ہو۔

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مہاجرین کو پناہ دی یعنی انہیں مدینہ طیبہ میں مکانات بنا دیے اور ان کی دیگر ضروریات پوری کیں۔ الایواء بمعنے الضم یعنی ملانا۔ وَّنَصَرُوْا اور ان کی مدد کی یعنی ان کے دشمنوں پر ان کی مدد فرمائی اور کفار کو تلوار سے مارا۔ پہلا مہاجرین کے متعلق ہے دوسرا انصار کے متعلق ہے اور لفظ انصار خزرج اور اوس دونوں قبیلوں کا علم ہے اسی لیے اس کی جمع کی طرف حرف نسبت لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے انصاری اور انہیں انصار اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور امام الانبیاء سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی۔ انصار نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف جمع آتی ہے۔

سلطان سلیم اول نے کہا: ؎

شہنشاہ آن گدا کہ بود خاک راہ او — آزاد بندہ کہ گرفتار مصطفیٰ است
آن سینہ شاد کز غم او ساخت دل حزیں — و آن جانِ عزیز کز پے ایثار مصطفیٰ است

ترجمہ: شہنشاہ وہ ہے جو اس راہ کی مٹی کا گدا ہے آزاد بندہ وہ ہے جو مصطفیٰ کے عشق میں گرفتار ہے۔ خوش وہ سینہ ہے جو غم مصطفیٰ سے ہے دل غمگین جان عزیز وہ ہے جو مصطفیٰ کے لیے قربان ہے۔

أُولَٰئِكَ وہ لوگ جن کے اوصاف مذکور ہوئے بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اس لئے کہ مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ سے ایک دُوسرے کی وراثت لیتے۔ قرابت و رشتہ داری کا سلسلہ تو تھا نہیں لیکن ایک دُوسرے کے وارث ہوجاتے تو محض ہجرت و نصرت کی وجہ سے۔

مسئلہ: ابتدائے اسلام میں مہاجرین و انصار ہجرت و نصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی وراثت لیتے مثلاً کوئی مہاجر فوت ہوجاتا تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا جبکہ اسی مہاجر کا مدینہ طیبہ میں کوئی دُوسرا بھائی یا وارث مسلمان نہ ہوتا اسی طرح انصاری فوت ہوتا تو اس کا وارث مہاجر بھائی ہوتا اگر انصاری کا کوئی اور وارث نہ ہوتا یہ قانون فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

مسئلہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت کی وراثت کے بجائے قرابت کی وراثت کا اجراء ہُوا۔

فائدہ: الاولیاء، الولی کی جمع ہے جیسے اصدقاء، صدیق کی جمع ہے اور اَلْوَلِیُّ، وَلْیٌ (بمعنے قرب یعنی نزدیک ہونا) سے مشتق ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قریبی (رشتہ دار) ہیں۔ اب نہ تو مومن کافر کا وارث ہے اور نہ ہی مومن مہاجر غیر مہاجر کا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن دُوسرے اہلِ ایمان کی طرح ہجرت نہیں کی۔ مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ تو وہ ان کی ولایت یعنی وراثت میں سے تمہارا کوئی حقدار نہیں اگرچہ وہ تمہارے قریب ترین رشتہ دار ہوں حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جب صراحۃً نفی کر دی گئی کہ غیر مہاجرین اہلِ ایمان کی (وراثت) ولایت مہاجرین سے منقطع ہوگئی تو پھر وُہ مکہ میں مخالفین سے جتنی تکالیف اور دُکھ اٹھائیں ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کی امداد کریں حالانکہ یہ تو مقتضائے اسلام کے بالکل خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا کہ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ اور اگر غیر مہاجرین مومن تم سے دینی امور میں مدد طلب کریں فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ تو تمہارے اُوپر واجب ہے کہ تم انہیں دشمنوں پر غلبہ پانے کے لیے دینی امور میں مدد کرو۔ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ مگر اس دشمن قوم پر غلبہ پانے کے لیے اہلِ ایمان غیر مہاجرین کو مدد مت دو بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ط جن کا تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہو، بلکہ ان کی آپس میں ایسی اصلاح کر دو کہ جنگ کے بغیر ان کی صُلح ہوجائے وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے فلہذا تم اس کے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو تاکہ تم پر عذاب نازل نہ ہوجائے وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط اور وہ لوگ جو کافر ہیں وُہ آپس میں ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں۔

مسئلہ: آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ کفار ایک دُوسرے کی میراث کے وارث ہیں اس لیے کہ احکام کا خطاب انہیں نہیں بلکہ صرف اہلِ ایمان کو احکام کے لیے مخاطب کیا گیا ہے۔

مسئلہ : مفہوم مخالف کے قاعدہ کی بناء پر مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ان کی وراثت سے روکا گیا ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ ان سے کوسوں دُور رہیں خواہ ان کے کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہوں۔

نکتہ : کفار سے محبت و موالات اور دوستی کفر کی نسبت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے اہلِ ایمان کی آپس میں محبت بوجہ نسبت ایمانی کے ہے۔ اسی بنا پر ایمان و کفر کے مابین مناسبت (دوستی و تعلق وغیرہ) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ کفر ظلمت ہے اور ایمان نور، جیسے نور و ظلمت کا اجتماع ممتنع ہے ایسے ہی ایمان و کفر کا اجتماع بھی محال ہے۔ اسی طرح ایمان و کفر سے موصوفین کا آپس میں تناسب کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ مسلّم ہے کہ کافر اللہ کا دشمن اور مومن اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور قاعدہ ہے کہ غیر جنس سے وصال و یاری کے بجائے انقطاع اور جدائی ضروری ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نخست موعظۂ پیر صحبت ایں پند است
کہ وز مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ : بوڑھے تجربہ کار کی ایک نصیحت یاد رکھو کہ ناجنس کی دوستی سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

اِلَّا دراصل اِنْ لَّا تھا تَفْعَلُوْهُ یعنی وہ جو تم حکم دیے گئے ہو آپس میں محبت اور دوستی اور ایک دوسرے کی تعلق داری کی یہاں تک کہ میراث میں اور کفار سے قطع تعلق وغیرہ پر عمل نہیں کرو گے تَكُنْ یہ تامہ ہے فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ تو زمین پر ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا یعنی ایمان میں ضعف اور کفر کو غلبہ ہوگا وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ اور دارین میں بہت بڑا فساد ہوگا۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ طالب نُصرۃ کی موافقت ضروری ہے اگر اس کی موافقت نہ کی جائے تو خسارہ ہی خسارہ ہے بلکہ دنیا سے امان اُٹھ جائے۔

حدیث شریف : ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔

فائدہ : ظالم کی مدد کا معنی یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکا جائے۔

مسئلہ : قاضیخان میں ہے کہ اگرچہ رُوم سے ہی جنگ کے لیے اہلِ اسلام مدد طلب کریں تو ان کی مدد کے لیے حسب الامکان جنگ پر جانا ضروری ہے جبکہ زادِ راہ اور وہاں تک پہنچنے کی سواری کی استطاعت ہو ان کی مدد سے بلا عذر بیٹھ جانا ناجائز ہے۔

مسئلہ : جیسے اہلِ اسلام کی جنگ کی مدد میں بہت بڑی فضیلت ہے ایسے ہی جہاں دینی امور کا فائدہ ہے وہاں ہجرت کر جانے میں فضیلت ہے۔

ہجرتِ نبوی کا سبب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ کے صحابہ کرام پر مکہ معظمہ کے کفار کے پے در پے ظلم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں اور آپ کے ہاں ان کے بچانے کے بظاہر اسباب بھی نہیں تھے

تو آپ نے انہیں وہاں سے متفرق مقامات پر چلے جانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی خوشخبری سنائی کہ عنقریب تم ایک مقام پر جمع ہو جاؤ گے۔ انھوں نے عرض کی، ہم کہاں جائیں ؟ آپ نے حبشہ کا اشارہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے صراحۃً فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا ہے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وُہ مقام سچائی کا مرکز ہے پھر اللہ تعالیٰ تمہاری تکالیف دور کرنے کے اسباب پیدا فرما دے گا۔

پاک و ہند کی طرف ہجرت کا پروگرام صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو کان لی مالٌ لہاجرت من قسطنطنیہ الی ارض الھند ۔ اگر میرے پاس (بظاہر) دنیا و دولت کی وفرت ہوتی تو میں قسطنطنیہ سے ہند (و پاکستان) ہجرت کر جاتا اس لیے کہ جس ملک کا ایسا بادشاہ ہو جسے دین کی کوئی غیرت نہ ہو تو وہاں اقامت پذیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں[1]۔ اس کے بعد میرے شیخ نے ہند و پاک کے بادشاہ کے تقوٰی و طہارت کی باتیں سُنائیں۔

فائدہ : میرے شیخ کا یہ کلام شریعت و طریقت کے عین مطابق ہے۔ ایسے ہی بہت بڑے کاملین مشایخ سے منقول ہے کہ وُہ ظالم بادشاہ کی شاہی میں ہرگز مقیم نہ ہوتے۔

حدیث شریف : جو شخص ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو دین کی خاطر ہجرت کر جاتے اگرچہ ایک بالشت کی مسافت بھی ہو تو اس کے لیے بہشت واجب ہوگئی اور بہشت میں اسے حضرت خلیل علیہ السلام اور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوگی۔

حبشہ کی ہجرت حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سُن کر بہت سے صحابہ کرام حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ کفار کے فتنہ و فساد سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اپنا دین بچالیں پھر بعض ان میں اکیلے ہجرت کر گئے بعض اپنے بال بچوں سمیت چلے گئے اسے ہجرتِ اُولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

صُوفی کی ہجرت کا مطلب صوفیہ کرام فرماتے ہیں جو ایمان لاتا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طلبِ حق میں زندگی بسر کرے اور طالبِ حق کو ہجرت ضروری ہے، اور اس کی ہجرت یہ ہے کہ غیر اللہ سے بالکل علیحدہ ہو جاتے یعنی افعالِ قبیحہ طبعیہ چھوڑ کر افعالِ حسنہ شرعیہ کا پابند ہو جائے اور اوصافِ ذمیمہ ترک کر کے اخلاقِ حمیدہ پیدا کرے یا یُوں سمجھو کہ وجودِ مجازی فنا کر کے وجودِ حقیقی حاصل کرے اسی طرح بذلِ مال اور نفس طلبِ حق میں ضروری ہے، اور صوفیہ کرام کے نزدیک حق کے سوا باقی ہر شے باطل ہے اور ہر باطل کو مٹانا لازم۔

حضرت سید بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

---

[1] جیسے اب ہمارا جی چاہتا ہے کہ پاکستان کو چھوڑ کر کسی عاشقِ اسلام اور دین پرور ملک میں چلے جائیں۔

ہست تاج عارفاں اندر جہان از چار ترک
ترکِ دُنیا ترکِ عُقبیٰ ترکِ ہستی ترک ترک

ترجمہ: چار چیزوں کے ترک سے عرفا کو تاج حاصل ہوتا ہے ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ ہستی و ترکِ نیستی۔

حدیث شریف اور حکایت

مروی ہے کہ زمانہ سابق میں ایک بندۂ خدا نے ایک کم ایک سو یعنی ننانوے قتل کیے اور اس نے روئے زمین کے اہلِ علم سے اپنی معافی کی تجویز پوچھی، تو اسے ایک راہب کے ہاں بھیجا گیا۔ جب وہ اس کے ہاں حاضر ہُوا تو اس نے اپنا ماجرا سُنایا کہ اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا معافی ہو سکتی ہے۔ اس راہب نے جواب نفی میں دیا تو اسے بھی اس نے قتل کر دیا۔ اس طرح سے اس کے قتل مکمل یکصد ہو گئے۔ پھر رُوئے زمین کے علماء سے اپنی توبہ کا سوال کیا اُسے ایک عالمِ دین کی طرف بھیجا گیا اس نے اس کی خدمت میں اپنا تمام حال سنایا اور کہا کہ مَیں ایک سو آدمی قتل کر چکا ہوں کیا اس کے باوجود بھی میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں تیری توبہ میں کونسی کمی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بخشش میں کوئی شے حائل ہے۔ لیکن فلاں علاقہ میں جائیے وہاں اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار نیک بندے رہتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ عبادت گزاری میں شامل ہو جاؤ لیکن جب تک توبہ قبول نہ ہو تم اپنے گھر نہ لوٹنا اس لیے کہ جہاں تم رہتے ہو وہ بہت بُرا علاقہ ہے واپس آؤ گے تو بُری صحبت سے خراب ہو جاؤ گے۔ وُہ بندۂ خدا اس عالمِ دین کے مشورہ پر انہی نیک لوگوں کے علاقہ کی طرف چل پڑا، ابھی آدھا سفر طے کیا تو ملک الموت تشریف لائے اور اس کی جان نکال لی۔ اس کے مرنے پر رحمت اور عذاب کے فرشتوں کا جھگڑا ہو گیا۔ رحمت کے فرشتے کہتے کہ یہ تائب ہو کر خلوصِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی تلاش میں جا رہا تھا اور عذاب کے فرشتے کہتے کہ اس نے زندگی بھر کوئی نیکی نہیں کی لہٰذا یہ بخشش کا حقدار نہیں۔ ان کا جھگڑا مٹانے کے لیے ایک فرشتہ انسانی لباس میں حاضر ہُوا۔ رحمت و عذاب کے ملائکہ نے کہا اس کا فیصلہ ہمیں منظور ہے ہم اسے اپنا حکم (سرپنچ) بنالیں۔ اس نے کہا دونوں زمینوں کو ناپو۔ یعنی جتنا طے کر کے آیا اور جتنی بقایا زمین اہل اللہ کے علاقہ تک رہتی ہے۔ جس زمین کو یہ شخص قریب تر ہے اسی کا مستحق ہے یعنی اگر طے کردہ زمین سے گھر کی طرف قریب تر ہے تو اسے جہنم میں لے جاؤ ورنہ بہشت میں۔ چنانچہ اس کے فیصلہ پر سب فرشتے راضی ہو گئے اور زمین ناپی گئی تو اسی زمین کے قریب تر پایا گیا کہ جس کی طرف ارادہ رکھتا تھا یعنی اللہ والوں کے گھروں کے قریب تر پایا گیا، تو اسے رحمت کے فرشتے بہشت میں لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب زمین ناپی جا رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طے کردہ زمین کی طرف پیغام بھیجا کہ تُو لمبی ہو جا، اور دوسری زمین سے فرمایا کہ تُو اس بندہ کے قریب تر ہو جا۔

سوال: اس حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ اس بندہ کے تمام گناہ معاف ہو گئے یہاں تک کہ حقوق العباد بھی۔ حالانکہ حقوق العباد نہیں بخشے جاتے جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔

جواب: قاعدہ ہے کہ گنہگار جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے تو پھر حقوق اللہ تو

سب کے سب بخشے جاتے ہیں اور حقوق العباد بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے تو صاحب حق کو اپنی طرف سے راضی فرمادے اور چاہے تو صاحبِ توبہ کی نیکیاں صاحب حق کو عنایت فرمادے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ جہاں بندے سے گناہ سرزد ہُوا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنا مستحب ہے اور ایسے لوگوں کے ہاں جاکر گزارے جو اس کو نیکی کی معاونت کریں۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں سچے مہاجرین اور نیک بندوں سے بنا۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اور وُہ لوگ جو ایمان والی چیزوں پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان لائے وَھَاجَرُوۡا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر اپنے وطن کو خیر باد کیا وَجَاھَدُوۡا اور کفار سے جہاد کیا۔ المجاھدہ بمعنی اللہ تعالیٰ کی راہ پر کفار سے جنگ کرنا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس سے دینِ اسلام اور اخلاص مراد ہیں جو ہر دونوں بہشت میں لیجانیوالے ہیں وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا اور وہ لوگ جنہوں نے اہلِ ایمان کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور ان کی ضروریات کے لیے دنیوی سامان دیا اور ان کی موافقت کی یہ فعل متعدی بنفسہ اور متعدی بالی ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اٰوَیۡتُ مَنۡزِلِیۡ وَاِلَیۡہِ اَوُیًا، ای نزلتہ بِنَفۡسِیۡ وَسَکَنۡتُہٗ اور کہا جاتا ہے وَاَوَیۡتُہٗ وَاٰوَیۡتُہٗ ای اَنۡزَلۡتُہٗ، الماوی اسی سے مشتق ہے بمعنی المکان، الایواء بمعنی جگہ دینا۔ وَّنَصَرُوۡۤا اور اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کافروں پر مدد فرمائی۔ پہلے الَّذِیۡنَ سے پہلے مہاجرین اولین اور دوسرے سے انصار مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تقریر پہلے گزری ہے۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وہی لوگ وہ ہیں جن کا ایمان حَقًّا حق ہے اس لیے کہ انہوں نے ایمان کے مقتضی کے مطابق عمل کیے مثلاً ہجرت، جہاد اور مال خرچ کرنا اور نصرۃ حق وغیرہ۔ پہلی آیت ان کے حکم کے بیان کے لیے ہے یعنی وہ ایک دوسرے کی وراثت کے مالک اور ایک دوسرے کے متولی ہیں اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن کامل فی الایمان وہی پہلے مہاجرین اور انصار ہیں نہ کوئی اور اس تقریر سے ثابت ہُوا کہ آیت میں تکرار نہیں اس لیے کہ پہلی بار بیان حکم کے لیے تھا اب ان کے کمال ایمان کے لیے ہے۔ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ ان کے گناہوں کی مغفرت ہے وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۝ اور اس کے ہاں رزق واسع اور کثیر ہے انہیں بہشت میں بہت بڑا طعام کھلائے گا جو ان کے بدن میں تحلیل ہو کر پسینہ کی صورت میں نکل جائے گا اور اس پسینہ کی خوشبو خشک سے بھی بہتر ہو گی وہ طعام پیٹ میں جاکر پاخانہ وغیرہ نہیں بنے گا۔ نَجۡوٌ ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو پیٹ سے خارج ہو، ریح ہو یا پاخانہ۔

ربط: ان کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مذکورہ دونوں امور میں ان سے مشابہت رکھتے اور ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ اور وہ لوگ جو ہجرتِ اُولیٰ کے بعد ایمان لائے وَھَاجَرُوۡا اور تمہارے بعد ہجرت کر کے آئے وَجَاھَدُوۡا مَعَکُمۡ اور انہوں نے تمہارے ساتھ مل کر بعض غزوات میں جہاد کیا فَاُولٰٓئِکَ مِنۡکُمۡ پس اے مہاجرین وانصار وہ بھی منجملہ تمہارے سے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں ربنا اغفرلنا

و لاخوانناالذین سبقونابالایمان ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سابقین مہاجرین کے ساتھ ملایا ۔ جوفضیلت ان سابقین کو عطا فرمائی انہیں بھی عطا ہوئی تاکہ اس سے انہیں ایمان و ہجرت کی ترغیب ہو ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین بھائی چارہ مقرر فرمایا اسی لیے اگر کوئی مہاجر مسلمان مرجاتا تو بجائے اس کے اپنے قریبی رشتہ دار کے اس کا وارث وہی انصاری بھائی ہوتا اگرچہ اس کا مہاجر بھائی مسلمان بھی ہوتا ۔

اس کے بعد آیتِ ذیل سے یہ حکم اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ اور قریبی رشتہ دار اس کی وراثت میں زیادہ لائق ہے دوسرے بعیدی رشتہ دار سے فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اس کے حکم میں اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ پہلے دینی اسلامی رشتہ دار کو وراثت کا مالک بنایا پھر نسبی رشتہ دار کو ۔ یہ اس کی بلیغ حکمتوں پر مبنی ہے ۔ ؎

نہ در احکام اوست چون و چرا
نہ در افعال او چگونہ و چند

ترجمہ : اس کے احکام میں کسی کو چون و چرا کی ہمت نہیں ، اس کے افعال میں چگونہ و چند کوئی نہیں کہہ سکتا ۔

مسئلہ : چونکہ مہاجرین سابقین نے قبول ایمان اور اتباعِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کی اسی لیے وہ انصار سے افضل ہیں ۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ اگر ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی منجملہ انصار کے ہوتا ۔ اس سے انصار کی تعظیم و تکریم مطلوب ہے اس لیے کہ ہجرت کے بعد انصار سے اور کوئی افضل نہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی مہاجرین کے بعد دینی نصرت فرمائی ۔

فائدہ : مہاجرین کے چند طبقات ہیں ؛

۱ ۔ بعض وُہ ہیں جنہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ۔

۲ ۔ بعض وُہ ہیں جنہوں نے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد لیکن صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کی ، اور صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہُوئی ۔ ان ہر دونوں کو مہاجرین سابقین سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

۳ ۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد لیکن فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی ۔ یہ ہجرت ثانیہ والے کہلاتے ہیں ۔

۴ ۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دو ہجرتیں کیں ؛

۱ ۔ ہجرت الی الحبشہ

۲ ۔ ہجرت الی المدینہ

مسئلہ : جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ہر مومن ذی استطاعت پر ہجرت فرض ہوگئی تاکہ دینی امور

میں وسعت اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ہو اور دینِ اسلام کا بول بالا ہو۔

مسئلہ: جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو اس کے بعد ہجرت کی فضیلت منقطع ہوگئی۔ اس کے بعد کسی کے لیے ہجرت کی فضیلت کا حصول روا نہ رہا اور نہ ہی کسی کو حق پہنچتا تھا کہ وہ مہاجرین کے مراتب کے ہم پلّہ ہونے کا دعوٰی کرے۔

مسئلہ: کسی امر دینی کی مصلحت کے تحت ہجرت کرنا خواہ مکہ معظمہ کی طرف یا کسی دیگر شہر کی طرف تو یہ سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور ایسی ہجرت جائز ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں البتہ جہاد باقی رہے گا۔

حدیث شریف نمبر ۲: جس نے میرے وصال کے بعد میرے روضۂ اقدس کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو شخص حرمین شریفین میں سے کسی ایک حرم پاک میں مرے گا تو وہ قیامت میں امن والوں میں سے ہوگا۔

حدیث شریف نمبر ۳: امام غزالی قدس سرہٗ نے احیاء العلوم شریف میں نقل فرمایا کہ مروی ہے کہ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کو واپس (زیارت و حج کے لیے) تشریف لاتے تو کعبہ معظمہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو خیر ارض اللہ اور احب بلاد اللہ ہے۔ اگر میں تجھ سے مجبوراً نہ نکالا جاتا تو تجھے چھوڑ کر ہرگز نہ جاتا۔

سبق: جو شے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ اُمت کو بھی محبوب ہونی چاہیے۔

مسئلہ: مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہونا دوسرے مقامات سے افضل ہے بشرطیکہ اس کے آداب بجا لائے جائیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ صرف کعبہ معظمہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس میں ایک نیکی پر لاکھوں نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی اپنے اوپر اعتماد نہیں رکھتا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر اس کے آداب بجا نہیں لا سکے گا تو اسے کعبہ معظمہ میں مقیم نہ ہونا چاہیے۔

حکایت منقول ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہٗ جیسے خلفاء (بادشاہوں) کا طریقہ تھا کہ مکہ معظمہ میں پہنچ کر دو خیمے نصب کراتے ایک حرم شریف کے اندر اور دوسرا باہر۔ جب نماز و دیگر عبادات ادا کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم کے اندر والے خیمہ میں تشریف لے جاتے تاکہ مسجد شریف کے فضائل سے بہرہ ور ہو۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج پورے کرنے کا ارادہ ہوتا تو حرم سے باہر والے خیمہ میں چلے جاتے۔

فائدہ: مکہ معظمہ کے حرم کا احاطہ بجانب مشرق چھ میل اور بجانب شمال بارہ میل اور بجانب ثالث اٹھارہ میل اور بجانب رابعہ چوبیس میل ہے۔ (کذا قال الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالٰی)

اولیاء اللہ حقیقی کعبہ ہیں جیسے اللہ تعالٰی اور لوگوں کی نظروں میں بعض مکانات کی شرافت اور بزرگی ہے اسی طرح بعض اہلِ کمالات و کرامات بھی درجہ وار فضیلت رکھتے ہیں بلکہ مکانات کی فضیلت سے ان کی فضیلت و شرافت فزوں تر ہوتی ہے۔ ؎

مسجدے کان در درون اولیاءاست　　　خانۂ خاص حقست آنجا خدا است

نیست مسجد جز درون سروران　　　آن مجاز است این حقیقت اے جوان

ترجمہ: اولیاء کرام کے قلوب حقیقی کعبہ ہیں اس لیے یہی اللہ تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کا مرکز ہیں اور حقیقی مسجد یہی ہیں اور دوسری مساجد مجازی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: فاولٰئک منکم میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو متاخرین میں سے راہِ سلوک طے کرتے ہیں کہ یہ بھی ظاہری مرتبہ میں متقدمین کی طرح ہیں اس لیے کہ انھوں نے متقدمین کی طرح اسلام قبول کرنے اور ہجرت اور جہادِ حقیقی میں سرِ مُو کمی نہیں کی اسی لیے ان میں فرق کیسا جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ صبح ہے اور نہ شام۔ فلہذا جمیع واصلین کنفس واحد ہیں انہیں زمان و مکان کی قید سے مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں آج اور گزشتہ اور آنے والا لمحہ برابر ہے۔ وہ قُرب و بُعد اور اُونچ اور نیچ سب برابر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت بارش کے قطرات کی طرح ہے نہ معلوم ان کا اول خیر ہے یا آخر۔ اسی طرح آپ نے متاخرین امت کو اپنا بھائی بنایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: واشوقاہ الی لقاء اخوانی۔ یعنی مجھے اپنی آنے والی امت کے بھائیوں کے دیدار کا شوق ہے۔

حکایت: حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سورۂ انفال پڑھتے تو فرماتے کہ وہ لشکر بہت بابرکت تھا جس کے قائد حضور رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے اور جس کے ساتھ جنگی بہادر شیرِ خدا حضرت المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ تھے اور ان کا جہاد طاعتِ الٰہی کے لیے تھا اور ان کی مدد کے لیے ملائکہ کرام حاضری دیتے اور ان کی مزدوری اور ثواب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کا پیام ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نیک اعمال اور احسن اقوال و احوال کا سوال کرتے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں طاعت گزاروں اور مشغولین فی العبادت سے بنائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ انفال کی تفسیر
ربیع الآخر کے اواخر ۱۱۱۱ھ ہجری میں ختم ہوئی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ ربہ القدیر نے اس کے ترجمہ سے ۸ رجب ۱۳۹۵ھ
میں قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔
بفضلہ وکرمہ تعالیٰ وبلطف حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انا الفقیر
ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱﴾ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُہٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۴﴾

اعوذ باللہ من النار و من شر الکفار و من غضب الجبار العزۃ للہ و لرسولہ و للمؤمنین ۱۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکین کو جن سے تمہارا معاہدہ ہے (لیکن وہ اپنا معاہدہ توڑ چکے) کہ زمین پر چار ماہ چل پھر لو۔ اور یقین کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو رُسوا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑے حج کے دن لوگوں کو اعلان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ اے مشرکو! اگر توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم منہ پھیرو تو پھر یقین کر لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔ مگر وہ مشرکین کہ جن سے تمہارا معاہدہ تھا تو انہوں نے نہ تو تمہارے معاہدے میں کسی قسم کی کمی کی اور نہ ہی تمہارے کسی مقابل کی مدد کی تو تم بھی ان کے ساتھ عہد کی مقررکردہ مدت کو پورا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔

سورۃ توبہ کی ایک سو انتیس آیات ہیں اور یہ سورۃ مدنیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: سورۃ توبہ میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لائی گئی؟

جواب: بسم اللہ شریف میں رحمت کا بیان ہے اور سورۃ توبہ قہر و جلال اور منافقین پر غیظ و غضب اور اُن سے بیزاری کا ذکر ہے اور قاعدہ ہے کہ رحمت و زحمت کو یکجا نہیں لایا جاتا۔

دلیلِ احناف: احناف کہتے ہیں کہ بسم اللہ شریف کسی سورۃ کا جُز نہیں۔ اسی لیے تاویلات نجمیہ میں لکھا کہ سورۃ براۃ یعنی توبہ

ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لائی گئی اور سورۂ نمل کے درمیان میں آئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کا جز اور ایک مستقل آیت ہے لیکن کسی سورۃ کا جزو نہیں ورنہ اگر کسی سورۃ کا جزو ہوتی تو اسے مکرر نہ لایا جاتا البتہ سورۂ نمل کی بسم اللہ شریف اسی سورۃ کا جزو ہے۔

نکتہ ؛ سورتوں کے اوائل میں اسی لیے لائی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ پچھلا مضمون پہلی سورۃ کا تھا۔ اب کا مضمون جو شروع ہو رہا ہے یہ جدید سورۃ کا ہے نیز اس طرف اشارہ ہے کہ ہر سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تاج پہنا کر نازل کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سورۃ کو اوّلاً بسم اللہ شریف سے شروع کیا جاتا ہے سوائے سورۃ توبہ کے کہ اس کے نزول کے ساتھ بسم اللہ شریف کا نزول نہیں ہوا اور سورۂ نمل کے اوّل میں بھی اور اوسط میں بھی بسم اللہ نازل ہوئی اسی لیے اس میں بسم اللہ شریف کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔

شانِ نزول ترجمہ اسباب النزول میں فقیہہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر کے فرمایا کہ معتبر مشایخ نے روایت کو عنعنہ کے طور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچایا وہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ انفال کے خاتمہ کی آیات کا کاتب میں (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں (انفال و توبہ) کے درمیان بسم اللہ شریف مجھ سے نہیں لکھوائی۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی) اسی شان نزول سے تاویلات نجمیہ کی تقریر اور احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ ابن العربی قدس سرہٗ کی بہترین تقریر اور شاندار نکتہ سیدنا محی الدین ابن العربی الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سورۂ توبہ کی بسم اللہ شریف سورۂ نمل کو عنایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو انعام بخشتا ہے اس سے چھیننا اس کی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی اس کی شان کے خلاف ہے کہ شے کو وجود عطا کر کے اُسے معدوم فرمالے۔ جب سورۂ براۃ (توبہ) کی رحمت عدم سے وجود میں آئی ادھر اس کے ساتھ اس میں کفار سے بیزاری کا حکم بھی نازل ہُوا تو رحمت اختصاصیہ کفار کی بیزاری کے ساتھ نہ ٹھہر سکی اس پر رحمت لانے والا فرشتہ حیران تھا کہ اسے کہاں لے جاؤں اس لیے کہ ہر گروہ اپنی اپنی رحمت حاصل کر چکا تھا۔ یہ رحمت کفار سے مخصوص تھی اور وہ اس کے اہل نہیں فرشتے کو اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا کہ یہ رحمت ان جانوروں کو بخش دو جنہوں نے سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا اس لیے کہ یہ رحمت اسے نصیب ہوتی ہے جو اپنے رسول علیہ السلام پر ایمان لائے چونکہ جانور سلیمان علیہ السلام کی قدر و منزلت کو پہچان کر ان پر ایمان لاتے اسی لیے جو انسانوں (کافروں) کا حصۂ رحمت تھا وہ انہیں مل گیا یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی وہ رحمت مخصوص جو مشرکین کے لیے مختص تھی وہ جانوروں کو ملی۔ لیکن رحمت رحمانیہ عامہ ہے وہ کفر و ایمان کو نہیں دیکھتی اسی لیے رحمتِ رحمانیہ کے اظہار کے لیے بسم اللہ کی با کے مقابلہ میں "براۃ" کو با سے شروع کیا گیا تاکہ رحمتِ رحمانیہ کی علامت کا ظہور اور ہر ایک کو معلوم ہو کہ عالم دنیا میں ہر ایک رحمتِ حق کا محتاج ہے اور ہر ایک کو رحمتِ حق

عطا ہوتی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن، البتہ رحمت خاصہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: قرآن پڑھتے وقت اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے خواہ سورۃ کا آغاز ہو یا قرآن کی ابتداء یا درمیان میں۔

مسئلہ: جب شاگرد استاذ کے سامنے قرآن مجید یا کوئی سبق شروع کرے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہ نہ پڑھے۔

مسئلہ: سورۂ فاتحہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح ہر سورۃ کے ابتداء میں سوائے سورۃ توبہ کے۔ امت کا اجماع ہے کہ سورۃ توبہ کے اوّل میں بسم اللہ شریف نہیں پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ: ہر سورۃ کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنے میں اختیار ہے، بسم اللہ شریف پڑھی جائے تو ثواب ہے نہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں سورۃ برأت کی کسی آیت سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا نامناسب ہے اسی طرح اس کے اوّل میں بھی بسم اللہ شریف نہ پڑھی جائے۔ (کذا فی شرح الشاطبیہ للجعبری)

تفسیر عالمانہ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ یہ بیزاری اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو پہنچے گی۔ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ ان کی طرف جن کے ساتھ تم نے اے مسلمانو! معاہدہ کیا مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ؕ یعنی مشرکین سے۔ یہ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے ایسے ہی اِلیٰ بھی انتہاء غایت کے لیے ہے، ان ہر دو کا ایک متعلق ہے اور وہ وَاصِلٌ ہے۔ یہ "ھذا کتاب من فلان الی فلان" کی طرح ہے یعنی ان دونوں مِنْ اور اِلیٰ کا متعلق محذوف ایک ہے ایسے ہی بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ کو سمجھیے یہ من براءۃ کا صلہ نہیں جیسے براءت من فلان میں مِنْ صلہ کا ہے اس میں وہ بات نہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بیزاری کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عصمت منقطع کر لی اور ان کے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ ختم کر لیا۔

فائدہ: برأت کے متعلق کا ذکر اس لیے نہیں کیا جیسے "ان اللہ بری من المشرکین" میں مذکور ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کا ذکر دوسری جگہ آگیا ہے اور اس کے ذکر میں مِنْ کا تکرار لازم آتا ہے وہ بلیغ کلام میں ناموزوں ہے۔ اسی لیے اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا معاہدہ توڑنا ناموزوں ہے اور تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ ختم کر دیا۔

جواب: وہ معاہدہ چونکہ واجب نہیں مباح تھا اسی لیے اسے ختم کر دینے میں کسی قسم کا عیب نہیں جبکہ وہ مشروط بشرط تھا، اور قاعدہ ہے اذا فات الشرط فات المشروط۔

سوال: معاہدہ تو مسلمانوں سے تھا اور بیزاری اللہ تعالیٰ نے کی اس کی کیا وجہ؟

جواب: چونکہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے معاہدہ کیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اسی لیے بیزاری من جانب اللہ ہوئی اور معاہدہ کا مفہوم بھی مسلمان ادا کر سکتے تھے اور بیزاری ان کے بس میں نہیں تھی جیسے اوامر و نواہی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بحیثیت آمر و ناہی کے ہے اور بندوں سے بحیثیت ادائیگی یا ترک کے ہے اسی حیثیت سے بیزاری اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئی اور

معاہدہ اہل ایمان کی طرف۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے مسلمانو! وہ معاہدہ جو تم نے مشرکین سے کیا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بیزار ہیں اس لیے کہ مشرکین سے اپنا معاہدہ خود توڑ لیا۔

فائدہ : وہ عقد جو قسم سے پختہ کیا جاتے اسے عہد سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ مشرکین عرب یعنی اہل مکہ وغیرہ کے ساتھ اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاق سے معاہدہ کیا تھا لیکن مشرکین نے سوائے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار ماہ تک انہیں مہلت دے کر پھر تم بھی اے مسلمانو! معاہدہ توڑ دینا۔ کما قال تعالیٰ فَسِيحُوا پس اے مسلمانو! مشرکین کو کہو کہ چل پھر لو فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ زمین پر چار ماہ تک یعنی اس عرصہ میں تم جنگ و جدال سے مطمئن ہو کر جہاں چاہو آجاؤ تمہیں کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا نہ تمہیں قتل کیا جائے گا اور نہ ہی تمہارے مال لوٹے جائیں گے اور نہ ہی کوئی اور تکلیف دی جائے گی۔

حل لغات : السیح والسیاحۃ۔ زمین پر آرام واطمینان کے ساتھ اپنی مرضی سے چلنا پھرنا جیسے پانی کو زمین پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی مرضی سے اس پر چلتا پھرتا ہے اسے کسی قسم کی کہیں سے رکاوٹ نہیں ہوتی۔ سیح اور سیاحۃ میں ایسی وسعت ہے جو سَیرٌ وغیرہ میں نہیں۔

سوال : جب سَیحٌ اور سِیَاحَۃٌ میں اتنی وسعت ہے تو پھر اسے "فی الارض" کی کیا ضرورت تھی ؟

جواب : یہ صرف تعمیم کے لیے ہے تاکہ کفار و مشرکین کو یقین ہو کر انہیں زمین پر چلنے پھرنے کی ہر طرح کی وسعت ہے انہیں زمین کے کسی خطہ میں جانے کی رکاوٹ نہیں اور نہ ہی انہیں کسی مقام پہ جانے سے خطرہ ہے۔

مسئلہ : اس میں انہیں زمین کی سیر واجب نہیں کی گئی بلکہ انہیں ایسی سیر مباح تھی اور ساتھ ہی انہیں بتایا گیا کہ تم آنے والی جنگ کی خوب تیاری کر لو تمہیں عام اجازت عنایت ہوئی ہے کہ تم آزادی سے اپنا زور پیدا کر لو۔ اس عرصہ میں تمہارے مال واسباب کی حفاظت بھی کی جائے گی۔

فائدہ : ان چار مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں ان سے جنگ کرنا حرام تھا یعنی شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم۔ اس لیے کہ یہ سورۃ شوال ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس لیے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان چار مہینوں میں کفار و مشرکین کو کچھ نہ کہیں، اگرچہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نکتہ : مشرکین کو اس مدت میں اس لیے مہلت دی گئی تاکہ انہیں اس اثناء میں تدبر و تفکر کا موقع میسر آجائے اس کے بعد وہ سمجھیں کہ اس کے بعد انہیں اسلام قبول کرنا ہوگا یا تلوار سے ان کا سر اڑایا جائے گا۔ اور ساتھ ہی انہیں خطرہ محسوس ہوگا کہ اگر ہم اسلام قبول نہ کریں گے تو مارے جائیں گے۔ اس کی اور بھی وجہ تھی وہ یہ کہ اگر اچانک قتل کا حکم ہوتا تو کہتے کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں نے دھوکہ کیا ہے اور ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ ایسے ہی خلاف کیا ہے۔

فائدہ : بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان چار مہینوں سے ذوالحجہ کے بیس دن اور محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر

کے پہلے دن مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سورۃ براۃ کے مطابق اعلان کا حکم دسویں ذوالحجہ کو ہوا۔

شیعہ کا رد

مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ حج حضرت عتاب بن اسید کو مقرر فرمایا اسی سال موسمِ حج میں تمام اہلِ اسلام اور مشرکین کا اجتماع ہوا، پھر ۹ھ میں موسم حج کا امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف روانہ ہوتے تو ان کے پیچھے معاہدہ توڑنے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیج دیا اور انہیں ناقہ عضباء پر سوار کر کے مکہ میں حجاج کے اجتماع میں سورۃ براءت کی آیات پڑھ سنانے کا حکم فرمایا۔ شیعہ کہتے ہیں چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) نااہل تھے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امارت منسوخ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شیعہ کا بہتان ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کی امارت اپنے مقام پہ حق تھی الٹا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں آیات براءت پہنچانے کا حکم ہوا اور اس میں حکمت تھی جسے خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا۔ آپ سے صحابہ کرام نے عرض کی:

لَوْ بَعَثْتَ بِهَا أَبَا بَكْرٍ۔ اگر آپ اس کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجتے۔

ان کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا رَجُلٌ مِّنِّي۔ یہ کام ہمارا قریبی رشتہ دار سرانجام دے گا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب اہلِ عرب کوئی معاہدہ ایک دوسرے سے توڑتے تھے تو ضروری ہوتا تھا کہ اس کا اعلان وہ کرے جو قبیلہ کا سردار یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خصوصی اعلان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ بعد کو کفار و مشرکین یہ نہ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلان اصول کے خلاف تھا۔

مزید توضیح: یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کی آواز سن کر فرمایا یہ آواز تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارکہ کی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت علی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

أَمِيرٌ أَمْ مَأْمُورٌ۔ آپ ہمارے امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور ہو کر تشریف لائے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کی ماتحتی میں کفار و مشرکین کو ایک خاص پیغام پہنچانے آیا ہوں۔

اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اکٹھے اپنے مرکز کی طرف چلے گئے جب ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خصوصی ہدایات دیں۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کے قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اعلان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ اے لوگو! میں تمہارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔

لوگوں نے پوچھا: وہ کیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ توبہ سے اوّل کی تیس یا چالیس آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد فرمایا:

اُمِرْتُ بِاَرْبَعٍ اَنْ لَا يَقْرُبَ الْبَيْتَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَلَا يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا كُلُّ نَفْسٍ مُؤْمِنَةٍ وَاَنْ يُتِمَّ اِلٰى كُلِّ ذِيْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ۔

میں تمہیں چار حکم سناتا ہوں۔ آج کے بعد مشرک بیت اللہ کے قریب نہ جائے اور نہ ہی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا جائے اور بہشت میں اہلِ ایمان داخل ہوگا اور ہر اہلِ معاہدہ کو معاہدہ سپرد کیا جائے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ جس سال (۹ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۂ براءت کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس سال حج ۱۰ ذیقعد کو پڑھا گیا۔ پھر ۱۰ ذوالحجہ کو پڑھا جانے لگا اور معاہدہ کے سال تقدیم اس لیے تھی کہ بنو کنانہ تاخیر کو بُرا سمجھتے تھے چونکہ اعلان میں تمام قوموں کو شامل کرنا مطلوب تھا اسی سال پہلے پڑھا گیا۔

فائدہ: اس تقریر پر چار ماہ ذیقعد کے پہلے دس دن چھوڑ کر ربیع الاول کے پہلے دس دن ملانے تک ہوں گے اور انہی ایام میں کفار و مشرکین کو مہلت دی گئی۔ اسی قول کے بھی بعض مفسرین قائل ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اور یقین کر لو کہ بے شک تم زمین پر چلنے پھرنے اور اس کے جملہ اسباب اپنے قبضہ میں لینے کے باوجود غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اگرچہ مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ۔

فائدہ: ربیع الابرار میں معجزی اللہ بمعنے سابقی اللہ ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قاعدہ: قرآن مجید میں ہر جگہ مُعْجِزُ اللّٰهِ بمعنی سَابِقُ اللّٰهِ ہے۔ بنو کنانہ کی لغت کے مطابق بھی یہی معنیٰ موزوں ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ اور یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ۝ کافروں کو ذلیل کرے گا یعنی دنیا میں قتل اور قید سے اور آخرت میں سخت سزا دے کر۔ اور ظاہر ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو دنیا یا آخرت میں جتنی ذلت و خواری نصیب ہوگی یہی ان کے لیے رسوائی اور عار تھی جسے قرآن مجید نے اِخْزَاءٌ سے تعبیر کیا ہے۔

صوفیانہ فائدہ: امام قشیری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو ایک مخصوص مدت تک اس لیے مہلت دی تاکہ وہ گمراہی سے بچ کر اپنے نیک انجام کے لیے جد و جہد کریں اس سے انہیں وصالِ حق سے وافر حصہ نصیب ہو لیکن ان بدبختوں نے جرائم و معاصی سے کنارہ کشی نہ کی اسی لیے وہ عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اسی مضمون پر ختم کیا کہ اے کافر! اگر تم گناہوں پر اصرار کر رہے ہو تو یقین کر لو کہ تمہارا انجام برباد ہوگا تمہیں مہلت دی گئی تاکہ تم سمجھ جاؤ

لیکن تم نے الٹا سرکشی کی اسی لیے دُنیا میں تمہارا قتل عام کر دیا گیا اور تمہیں ذلّت و خواری کا نشان بنا یا گیا اور تمہارے لیے یہ سودا بہت بڑے گھاٹے ہیں رہا۔ ؎

تَبَدَّلْتَ وَتَبَدَّلْنَا وَاَخْسَرْنَا
مَنِ ابْتَغٰی عِوَضًا لِسَعْیٍ فَلَمْ یَجِدْ

ترجمہ: تم نے تبدیل کیا اور ہم نے بھی تبدیل کیا اور ہم نے گھاٹا دیا ہر اس کو جو اپنی جد و جہد کا عوض طلب کرتا ہے لیکن وُہ محروم رہا۔

مسئلہ: آیت میں حرب و کفران کے با وجود بھی ان کو صلح و ایمان کی دعوت کا اشارہ ہے ظاہر ہے کہ جو شخص کفر یا گناہوں پہ اصرار کرے تو سمجھو وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی مول لے رہا ہے پھر وُہ جتنا توبہ میں تاخیر کرے گا اسی قدر اسے ندامت و ذلت زیادہ ہوگی۔ گویا وہ توبہ و استغفار نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کا اعلان کر رہا ہے اسے سوائے قہر و غضب الٰہی کے اور کیا نصیب ہوگا۔

ابدال بننے کا نسخہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ کسی کو ابدال بننے کا شوق ہو تو اسے چاہیے کہ بچوں کی بعض عادات کو اپنائے اس لیے کہ بچوں میں پانچ عادات ایسی ہیں کہ اگر انہیں بڑے اپنائیں تو وہ ابدال بن جائیں۔ وہ پانچ عادات یہ ہیں:

① بچوں کو روزی کی فکر نہیں ہوتی۔
جناب صائب نے کہا: ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست
زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ: پنجرے میں آب و دانہ کی فکر بے سُود ہے۔ آسمان کے نیچے مجھے روزی کی کوئی فکر نہیں۔

② جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو شکایت نہیں کرتے۔ ؎

حافظ از جور تو حاشا کہ بنالد روزے
کہ ازاں روز کہ دربند توام دلشادم

ترجمہ: حافظ تمہارے ظلم سے فریاد کرے توبہ توبہ اس دن سے کہ میں تیری قید میں ہوں تو خوش ہوں۔

③ طعام اکٹھے کھاتے ہیں: ؎

اگر خواہی کہ یابی ملک و دولت
بخور شاہد بدرویشاں نعمت

ترجمہ: اگر تم چاہو کہ ملک و دولت حاصل ہو تو اے میرے محبوب درویشوں کے ساتھ کھانا کھاؤ۔

④ جب جھگڑتے ہیں تو جلد صلح کر لیتے ہیں۔

سلطان سلیم اوّل نے کہا ؎

خواہی کہ گنجِ عشق کنی لوحِ سینہ را
از دل بشوئے آئینہ شان کرد کینہ را

ترجمہ اگر تو سینہ کو گنجینۂ عشق بنانا چاہتا ہے تو دل سے اولیاءِ کرام کا بغض دھو ڈال

⑤ جب ڈرتے ہیں تو آنسو بہاتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

سوز و مہر و گریہ ابر جہان — چون ہمی دارد جہان را خوش دہان
آفتاب عقل را در سوز دار — چشم را چون ابر اشک افروز دار
چشم گریان بایدت چون طفل خورد — کم خوران نانرا کہ نان آب تو برد

ترجمہ: سوز و مہر و گریہ ابر جہان، جہان کو خوش رکھتا ہے۔ عقل کو سوز میں اور آنکھ کو اشک بہانے میں مصروف رکھ چھوٹے بچے کی طرح چشم گریاں چاہیے تاکہ عزت بحال رہے ۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ مشرکہ وہ ہیں جنہوں نے خواہشاتِ نفسانیہ کو معبود بنا رکھا ہے اور دنیا کے صنم کی پرستش کی، زمانۂ طفولیت سے رُوح اور قلب نے اس کی تربیت کی اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ سنِ بلوغ تک نہ اس سے لڑیں گے اور نہ ہی اس کے خلاف کریں گے نفس نے بھی ان سے معاہدہ کیا کہ جسم کی تکمیل قالب اور قوائے بشریہ (کہ جن سے بار امانت اور ارکانِ شریعت کا بوجھ اٹھایا جاتا ہے) کے مستوی ہونے اور کمال عقل (کہ جس سے قبول دعوت اور دعوتِ اسلام کی اجابت کی جاتی ہے اور رسل کرام اور ان کے معجزات پہچانے جاتے ہیں اور صانع کا وجود ثابت کیا جاتا ہے اور اسی سے یقین کیا جاتا ہے کہ عبادتِ الٰہی واجب ہے تاکہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا ہو سکے) کے ظہور تک قلب و روح کے درپے نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بعد بلوغ ان کے معاہدہ سے بیزار ہے اس لیے کہ نفوس کا قلوب و ارواح کے ساتھ عہد شکنی کا دور بھی ہے کیونکہ قبل بلوغ نفس ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں تصرف کا حق رکھتا تھا تو قالب کی تربیت اور دفع ضرورت کے لیے تھا اور وہ اس وقت قلوب و ارواح کے لیے چنداں ضرر رساں نہیں تھا چونکہ بعد بلوغ ماکولات و مشروبات و ملبوسات کی ضروریات بڑھ گئیں اور وہ بھی محض شہوت و خواہشاتِ نفسانی کی بنا پر اسی لیے اب تربیت کو اور تیز کرنا پڑا۔ جب شہوت بڑھی تو ماکولات و مشروبات و ملبوسات و منکوحات کی آفات سے رُوح و قلب کو مقابلہ کرنا پڑا جوں جوں جوانی چڑھتی گئی مذکورہ بالا

اشیاء کی شہوات کا بھوت سوار ہوتا گیا۔ اس سے قلب اور رُوح کا مرض بڑھتا گیا ان کے علاج کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ حضرات ارواح وقلوب کی امراض کا علاج کرکے انہیں عالم بالا کے لائق بنائیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دفعِ عادات وترکِ شہوات کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ میں اشارہ ہے کہ نفوس ارض بشریہ میں سیر وسیاحت کے لیے آئے ہیں تاکہ اوصافِ اربعہ یعنی نباتیہ، حیوانیہ، شیطانیہ، انسانیہ کی تکمیل ہو اس لیے کہ روح علوی روحانی مفرد اور قالب سفلی مرکب از اربع عناصر کے اجتماع سے اوصاف مذکورہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً صفت نباتیہ پانی سے اور حیوانیہ ریح سے اور شیطانیہ آگ سے اور انسانیہ مٹی سے پیدا ہوتی ہے ان اوصاف کی تکمیل کے لیے نفوس کو دنیا کی چراگاہوں میں ڈالا گیا اور اس کی نعمتوں سے اسے مالامال کیا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے سعادت مند نفوس! تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، یعنی اللہ تعالیٰ تم سے دنیوی مال ومتاع چھین نہیں لے گا اور نہ ہی اخروی انعامات سے تمہیں محروم رکھے گا۔ ہاں اہلِ شقاوت کو غفلات وشہوات کے جنگلوں میں ذلیل وخوار کرے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ اذان بمعنی اِيذَانٌ جیسے عطاء بمعنی اِعْطَاءٌ آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلام (جتلانا) پہنچانے والا ہے إِلَى النَّاسِ تم لوگوں تک یعنی تمام اہل ایمان اور اہل کفر تک انہوں نے وعدہ توڑ دیا ہے یا نہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان (اعلام) عام ہے اور برأت وبیزاری خاص ہے جو صرف عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے۔ اس جملہ کا عطف براءة من الله الخ پر ہے۔ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ منصوب ہے اور اس کا تعلق اسی سے ہے جس سے الی الناس متعلق ہے۔ اس یوم حج اکبر کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) اس سے عید کا دن مراد ہے اس لیے کہ اسی دن ارکان حج تکمیل پذیر ہوتے ہیں مثلاً طواف زیارت وغیرہ بلکہ حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں انجام پاتے ہیں جیسے قربانی اور رمی وغیرہ، اور برأۃ کا اعلان بھی اسی دن ہوا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ دسویں ذوالحج کے دن حجۃ الوداع میں جمرات کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا ھذا یوم الحج الاکبر یہی حج اکبر کا دن ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ: سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ دسویں ذوالحج کے دن اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر جنابہ کے قریب جا رہے تھے تو ایک مرد نے آکر آپ کے خچر کی لگام پکڑ کر حج اکبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: حج اکبر کا دن یہی ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے خچر کی لگام چھوڑ دی۔

(۲) اسی سے نویں ذوالحج کا دن مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: الحج عرفة۔ حج عرفہ کے دن ہوتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے جملہ امور کو عرفہ کے دن سے موقوف فرمایا ہے اور حج کے بہت بڑے امور اسی دن میں ادا کیے جاتے ہیں۔ مثلاً جس شخص نے عرفہ کا دن پا لیا تو اس کا حج ادا ہو گیا۔ جس سے یہ دن فوت ہو گیا تو اس کا

حج ضایع ہوگیا۔

نکتہ: حج کو اکبر سے اس لیے موصوف کیا گیا کہ حج عمرہ کے ساتھ حج اکبر اور عمرہ کے بغیر ہو تو وہ حجِ اصغر کہلاتا ہے۔

نکتہ: چونکہ اسی دن حج کے امور مسلمانوں اور مشرکوں نے متفق ہو کر ادا کیے اور ایسا اجتماع نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ اس دن کے اجتماع کی عظمت تمام اہل ادیان و جملہ اہل ملل پر اثر انداز ہوئی۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ جو حج جمعہ کے دن ادا کیا جاتے وہی حجِ اکبر ہے۔ اس حج کا ستر حجوں کے برابر ثواب ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ یہ دراصل بان اللہ تھا اس لیے کہ اذان کو باء کا صلہ ضروری ہے لیکن اسے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے۔

بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ بے شک اللہ تعالیٰ مشرکین کے اسی معاہدہ سے دست بردار ہے جو انہوں نے توڑا یہاں پر مشرکین سے وہی مشرک مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی وَرَسُوْلُهٗ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ مرفوع ہے اور اس کا بری کی ضمیر مستتر پر عطف ہے یا منصوب ہے۔ اور اس کی واؤ بمعنے مع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشرکین سے بیزار ہیں۔ یا مجرور ہے اور واؤ قسمیہ ہے۔

سوال: بری کا تکرار کیوں؟

جواب: برأت اولیٰ ثبوت برأت کے اظہار کے لیے اور دوسری وجوب اعلام کے اخبار کے لیے ہے جب ان ہر دو سے مقصود علیحدہ علیحدہ ہے تو تکرار نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری برأۃ میں الناس مطلقاً مومن مراد ہوں یا کافر، پہلی میں صرف معاہدہ کرنے والوں کا ذکر ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ پس اگر تم کفر اور دھوکہ دہی سے توبہ کرو فَهُوَ تو وہی توبہ خَیْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے دارین کی بہتری ہے ورنہ اگر کفر اور دھوکہ (دہی) پر قایم رہو گے تو دارین میں نقصان پاؤ گے۔ چنانچہ فرمایا: وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ اور اگر تم توبہ سے روگردانی کرو فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ تو یقین کر لو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے اور نہ ہی اس کی گرفت سے مہلت پا سکو گے یعنی اگر وہ تمہاری گرفت کرنا چاہے تو تمہیں بچنے کا کوئی موقع نہیں ملے گا اور نہ ہی تم اس سے کہیں بھاگ سکو گے یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں بایں معنیٰ کہ اس سے بھاگ جاؤ یا اس سے لڑائی کر سکو۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ اور کافروں کو آخرت کے عذاب کی خوشخبری دو یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور انذار کے بجائے تبشیر لانے سے تہکم مقصود ہے۔

حدیث شریف: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برأت کے اعلان کا حکم ہوا تھا تو میں ان کے ساتھ تھا لوگوں نے پوچھا کہ اس اعلان کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس اعلان کے الفاظ یہ تھے کہ بہشت میں صرف مومن داخل ہوں گے اور مشرکین و کفار آئندہ سال نہ حج کرنے آئیں اور نہ ہی کعبہ معظمہ کے گرد ننگے ہو کر طواف کریں اور جس کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہو ہم اسے چار ماہ تک مہلت دیتے ہیں۔ جب مکمل چار

ماہ گزر جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے معاہدہ سے دست بردار ہوں گے اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ یہ استدراک یعنی نَبَذَ سابق ذکر جس کے لیے چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے) سے استثنا منقطع ہے گویا یوں حکم ہوا کہ اے مسلمانو! عہد شکنوں کو چار ماہ سے زاید ہرگز مہلت نہ دو ہاں جن کافروں اور مشرکوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی نہیں کی ان کے ساتھ عہد شکنوں کی طرح قتل وغارت وغیرہ میں عجلت نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ معاہدہ کے ایام مکمل کرو۔ ثُمَّ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ کفار ومشرکین طویل المدت گزارنے کے باوجود اپنے معاہدہ پر ثابت قدم رہے لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا انہوں نے تمہارے ساتھ جتنی شرائط مقرر کیں اُن سے کسی ایک میں بھی کمی نہیں کی اور نہ ہی عہد توڑا یا يَنْقُصُ متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول اول كُمْ اور مفعول ثانی شَيْئًا ہے یا وہ متعدی بدو مفعول ہے - اس تقریر پر كُمْ اس کا مفعول ہوگا اور شَيْئًا منصوب علی المصدریۃ ہے بمعنے شیئاً من النقصان۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے تمہارے معاہدوں میں کسی قسم کی کمی نہ کی یعنی تمہارے عہد وپیمان کو انہوں نے توڑا نہیں۔

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا انہوں نے تمہارے نقصان پہنچانے کے لیے تمہارے دشمنوں کی مدد نہ کی جیسے بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تو قریش نے بنوبکر کی ہتھیاروں کی مدد کی اور خزاعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ تو تم ان کے معاہدوں کو مکمل کرو۔

سوال : اَتِمُّوْا متعدی بنفسہٖ ہے اسے اِلٰی سے متعدی کیوں کیا گیا ؟

جواب : چونکہ اَتِمُّوْا بمعنی اَدُّوْا ہے اسی لیے اسے اِلٰی سے متعدی کیا گیا ہے یعنی تم اپنے معاہدے مکمل طور ادا کرو اِلٰی مُدَّتِهِمْ ان کی مدت مقررہ تک یعنی جب عہد شکنوں کی چار ماہ کی مدت ختم ہو تو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے ان پر اچانک حملہ نہ کر دو اور نہ ہی ان کے ساتھ عہد شکنوں جیسا معاملہ کرو۔

باوفا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ سے حدیبیہ والے سال بیت اللہ شریف کے ساتھ معاہدہ فرمایا تھا اسی اعلان کے بعد ان کے ساتھ ابھی نو ماہ باقی تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ مکمل طور نبھایا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اس میں معاہدہ پر پابندی کی علت بتائی گئی ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ معاہدہ کی پابندی بھی تقویٰ میں داخل ہے اور اشارہ ہے کہ وفادار اور بے وفا کو برابر سمجھنا تقویٰ کے خلاف ہے جس سے معاہدہ ہو جائے اگرچہ وہ کافر ہو تب بھی اس کے ایفائے عہد میں کمی نہ کی جائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

وفا وعہد نکو باشد ار بیاموزی

وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وفا وعہد اچھا عمل ہے۔ اگر تم سیکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے ورنہ ہر طرح ظلم دیکھو گے۔

متقی کی نشانیاں

حضرت شیخ نصر آبادی نے فرمایا کہ متقی کی چار علامتیں ہیں:
۱۔ حفظ الحدود (حدود شرعیہ کی پابندی)
۲۔ بذل المجہود (حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے راہ پہ مال لٹانا)
۳۔ الوفاء بالعہود (ایفائے عہد یعنی وعدوں کو پورا کرنا)
۴۔ القناعۃ بالموجود (جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا)

کسی شاعر نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے: ؎

متقی را بود چہار نشان — حفظ احکام شرع اول آن
ثانیا آنچہ دسترس باشد — بر فقیراں و بے کساں باشد
عہد را با وفا کند پیوند — ہر چہ باشد بداں شود خرسند

ترجمہ: متقی کی چار نشانیاں ہیں، پہلا احکام شرعیہ کی پابندی، دُوسرا جتنا ہو سکے فقیروں اور بیکسوں پر مال خرچ کرنا، تیسرا ایفائے عہد، چوتھا جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرنا۔

صوفی کا حج اور طواف

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب سالک کو کعبۂ وصال تک رسائی نصیب ہو وہی اس کا حجِ اکبر ہے۔ اور اس کا حجِ اصغر یہ ہے کہ اسے کعبۂ قلب تک پہنچنا اور کعبۂ وصال کی زیارت نصیب ہو جائے۔ یاد رہے کہ اس کعبہ کا طواف صفات ناسوتیہ کے مشرکین پر حرام ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور ان کا ہر وقت ماسوی اللہ کی طرف میلان رہتا ہے۔ اسی لیے حکمِ ربانی ہے ناسوتیہ صفات والے کعبۂ لاہوتیہ کے گرد طواف نہ کریں جب تک کہ انہیں فنائے کلی حاصل نہ ہو اور قاعدہ ہے فنائے کلی جذباتِ الٰہیہ سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف و کرم جب کسی بندہ کے شاملِ حال ہوتا ہے تو اسے "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی" کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، زندگی میں یا مرتے وقت جیسے اس کا مقدر ہو گا ویسے ہی ہو گا اس لیے کہ ہر ایک شے کا حکم اللہ تعالیٰ کے پاس لکھا ہوا ہے مثلاً سحرۂ فرعون کو جب یہ موقعہ نصیب ہوا تو کہہ اٹھے: اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۔ ہم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

سحرۂ فرعون بہشت میں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شبِ معراج مجھے بہشت میں لیجایا گیا تو میں نے رضوان بہشت کو دیکھا کہ اس نے میری زیارت سے مسرت کا اظہار کیا اور مرحبا (خوش آمدید) کہہ کر مجھے بہشت میں لے گیا اور اس نے مجھے بہشت کے عجائبات دکھائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کے لیے جو کچھ تیار فرمایا ان تمام کو میں نے ملاحظہ فرمایا اس میں میں نے اپنے یاروں کے درجات بھی دیکھے اس میں

عجیب وغریب نہریں اور چشمے تھے۔ بہشت سے بہترین نغمہ سُنائی دیا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جو پڑھ رہے ہیں امنّا بربّ العٰلمین۔ رضوان نے عرض کی، یہ سحرۂ فرعون ہیں۔ اس کے بعد ایک اور آواز سُننے میں آئی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے لبّیک اللّٰھم۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ حجاج کی ازواج ہیں۔ پھر تکبیر کی آواز سُنی گئی میں نے پُوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ غازیوں کی آواز ہے۔ پھر تسبیح سُنی گئی میں نے پُوچھا، یہ کون ہیں؟ رضوان نے عرض کی، یہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر میں نے نیک بخت لوگوں کے محلات دیکھے اس کے بعد میں سدرۃ المنتہیٰ پہ پہنچا۔ اور اسے منتہیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ مخلوق کے علوم کا انتہاء یہاں تک ہے۔ یہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ میں نے انھیں کہا، آپ مجھے اکیلا چھوڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا، اے اللہ کے محبوب! اس کے آگے وُہ علاقہ ہے جہاں نہ آپ سے پہلے کوئی گیا ہے نہ آپ کے بعد کوئی جاسکے گا۔ اس کے بعد مجھے میرے رب تعالیٰ نے ندا دی: "ادن منی یاحبیب"۔ اسی آواز کے مَیں قریب ہوتا چلا گیا اور اتنا دُور پہنچا کہ یہ آواز میں نے ہزار بار سُنی یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں واصل ہوا۔ "کما قال اللہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ" میں جب بھی ادن منی سُنتا اُس وقت میری ایک حاجت پُوری ہو جاتی گویا قربِ خاص تک پہنچنے تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزار حاجات پُوری ہُوئیں اس کے بعد میری زبان پر ایک قطرۂ رحمت ڈالا گیا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اس کی برکت یہ ہُوئی کہ:

فعلمت علم الاولین والآخرین ۔ میں نے اوّلین وآخرین کے علوم جان لیے۔

اس کے بعد میرے رب تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسلام آپ کی امت کے دلوں میں اس قطرۂ رحمت سے بھی لذیذ تر بنایا ہے یہاں تک آپ کی امت کے لوگ اسلام کو اپنی جان سے بھی محبوب تر سمجھیں گے اور ان کے لیے کفر کڑوا بنایا ہے یہاں تک کہ انہیں کفر دنیا کی تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوگا۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مضمون میں امت سے امت دعوت مراد ہے یہی وجہ ہے کہ امت مصطفویہ کو اسلام اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا اور کفر تمام چیزوں سے کڑوا محسوس ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایمان کی محبت جذبۂ الٰہیہ اور عنایت ازلیہ سے ہے اسی کی برکت سے مومن پہلے کفر سے پھر معاصی وجرائم سے پھر جہل سے پھر ماسوی اللہ سے۔ بچتا ہے یہاں تک کہ اسے ماسوی اللہ کا خیال دل سے اتر جاتا ہے۔

مبارک باد اے ایمان والو! شکر کرو کہ تمہیں دولتِ ایمان نصیب ہُوئی اور اے عرفان والو! تمہیں مبارک ہو کہ تمہیں معرفت کی وجہ سے ہدایتِ خاصہ عطا ہُوئی اب اٹھو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو کہ اس کریم نے اپنے فضل وکرم سے ایمان وعرفان جیسی گرانقدر نعمت سے تمہیں نوازا اور ساتھ ہی خوشخبری سُنائی کہ ان اللہ یحب المتقین۔ یہ اس کی کریمی ہے کہ محبوب ہو کر کبھی محب ہونے کا اعلان کرتا ہے اور کبھی محبوب ہونے کا۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ
وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ
فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝
كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ انھیں قتل کرو اور گرفتار کرو اور قید کرو اور ان کی ہر گزرگاہ پر ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وُہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو آپ اسے پناہ دے دیں تاکہ وُہ کلام الٰہی سُنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ میں پہنچا دو، اس لیے کہ وہ لاعلم ہیں مشرکین کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے مگر وُہ مشرکین کہ جن کا تمہارے ساتھ مسجد حرام کے نزدیک معاہدہ ہُوا تو وُہ جبتک تمہارے معاہدے پر قایم رہیں تو تم بھی ان کے معاہدے کے لیے قایم رہو بے شک پرہیز گار اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

(فائدہ) یاد رہے کہ مقامِ محبوبیت اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس سے اور کوئی اعلیٰ مقام ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حبیب اللہ نہ کہا جاتا۔

سبق: عقلمند وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی زندگی اسی مشغلہ میں صرف ہوتی ہے۔ اور جوانمرد وُہ ہے جو اس راہ میں اسے جتنی مشکلات اور موانع درپیش ہوتے ہیں وُہ اپنی لگن میں لگا تار رہتا ہے سرِمو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہے بھی اسی میں کامیابی کہ جو منزلِ مقصود کے لیے آگے بڑھتا ہے وُہ سعادت مند ہے اور جو بزدل ہو کر پیچھے ہٹتا ہے وُہ بدبخت ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وُہ ہمیں اپنا پسندیدہ راستہ عطا فرمائے اور ہماری غلطیوں سے درگزر فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

فَاِذَا انْسَلَخَ پس جبکہ ختم ہو جائیں۔ انسلاخ جانور کی کھال اتارنے کو کہا جاتا ہے استعارۃً بمعنے انقضاء ہے۔ الاشھر الحرام جنگ سے حرام کردہ مہینے یعنی وہ مدت ایسے گزر جائے یعنے مکمل ہو جائے جیسے بکری وغیرہ سے کھال اتار لی جاتی ہے، جیسے کھال کا پردہ اُٹھنے پر گوشت وغیرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے، ایسے ہی جب یہ ماہ ختم

ہو جائیں گے تو کفار و مشرکین سے کھل کر جنگ و جدال کا موقعہ میسر آ جائے گا۔

قاعدہ: علمِ ہیئت کا قاعدہ ہے کہ زمان زمانیات کو ایسے محیط ہے جیسے جانور کے جسم کو کھال احاطہ کیے ہوئے ہے اسی طرح اس کا ہر جزا اپنے مشتملہ پر مثلاً یوم اپنے مقررہ لمحات کو اور مہینہ اپنے ایام کو اور سال اپنے مہینوں کو وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب مقررشدہ لمحات ختم ہوں گے تو گویا اس معین زمانہ کی کھال اُتر گئی۔

فائدہ: حُرُم حرام کی جمع ہے بمعنے حرام کردہ شدہ چونکہ ان مہینوں میں کفار سے جنگ و جدال وغیرہ حرام تھی اسی لیے انہیں حرام کہا گیا۔ وہ چار ماہ شوال، ذیقعد، ذوالحجہ، محرم تھے۔ کفارِ مکہ کو کھلی چھٹی دی گئی تھی کہ وہ زمین پر جہاں چاہیں جائیں صرف سال میں چار ماہ جنگ نہ کریں پہلے زمانہ میں ان کے لیے رجب، ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم میں جنگ نہ کرنے کا حکم تھا اور وہ اس کے پابند تھے۔ لیکن اس موقعہ مذکورہ بالا چار ماہ مقرر ہوئے جو ان کے لیے من وجہ مفید تھے کہ مسلسل انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ مل گیا، اور دوسری صورت میں ان کے نیلے مہینوں میں خلاء پیدا ہو جاتا کہ کہاں رجب اور کہاں ذیلقعد، ذوالحجہ، محرم۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ پس ان مشرکین سے ہمیشہ ابدالآباد جنگ جاری رکھو جو معاہدہ کو توڑ چکے ہیں۔

قاعدہ: یہ آیتِ قرآن مجید ان تمام آیات کی ناسخ ہے جن میں کفار سے جنگ نہ کرنے یا اُن سے نرمی کرنے یا ان کی ایذاء پر صبر کا حکم ہے۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں انہیں پاؤ حرم شریف میں یا اس سے باہر وَخُذُوْهُمْ اور انہیں پکڑو یعنی انھیں قیدی بناؤ۔ اخذ بمعنی قید کرنا آتا ہے اسی لیے اخیذ کو اسیر کہا جاتا ہے۔ وَاحْصُرُوْهُمْ اور انھیں بند رکھو حصر بمعنی منع۔ یہاں حصر بمعنے قید کرنا ہے یا کفار کو شہروں سے چلنے پھرنے اور انہیں کاروبار سے یا انہیں مسجد حرام سے روکنا مراد ہے وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ج اور ان کی گزرگاہوں پر بیٹھ جاؤ یعنے سفروں کے لیے جن راستوں سے گزرتے ہیں تم ان کی ناکہ بندی کر دو تاکہ وہاں سے گزریں تو ان کی گردن اڑا دو۔ "کل مرصد" اقعدوا کے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ان کی گزرگاہوں پر پہرہ بٹھا دو، یعنی جہاں سے وہ گزریں انہیں فوراً قتل کر دو۔

فائدہ: اس سے کفار کو تنگ کرنا اور انہیں ذلیل وخوار کرنا مطلوب ہے اس سے واقعدوا کا اصلی معنی مراد نہیں۔

فائدہ: کاشفی نے کہا کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو انہیں ان کے گھروں میں بند کر دو تاکہ وہ یہاں سے نکل کر دوسرے شہروں کو نہ چلے جائیں۔

فَاِنْ تَابُوْا پس اگر وہ قتل وغارت اور قید و بند کی صعوبتوں سے خطرہ کھا کر شرک سے تائب ہو کر ایمان لائیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اپنی توبہ کو پختہ کرنے کے لیے سچے دل سے نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

سوال: صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا ذکر کیوں حالانکہ ایمان پر دلالت کرنے کے لیے اور عبادات بھی ہیں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟
جواب: یہ دونوں عبادات رئیس العبادات البدنیہ والمالیۃ کہلاتی ہیں ان کے ذکر سے ضمناً دوسری عبادات بھی مذکور ہوگئیں۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ط تو ان کے راستے چھوڑ دو یعنی اس کے بعد انہیں اپنے حال پہ چھوڑ دو۔ ان کے امور مذکورہ بالا کے درپے نہ ہو۔

مسئلہ: قاضی نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تارکِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کا وہی حشر کیا جائے جو مذکورہ بالا مشرکین سے کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تین دن تک نماز نہ پڑھے وہ قتل کا مستحق ہے۔

مسئلہ: فقہا فرماتے ہیں جس کافر کو اسلام کے لیے مجبور کیا جائے اور وہ مجبوراً کلمۂ اسلام پڑھ لے اسے مسلمان سمجھا جائے گا اگر اس کے بعد وہ کفر کا اظہار کرے تب بھی اسے قتل نہ کیا جائے، ہاں اسے اسلام پہ مجبور کیا جا سکتا ہے (کذا فی ہدیۃ المہدیین للمولی اخی چلپی)

مسئلہ: کافر اسلام کا تو اقرار نہیں کرتا لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا ہے تو اسے بھی قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگرچہ اسلام کا اقرار کرتا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہیں پڑھتا بلکہ اکیلا پڑھتا ہے تو اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ اگرچہ ایسا کافر روزہ رکھتا اور حج ادا کرتا اور زکوٰۃ دیتا ہے تو بمطابق ظاہر الروایۃ اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایسا شخص اگر حج اسی طریقہ سے ادا کرتا ہے جیسے ہمارے مسلمان حج پڑھتے اور تلبیہ و دیگر مناسک ادا کرتے ہیں، تو اسے مسلمان کہا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہ کافروں کے راستہ چھوڑنے کی علت ہے یعنی ان کا راستہ اس لیے چھوڑنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کا کفر اور ان کے سابقہ معاصی و جرائم بخش دیے ہیں، اس لیے کہ ایمان سابقہ غلطیاں معاف کر دیتا ہے جیسے حج سے سابقہ معاصی و جرائم بخشے جاتے ہیں۔ پھر ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی نیکیوں اور طاعت پر اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔

جہاد کی اقسام

آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا ہے اور جہاد کی چار قسمیں ہیں:
۱۔ جہاد الاولیاء (قلب کو اچھے اخلاق سے سنوارنا)
۲۔ جہاد الزہاد (نفس کا تزکیہ از اوصافِ رذیلہ)
۳۔ جہاد العلماء (اظہارِ حق بالخصوص ظالم بادشاہ اور ظالم حاکم کے سامنے)
۴۔ جہاد الغزاۃ (روح کو اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنا) ؎

بہر روز مرگ این دم مردہ باش   تا شوی با عشق سرمد خواجہ تاش

ترجمہ: ہر دن اسی دم کی موت کا مردہ ہو۔ تاکہ تو عشقِ دائمی کا غلام ہو۔

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر   بہ کہ شان زندگان جائے دگر

ترجمہ : اے محبوب ذبح کیا ہُوا اور مُردہ ہونا تیرے آگے بہتر ہے، دوسروں کے سامنے زندہ ہُونے سے۔

فائدہ : قتل نفس دو قسم ہے (۱) کافروں کو تلوار سے قتل کیا جاتا ہے لیکن بے فرمان نفوس کا قتل یہ ہے کہ اسے خواہش سے روکا جائے اور انہیں ان کی طبیعت کے خلاف پر مجبور کیا جائے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا : نفس کی خواہشات کے خلاف عمل کرنا بہترین جہاد ہے۔

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اپنی خواہش اور اپنی عورت کے مشورے کے خلاف عمل کرنا، پھر دنیا میں جس طرح زندگی بسر کرنا چاہو، گزارو۔

ف : حیث وجد تموھم میں نفس کو طاعت الٰہی میں قتل کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نفس کے قتل کرنے کا یہی معنیٰ ہے کہ نفس کو طاعت میں لگا دیا جائے اور حظام سے مراد یہ ہے کہ اسے اس کی راہوں سے ہٹانا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے :

و راعها و هي في الاعمال سائمة

وان هي استحبت المرعى فلا تسم

ترجمہ : نفس کو بچاتیے یہ اعمال کا خوگر ہے اسے جونہی آزاد چھوڑ دو گے نقصان کرے گا۔

یعنی نفس کو اعمال میں مشغول رکھیے ورنہ ریا و عُجب و غفلت و گمراہی میں لگ کر اپنے کمال کا نقصان کرے گا، یعنی اگرچہ یہ بعض نیکیوں کی عادت کرے اور ان سے اسے پیار ہو جائے تب بھی اس سے خطرے میں رہو بلکہ جہاں تک ہو سکے اس سے سخت ترین اعمال کی مشقت کرائے اس لیے کہ عبادت نفس کی عادت کے خلاف کرنے کا نام ہے اگر توبہ کریں اور راجع الی اللہ ہوں یعنی جب نفوس طلب حق میں خواہشات نفسانیہ سے باز آجائیں اور نماز قائم کریں یعنی عبودیت اور توجہ الی الحق پر مداومت کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یعنی نفوس سے اوصاف ذمیمہ دُور کریں۔ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ تو ان کے راستے چھوڑ دو۔ یعنی ریاضات و مجاہدات کے شدائد و تکالیف سے ان کا راستہ چھوڑ دو تاکہ وہ حقیقت کے پہنچنے کے بعد شریعت پر عمل کریں اس لیے کہ بندے کا منتہیٰ یہ ہے کہ وُہ نہایت سے ہدایت کی طرف لوٹے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق : صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ سالک اگرچہ غایت مراتب و نہایت مطالب تک پہنچ جائے تب بھی اطلاق کے باوجود شریعت کی بندشوں میں مقید اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے اگر معمولی طور شریعت کی رسّی اپنے گلے سے ہٹائیگا تو حق کے دروازہ سے ہٹایا جائے گا اور ملحد اور بے ادب جیسے القاب دے کر اسے رب الارباب کے قرب سے محروم کر دیا جائیگا

شریعت ہر بلندی مسالک اور ہر منتہی واصل کی کسوٹی ہے اسی سے سچے اور جھوٹے سالک و واصل کی پہچان ہوتی ہے۔ اور کتب کلامیہ میں ہے کہ ہر عاقل و بالغ انسان پر نماز فرض ہے اوامر ونواہی کے خطابات وارادہ عام ہیں ان سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر مجتہدین وائمۂ دین کا اجماع ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری عبودیت شریعت کی قید میں مقید ہیں اور تیری ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ احد مرفوع ہے اس فعل سے جو اس کے بعد اس کی تفسیر کرتا ہے اور یہ مرفوع بالابتداء نہیں اس لیے کہ اِن فعل کے عوامل سے ہے مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ان مشرکین میں سے جن کے لیے ہم نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسْتَجَارَكَ اور اگر آپ سے مشرکین میں سے کوئی ایک ان چار ماہ مذکورہ بالا کے ختم ہونے کے بعد آپ سے امان اور پناہ طلب کرے فَاَجِرْهُ پس اسے پناہ اور امن دیجیے اور اس کے قتل کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ حَتّٰى يَسْمَعَ یہاں تک، سُنے كَلٰمَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مجید تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس کے لیے کون سے امور مفید اور کون سے نقصان دہ ہیں یعنی جب قرآن مجید سُنیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ کن اعمال سے ثواب نصیب ہوتا ہے اور کن اعمال سے سزا۔

مسئلہ: امام اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصلی کلام قدیم سننا واجب ہے لیکن امام ماتریدی نے قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کلام قدیم کو سننا چونکہ بندے کے امکان میں نہیں اسی لیے بجائے اصلی قدیم کلام سننے کے وہ کلام سننا ضروری ہے جو اس کلام قدیم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے سمعت علم فلان۔ اس سے یہ کسی نے نہیں کیا کہ علم سنا گیا ہے اس لیے کہ اس کا سننا ناممکن ہے البتہ وہ شے سنی جاتی ہے جو علم پر دلالت کرے جیسے کہا جاتا ہے انظر الی قدرتہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کوئی نہیں دیکھتا بلکہ ایسے امور کو دیکھا جاتا ہے جو قدرت پر رکھتا ہے مزید تفصیل علم کلام میں دیکھیے۔

ثُمَّ اَبْلِغْهُ جب کافر قرآن سن کر ایمان نہ لائے تو اسے پہنچایئے۔ مَاْمَنَهٗ ط یعنی اس کے اس مسکن پر پہنچایئے جو اس کی جائے پناہ ہے اس سے اس کی قوم کی آبادی مراد ہے یعنی کافر کو امان دینے کے بعد جب وہ اپنی قوم میں پہنچ جائے پھر اس سے جنگ کر سکتے ہو ذٰلِكَ یعنی کافر مشرک کو پناہ دینا اور انہیں اپنی جائے پناہ پر پہنچانا بِاَنَّهُمْ اس سبب سے ہے کہ بیشک وہ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○ ایسی قوم ہے کہ نہیں جانتی اسلام اور اس کی حقیقت کو ہے یا اس لیے کہ وہ جاہل لوگ ہیں اسی لیے انہیں امان دینا ضروری ہے یہاں تک کہ وہ سمجھ جائیں اس کے بعد ان کی معذرت غیر قابل قبول ہوگی۔

مسئلہ: اسی قاعدہ پر فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ حربی کافر اگر دار الحرب میں اسلام قبول کرلے لیکن اسے وہاں پر احکامِ شرعیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ نہیں سیکھ سکا پھر دار الاسلام میں داخل ہو تو اس پر گزشتہ احکام کے روزے اور نماز کی قضاء نہیں

لیکن اگر کوئی کافر دارالاسلام میں مسلمان ہوا اور اس نے احکام شرعیہ نہیں سیکھے تو اس پر ان کی قضاء ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار احکام شرعیہ نہیں جانتے ایسے ہی نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کو جانتی ہیں اور نہ اس کے الطاف کو اسی وجہ سے نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں البتہ نفس اور اس کی صفات دنیا اور اس کے شہوات کو خوب جانتی ہیں اسی لیے انہیں ان کی بہت بڑی رغبت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ اپنے میں وہ طاعت و عبادت کی رغبت پیدا کریں۔

حکایت بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک نوجوان بیس سال تک عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا اس کے بعد بیس سال برائی کا مرتکب ہوا، ایک دن اپنا چہرہ شیشے میں دیکھا تو اسے داڑھی کے بال سفید نظر آئے اس سے شرمندہ ہو کر بارگاہِ حق میں عرض کی، اے الٰہ العلمین! میں نے بیس سال عبادت کر کے پھر بیس سال گناہوں میں مبتلا رہا، اب گناہوں سے میرا جی بھر گیا ہے اب میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟ غیب سے ندا آئی کہ اے میرے بندے! جب تک تو میرا رہا تو میں بھی تیرے ساتھ محبت کرتا رہا، جب تو نے مجھے چھوڑا تو میں نے بھی تجھے چھوڑے رکھا، اب اگر تو میرا بننا چاہتا ہے تو میں پہلے سے تیار ہوں۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ جوانی میں توبہ و استغفار کرے اس لیے کہ جوانی میں ہی غلطیوں کے اسباب پورے زوروں پر ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں برائی کے اسباب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اسی لیے بڑھاپے کی توبہ سے جوانی کی توبہ افضل و اعلیٰ ہے۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قحبۂ پیر از نابکاری چہ کند توبہ نکنند۔

بوڑھی کنجری کو بڑھاپے میں توبہ کرنے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں)
اس لیے کہ اسے اب زنا کی خواہش کا سبب نہیں رہا اسے اچانک موت گھیر لے گی۔

نیز فرمایا:

شحنۂ معزول از مردم آزاری۔

(کوتوال معزول مردم آزاری چھوڑے تو کیا فائدہ، اس لیے کہ اس کے پاس اب عہدۂ حکومت نہیں رہا) ؎

جوان گوشہ نشین شیر مرد راہ خداست
کہ پیر خود نتواند ز گوشہ برخاست

ترجمہ: جوان ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرے وہی شیر اور مرد راہ خدا ہے اس لیے کہ بوڑھا تو خود اپنے بڑھاپے سے مجبور ہے۔

؎

شیخ کبیر لہ ذنوب تعجز عن حملہا المطایا

قد بیضت شعرة اللیالی　　　وسودت قلبه الخطایا

ترجمہ: وہ بوڑھا کہ جس کے گناہ سواریوں کے اٹھانے کے نہیں ایسے نالائق کی راتیں گناہوں کی سیاہی میں گزریں اسی وجہ سے اس کا دل بھی سیاہ ہے۔

سبق: افسوس اس غافل پر ہے جس پر سالوں کے سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن وہ گناہوں کے دریا میں غرق ہے۔ اس بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور دیگر عبرتوں کو دیکھ کر سوچے کہ اس پر سال گزرتے چلے جارہے ہیں لیکن پھر بھی غفلت کے نشے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کی آیات اور سورتیں سننے کے بعد ان سے نفع حاصل کرنا چاہیے اور بہت بڑے بڑے امور دیکھ کر بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن اس بدقسمت کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے جس کی ازل سے قسمت میں کیڑے ہیں ایسے شخص کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ دل کا اندھا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور قسمت میں نہ لکھے تو اسے کون نور بخش سکتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے خطاب سے لذت پاتے ہیں اور تیری درگاہ کے قرب کی استعداد رکھتے ہیں اور تیری معرفت کی صفات سے موصوف ہیں اور تیری ذات کے اسرار تک پہنچے ہوئے ہیں۔

كَيْفَ یہ محلاً منصوب ہے اور اسے حال اور ظرف سے مشابہت ہے اور یہ استفہام انکاری ہے انکار واقعی کے معنے میں نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیف تکفرون باللہ۔ بلکہ انکار الوقوع کے لیے ہے۔ يَكُونُ یہ تامہ ہے لِلْمُشْرِكِيْنَ اس سے وہ مشرکین مراد ہیں جنہوں نے عہد شکنی کی یعنی اب وہ عہد شکن مشرک کس حال میں ہیں عَهْدٌ وہ معاہدہ جو تیار ہے عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ہاں یعنی وہ اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے معاہدہ کی رعایت کی جائے یا ان کی کوئی مدت مقرر ہو کہ اس مدت تک انہیں کچھ نہ کہا جائے یعنی نہ انہیں قتل کیا جائے اور نہ انہیں قید کیا جائے صرف اس لیے کہ ان سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے حالانکہ ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں فلہذا اب انہیں قتل کرنے یا قید کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اس نفی سے استدراک ہے جو استفہام کے معنے سے سمجھا جاتا ہے جو تمام معاہدہ کرنے والوں کو شامل ہے یعنی عہد شکن مشرکوں کو بیشک قتل یا قید کرو مگر ان مشرکوں کو کچھ نہ کہو عَاهَدْتُّمْ جن سے تم نے معاہدہ کیا اس سے بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے لوگ مراد ہیں عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام کے قریب، اس سے غزوہ حدیبیہ مراد ہے جو کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے اور مسجد حرام کے قریب کا معاہدہ بتانا ہے کہ ان کے درپے آزار ہونا اچھا نہیں اور یہ محلاً مرفوع علی الابتدا ہے اس کی خبر فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط فا میں اشارہ ہے کہ یہ مبتدا متضمن بمعنے الشرط ہے اور ما مصدریہ اور منصوبۃ المحل علی الظرفیۃ بتقدیر المضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ جتنی مدت تک وہ تمہارے ساتھ ایفائے عہد میں درست رہیں تم بھی ان کے ساتھ اسی طرح درست رہو یعنی جب تک وہ عہد شکنی نہ کریں تم بھی ان کے ساتھ اپنے معاہدہ پر مضبوط رہو۔ یا ما مرفوعہ علی الابتدا ہے اور اس کا عائد محذوف ہے یعنی جتنا عرصہ تک ان کا معاہدہ صحیح ہو تم بھی اتنا عرصہ تک ان کے ساتھ صحیح رہو اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ بیشک اللہ تعالیٰ متقین سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ
تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ
قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ
فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾

ترجمہ : بھلا وہ کیسے اپنے معاہدہ پر قایم رہ سکتے ہیں حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے اگر وہ تم پر قابو پالیں تو نہ قرابت
کا لحاظ کریں گے اور نہ ہی معاہدہ کا صرف زبانی طور تمہیں خوش کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں زیادہ
فاسق ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے قلیل دام خریدے اور اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے سے لوگوں کو
روکا بیشک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ اہل ایمان کے متعلق قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ
معاہدے کا اور یہی لوگ بہت زیادتی کر رہے ہیں پس اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے
دینی بھائی ہیں اور اہل علم کے لیے آیات مفصل طور پر بیان کرتے ہیں اور وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ
ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع کریں تو کفر کے سربراہوں سے جنگ کرو بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں ہیں اور
ان سے جنگ اس ارادہ پر کرو کہ ممکن ہے شاید باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی
قسمیں توڑیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ یہ پہل ان سے ہوئی کیا تم ان سے
ڈرتے ہو، تو اللہ تعالیٰ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ایماندار ہو تم ان سے جنگ کرو تو اللہ تعالیٰ انہیں
تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رُسوا کرے گا اور ان پر تمہیں مدد دے گا اور اہل ایمان کے
دلوں کو شفا دے گا یعنی کفار کی ذلت سے ان کا جی ٹھنڈا ہوگا اور اُن کے دلوں کا غصہ دُور کرے گا اور اللہ تعالیٰ
جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکمت والا ہے۔

محبت کرتا ہے متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاہدہ نہیں توڑتے اور اس میں امر استقامت کی علت بتائی گئی ہے اور
(باقی برصفحہ آئندہ)

ساتھ ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایفائے عہد بھی تقویٰ کے لوازم سے ہے۔

حدیث شریف : قیامت میں ہر دھوکہ باز کا ایک جھنڈا ہو گا جس سے اس کے دھوکہ کی مقدار کا پتہ چلے گا۔

ف : شرح الشہاب میں ہے کہ لواء (جھنڈا) سے اس کی تشہیر مراد ہے یعنی قیامت میں دھوکہ بازی کی مقدار پر دھوکہ باز کو رسوا کیا جائے گا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

سوئے لطف بے وفایان ہین ہین مرو ۔۔۔ کان پل ویران بود نیکو شنو

نقض میثاق و عہود از احمقیست ۔۔۔ حفظ ایمان وفا کار تقیست

ترجمہ : بے وفاؤں کی جانب ہرگز ہرگز نہ جاؤ اس لیے کہ ایسے لوگ پرانی پل کی طرح ہیں میثاق کا نقض احمقی ہے ایمان و وفا کی حفاظت متقی لوگوں کا شیوہ ہے۔

تفسیر عالمانہ كَيْفَ مشرکین کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معاہدہ کی رعایت کس طرح ہو۔ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ حالانکہ وہ تمہارے اوپر دشمن کے حملہ کے وقت دشمن کی مدد کرتے ہو لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ وہ تمہارے معاملہ میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے۔

حل لغات : الرقوب بمعنے النظر بطریق الحفظ والرعایۃ۔ کسی شے پر رعایت کے طور نظر رکھنا، اسی سے الرقیب ہے اب مطلق رعایت کے معنے میں ہے۔

اِلًّا بمعنے حلف اور قرابت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اِلٌّ عبرانی لفظ ہے بمعنے اَلْاِلٰہ۔

ف : ازہری نے لکھا کہ ایل عبرانی میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم ہے اس معنی پر ممکن ہے کہ اِلّ اسی کا معرب ہو۔ معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔

وَّلَا ذِمَّةً اور نہ اس عہد اور حق کی رعایت کرتے ہیں جو ان کے ذمہ لازمی اور ضروری ہے یعنی رعایت اس وقت ضروری ہے جب دوسرا بھی حقوق کی رعایت کرے، جب وہ حقوق کی رعایت نہیں کرتے تو تم بھی ان کے حقوق کی رعایت نہ کرو يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی کرتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور گویا سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ مانا کہ وہ قسمیں کھا کر پھر جاتے ہیں یا رشتہ داری کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ وہ ہر قسم کے حقوق کی رعایت نہیں کرتے اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ صرف باتوں سے تمہیں راضی رکھنے کے دعادی کرتے ہیں ورنہ اندرونی طور تمہارے لیے چاہتے ہیں کہ تم مٹ کر فنا ہو جاؤ اس میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے کسی طریق سے بھی خیر خواہ نہیں خواہ وہ منہ سے کتنا اونچے اور بلند دعوے کریں اس لیے کہ ان کے قلوب مسلمانوں کی ترقی سے جلتے ہیں وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل انکار کرتے ہیں ان باتوں سے جو وہ زبان سے کہتے ہیں یعنی ان کی زبانیں ان کے دلوں کے موافق نہیں بلکہ ان کے سینے تمہارے کینوں سے بھرپور ہیں جو کچھ زبان سے تمہاری محبت

والفت کا دم بھرتے ہیں اور اس پر جو قسمیں کھاتے ہیں وُہ ان کا نرا جھوٹ ہے اس لیے کہ ان کی یہ تمام گفتگو مبنی برمکر و فریب ہے۔

حدیث شریف ۱: مکر و فریب جہنم میں ہوں گے، مکر و فریب کے مرتکب جہنم میں جائیں گے۔

حدیث شریف ۲: جھوٹی قسم علاقہ کو برباد کر دیتی ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے یہ بلقعۃ کی جمع ہے بمعنے وُہ ویران زمین جو ہر قسم کی آبادی سے محروم ہو اسی لیے اس عورت کو بلقعۃ کہا جاتا ہے جو ہر بھلائی سے خالی ہو۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوا کہ جھوٹی قسم کھانیوالا فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے گا، اس کا مال و اسباب چھن جائے گا اور وُہ ہر طرح کی عزت و احترام سے محروم ہو جائے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو جھوٹی قسم سے پرہیز کرے۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر قسم کھانے کی عادت نہ بنائے اس لیے کہ بہت سے واقعات ایسے گزرے ہیں کہ جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔

مسئلہ: جو شخص تجارت میں جھوٹی قسم کھا کر مال جمع کرتا ہے اس کا ایسا مال خنزیر سے بھی زیادہ حرام ہے۔

وَاَكْثَرُهُمْ اور اکثر مشرکین فٰسِقُوْنَ ۝ فاسق ہیں یعنی طاعت الٰہی سے خارج ہیں وہ اس لیے کہ حقوق عہد کی رعایت بھی طاعتِ الٰہی میں داخل ہے اور ایسے لوگ کفر میں بہت بڑے متمرد ہیں نہ ان کا کوئی عقیدہ صحیح ہے جو انہیں کفر سے روکے اور نہ ان کے ہاں کوئی انسانی مروت ہے کہ جس سے وہ بُرائی سے بچ سکیں۔

فائدہ: اکثر کی قید میں اشارہ ہے کہ مشرکین میں بعض ایسے بھی ہیں جو دھوکہ اور فریب سے نفرت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی برائیوں کے بیان کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

فائدہ: اُحْدُوْثَۃُ السُّوْءِ بمعنے مایتحدث الناس فی حقه من المثالب والمعائب، کسی کے معائب و نقائص اقراء کرکے لوگوں میں پھیلانا۔

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض کافروں کی احسن مروت اور نیک اخوت کا تذکرہ میرے پیر و مرشد کی خدمت میں ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سعادت ازلی کسی نہ کسی وقت ضرور نمودار ہو گی بلکہ ایسے لوگوں کے لیے نیک انجام اور حسن خاتمہ کی امید رکھنی چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے:

من ندیدم در جہان جست و جو — ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو

در پے خوباش و باخوش خوش نشین — چون ندیدی روغن گل را بہ بین

پس بدانکہ صورت خوب نکو — باخصال بد پذیرد یک طسو

ور بود صورت حقیر و ناپذیر — چونکہ خلقش نیک شد در پاش میر

ترجمہ: میں نے جہان میں اچھی خصلت سے کوئی شے اچھی نہیں دیکھی۔ اچھی خصلت کی تلاش کر کے اچھے لوگوں کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھو جب تمہارے ہاں عطر نہ ہو تو گلاب کے پھول کو دیکھ اچھی صورت کو دیکھ کر خوشی نصیب ہوتی ہے اور قبیح شکل سے طبع منقبض ہوتی ہے۔ البتہ اچھی خصلت سے قبیح صورت بھی بہتر ہوتی ہے اگر بُری عادت ہو تو اچھی صورت بھی خراب نظر آتی ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق کی ایک جامع تقریر

حضور پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک جامع اور بہتر تقریر فرمائی جسے محاسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے معاذ! میں تمہیں تقویٰ اور سچ بولنے اور ایفائے عہد اور ادائے امانت و ترکِ خیانت و حقوق ہمسایگی کی پاسداری اور یتیم پروری اور نرم گفتگو اور السلام علیکم کہنے کی عادت اور نیک عمل اور دنیوی امور کی آرزوؤں سے نفرت اور التزام علی الاعلان اور قرآن فہمی اور محبِ آخرت اور دنیا کے حساب کے خوف اور تواضع و انکسار اور اہلِ حکمت کا گالی سے بچنے اور سچے کی تکذیب سے احتراز اور امام عادل کی نافرمانی اور بُرے انسان کی فرمانبرداری اور زمین پر فساد پھیلانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں بلکہ مزید تاکید کرتا ہوں کہ تم ہر حجر و شجر اور ہر آباد و ویران مقام پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور ہر گناہ سے توبہ کرنا اگر پوشیدہ گناہ ہے تو پوشیدہ ہو کر اگر کھلم کھلا گناہ کیا ہے تو واضح طور توبہ کا اظہار کرنا ایسے اخلاق کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے اور ایسے مکارم اخلاق و محاسن آداب کی دعوت دی ہے۔ (کذا فی العوارف)

فائدہ صوفیانہ: نفس کی تخلیق سفلیات سے ہوئی اور اس کی شہوات اور ان کی لذات اور جفاء و غدر اور ریاء و نفاق کی طرف میلان رکھنا اس کی فطرت ہے اللہ تعالیٰ نے نفس سے روزِ میثاق میں صدق و اخلاص کا وعدہ لیا لیکن یہ بدبخت جب تک صفات ذمیمہ کے ساتھ زندہ ہے تو عبودیت خالصہ کے قریب نہیں بھٹکتا ہے اگر اسے مجبور کیا جائے تو اس میں مقاصد اخرویہ و دنیویہ کی ملاوٹ کر دیتا ہے نفس کے صفات ذمیمہ اس وقت مٹتے ہیں جب صفات وجمال کی تجلیات کے انوار کا عکس قلب پر پڑنے اس وقت نفس میں انوار خالقیہ پڑتے ہیں پھر جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو قول ثابت پر ثابت قدم رہتا ہے اور مرنے کے بعد اسے ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور میثاق کے عہد پر بھی ایفاء کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ المسجد الحرام میں مقام وصول کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ مقام اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت پر حرام ہے کیونکہ یہ مقام صرف اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ مقام صرف انہی سے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اسی مقام مکین کے وصول اور اسی حرم امین کے دخول کا سوال کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے فرمایا: ؎

الزم الصدق و التقی   و اترک العجب و الریاء

و اغلب النفس و الھویٰ   ترزق المسئول و المنیٰ

ترجمہ: صداقت اور تقویٰ کا التزام کرو اور عُجب وریاء کو ترک کردو اور نفس و ہویٰ پر غلبہ حاصل کرو پھر جو چاہو پاؤ۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور عہود و حقوق کی حفاظت کرے اور فسوق و عقوق سے کنارہ کشی کرے۔

حکایت حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ عزم بالجزم کر لیا کہ صرف حلال رزق کھاؤں گا اسی خیال پر جنگل میں چل دیے، فرمایا جب مجھے بھوک نے ستایا تو جنگل میں ایک انجیر کے درخت سے میوہ توڑنے کا ارادہ کیا تو درخت سے آواز آئی کہ آپ نے قصد کیا ہے کہ غیر کا حق نہیں کھاؤں گا، مجھے ہاتھ مت لگاؤ اس لیے کہ میں یہودی کا درخت ہوں۔

سبق: صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس حکایت سے دو امر ثابت ہوئے:

① ولی اللہ کی کرامت کا ظہور کہ ایک درخت ان سے ہمکلام ہوا۔

② اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت کہ اے شبلی! (قدس سرہٗ) تم نے تو حلال رزق کا عزم کیا ہے فلہٰذا اپنے عزم پر مضبوط رہو۔

یاد رہے کہ یہ تمام برکتیں صدق و اخلاص کی ہیں جو چاہتا ہو کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے وقت کی قدر کرے اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنے سے منزل مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تجاوز عن الحد سے بچائے اور خروج عن الطریق سے محفوظ رکھے اور حق کی حد کی واقفیت بخشے اور طریق تحقیق پر ثابت رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یعنی وہ مشرکین جو عہد شکنی کرنے والے ہیں وہ ہیں جنھوں نے آیات الٰہی کو بیچا یعنی ان آیات کو چھوڑ دیا جو انہیں ایفائے عہد و رعایت حقوق کا حکم دیتی تھیں اور ان کے بدلے میں لے لیا ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑا ثمن یعنی دنیوی اسباب جو کہ ایک معمولی اور حقیر شے ہے اس سے ان کی خواہشات و شہوات نفسانیہ ہیں جن کے وہ تابع ہوئے فَصَدُّوْا پس انہوں نے رکاوٹ ڈالی یعنی روگردانی کی۔ یہ صَدَّ صُدُوْدًا سے ہے اس معنی پر یہ لازم باب ہوا یا صَدُّوْا بمعنے مَنَعُوْا وَ صَرَفُوْا غَیْرَھُمْ یعنی اپنے غیروں کو پھیرا اور روکا۔ اہل عرب کہتے ہیں صَدَّہٗ عَنِ الْاَمْرِ صَدًّا اس معنے پر یہ فعل متعدی ہوگا عَنْ سَبِیْلِہٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ یعنی اس کے دین سے جو اس کی طرف پہنچانے والے یا سبیل سے، بیت اللہ یعنی حرم شریف مراد ہے اس لیے کہ کفار حجاج اور عمرہ کرنے والوں کو روکتے تھے۔ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ بیشک بُرا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی جس عمل کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وہ بہت بُرا ہے اور ہمیشہ بُرا ہے یہ ما مصدریہ ہے اپنے متعلق سے مل کر محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ وہ سَآءَ کا فاعل ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔

ابتدائے اسلام میں ابوسفیان کی مخالفت حضرت ابوسفیان جب مسلمان نہیں ہوئے تھے مکہ معظمہ میں بادیہ نشین بدوؤں کو جمع کر کے انہیں مال و اسباب کا لالچ دیکر

انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے روکا یا انہیں مال و دولت دے کر اُکسایا کہ وُہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیں۔ بادیہ نشینوں نے دُنیوی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام سے معاہدہ توڑ دیا۔ اسی تقریر پر اِشْتَرَوْا کے فاعل بھی بدوی ہوں گے اور ثمن قلیل سے ابوسفیان کا وہ دیا ہوا مال ہوگا جو انہوں نے بدویوں کو دین کی مخالفت کے لیے دیا۔

فائدہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ تاحال جاری ہے کہ دنیادار بعض لالچیوں کو دنیا و دولت دے کر کچہریوں میں جھُوٹی گواہیاں دلواتے ہیں بلکہ بہت سے مالدار (شیعہ و وہابی) غرباء کو دنیا کی لالچ میں پھنسا کر اپنے مذہب میں لاتے ہیں یا پھر انھیں (اہلسنّت) کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے غنڈوں اور بدمعاشوں کو دنیا و دولت دے کر یہی دھندا کرتے ہیں ان کے لیے یہی وعید کافی ہے۔ (والھدایۃ بیداللہ)

لَا يَرْقُبُونَ رعایت نہیں کرتے فِيْ مُؤْمِنٍ مومن کے بارے میں اِلًّا قسم یا رشتہ داری کے حقوق کی وَّلَا ذِمَّةً ط اور نہ کسی معاہدہ کی اس سے عام معاہدہ مراد ہے اور اس پہلی آیت میں معاہدہ خاص مراد تھا اس بناء پر مضمون کا تکرار نہ ہُوا وَ اُولٰٓئِكَ یہی لوگ جن کی صفتیں مذکور ہوئیں هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی ظلم اور ستم اور شرارت کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں فَاِنْ تَابُوْا اگر وہ کفر اور اسی طرح دیگر بڑی بڑی شرارتوں سے باز آجائیں ۔ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور نماز قایم کریں اور زکوٰۃ دیں اور پھر ان پر التزام کریں اور ان کی فرضیت کا اعتقاد بھی رکھیں فَاِخْوَانُكُمْ پھر وہ تمہارے بھائی ہیں فِي الدِّيْنِ ط یہ اخوانکم کے متعلق ہے اس لیے اس میں فعل کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی جب سچے اور پکے مُسلمان بن جائیں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ دُکھ، درد اور راحت و آرام میں وہ تمہارے شریک ہیں ان کا اور تمہارا معاملہ آپس میں برابر ہوگا، ان کا نقصان تمہارا نقصان، ان کا فائدہ تمہارا فائدہ بشرطیکہ وہ شرائط مذکورہ کے پابند رہیں۔ اگر ان میں کسی قسم کی خامی ہو تو پھر تمہارے لیے ان کی حفاظت ضروری نہیں بلکہ ان کی منافقانہ چال سمجھ کر ان سے جو چاہو کرو وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ اور وُہ آیات جو عہد شکنی کرنے والے مشرکین کے احوال سے متعلق ہیں اور ان کے وُہ احکام جو ان کے کفر و ایمان سے متعلق ہیں ہم انہیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ ان لوگوں کے لیے جو اہلِ علم نہیں یعنی جو لوگ ان آیات کے احکام جانتے اور ان میں غور و فکر کرتے اور ان کے احکام کی پابندی کرتے ہیں انہیں آیات تفصیلی طور معلوم نہیں وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اس کا عطف فَاِنْ تَابُوْا پر ہے یعنی اگر وہ امور معاہدہ پر پُورے نہ اتریں بلکہ توڑ دیں اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ اپنی قسموں کو بعد معاہدہ کرنے کے یعنی ان کے دلوں کے اندر جو تمہارے متعلق بُغض و عداوت پوشیدہ ہیں وُہ ظاہر کر دیں وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ اور تمہارے دینِ حق پر طعن و تشنیع کریں یعنی کھلم کھلا تمہارے دین کی تکذیب اور اس کے احکام کی تقبیح کرنے لگ جائیں فَقَاتِلُوْٓا پس قتل کر دو اَئِمَّةَ الْكُفْرِ لا کفار کے لیڈروں کو اس میں اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا تاکہ ان کے قتل کا موجب بھی معلوم ہو جائے اور پتہ چلے کہ دنیا و دولت کی وجہ

عوام کفار کے کفر میں لیڈر بنے رہے تو اب وہی زیادہ مستحق ہیں کہ سب سے پہلے انہیں قتل کیا جائے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان لیڈروں سے ابوسفیان، حارث بن ہشام، ابوجہل بن ہشام، سہل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور ان جیسے اور بڑے بڑے کافر مراد ہیں اور لیڈروں کے ذکر سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کافروں کو کچھ نہ کہو بلکہ الٹا اس میں تاکید ہے کہ جب کفار کے لیڈر قتل کے مستحق ہیں تو ان کے تابعدار بطریقِ اُولیٰ تہِ تیغ ہونے کے لائق ہیں، ان کی تصریح صرف ان کی شرارت میں شہرت کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے بھی ہے کہ چھوٹے کافر ان کے دباؤ میں آ کر کفر کا ارتکاب کرتے ہیں اسی اعتبار سے بڑوں کے قتل کی تصریح کی گئی اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ عہد شکن کافروں کو تہِ تیغ کرو بالخصوص ان کے لیڈروں کو کہ جنھوں نے عہد شکنی میں پیش قدمی کی آئِـمّـہ دراصل اَءْمِـمَـہ تھا، امام کی جمع ہے، جیسے مثال کی جمع امثلہ۔ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ بیشک وہ ایسے ہیں کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ وُہ اپنے عہد و پیمان اور قسموں کی کوئی رعایت نہیں کرتے بلکہ قسم کے خلاف عمل کر لینے کو قبیح نہیں سمجھتے، اگرچہ زبانی طور ہزار بار قسمیں کھائیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کی قسمیں ثابت فرمائی ہیں اب سرے سے ان کی قسموں کی نفی فرما دی۔

جواب: پہلے مضمون میں یہی فرمایا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں اور ظاہری طور واقعی وہ قسمیں ہیں لیکن چونکہ ان کی وہ قسمیں جُھوٹی تھیں اور انہیں ان کے اعمال سے تضاد تھا اسی لیے ایسی قسمیں نہ ہونے کے برابر ہیں بلکہ الٹا سخت نقصان دہ ہیں اسی لیے اس پچھلی آیت میں انکی نفی فرمائی ہے، اس اعتبار میں ان دونوں مضامین میں تضاد نہیں ان کی قسموں کو کالعدم قرار دے کر ثابت کرنا مطلوب ہے کہ عہد شکن کفار و مشرکین سے جنگ جاری رکھو اگرچہ وُہ ہزار بار معاہدہ کریں اور قسمیں کھا کر اعتبار دلائیں تو اب نہ ان کی قسموں کا اعتبار کرو اور نہ ہی ان کے معاہدوں کا جب تک وُہ سچے اور پکے اور صدقِ دل سے ایمان نہ لائیں، جب وہ سچے اور پکے اور صدق دل سے مسلمان ہو جائیں تو پھر وُہ تمہارے بھائی ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ۝ یہ فقاتلوا کے متعلق ہے یعنی عہد شکن مشرکین سے جنگ جاری رکھو اس ارادہ پر کہ وُہ اپنے کفر و شرک سے باز آ جائیں، یعنی ان سے تمہاری جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک وہ مسلمان نہ ہوں۔ گویا ان کی جنگ سے انہیں کفر و شرک سے روکنا مطلوب ہے۔

عیسائیوں کی تردید اس سے عیسائیوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کا اعتراض دفع ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان سے تلوار کی لڑائی دفاع کے لیے تھی، اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہارا ان کے ساتھ جنگ کرنا ایذاء کے لیے نہ ہو بلکہ انہیں ان کی غلط کاریوں سے بچانے کے لیے ہو، جب وہ غلط کاریوں سے باز آ جائیں تو تم ان سے نہ لڑو اسی لیے کفر سے باز آنے والے کو اسلام معمولی ایذاء دینے کا بھی روادار نہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وُہ اپنے ہر عمل میں نیک ارادہ اور غرض صحیح کو مدِ نظر رکھے۔ مثلاً چیونٹی یا

جو مجھے مارے تو صرف دفعِ ضرر کے لیے، نہ اس سے بدلہ لینے کی نیت پر یعنی اس ارادہ پر کہ چونکہ اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اسی لیے میں اسے مارتا ہوں۔

سبق: اس مسئلہ پر صوفیہ کرام تادمِ زیست عامل رہتے ہیں۔ اسی لیے صوفیہ کے عشاق کو بھی اسی کا کار بند ہونا ضروری ہے وہ اس لیے کہ مقامِ فنا اسی طریق سے نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: حدادی نے فرمایا کہ جس کافر و مشرک سے اسلام کے خلاف یوں معاہدہ ہو کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اسی طرح ایسے امور ان سے سرزد نہیں ہوں گے جو مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے والے ہوں اور نہ ہی اہلِ اسلام کے اموال پر ڈاکہ ڈالیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف مخالفینِ اسلام کی مدد کریں گے تو اس طرح سے ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ختم، یعنی ایسے کافروں کو عہد شکن کہا جائے گا۔

مسئلہ: اگر ان سے معاہدہ میں مذکورہ امور طے نہیں ہوئے لیکن وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے یا قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ہمارے احناف تو ایسے کافر کو تعزیر کا حکم دیتے ہیں، قتل کرنے سے روکتے ہیں۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل روایات سے ہیں:

حدیث شریف [۱]: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر لائی تاکہ حضور علیہ السلام اسے کھا کر فوت ہوں، لیکن وہ پکڑی گئی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ نے اس کے قتل کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روکا۔

حدیث شریف [۲]: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہودیوں کی شکایت کی کہ وہ آپ کو "السام علیکم" (یعنی آپ کو موت آئے) کہتے ہیں فلہذا ان سے بدلہ لینا چاہیے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو دوست رکھتا ہے فلہذا انہوں نے اگرچہ مجھے برا کلمہ کہا ہے تو ہمیں ان کے قتل کا حکم نہیں بلکہ جیسے انہوں نے کہا ہے میں نے بھی انہیں ویسے کہہ دیا ہے۔

دشمنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر امام مالک کا فتویٰ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بدبخت یہودی اور نصرانی حضور علیہ السلام کو گالی دے یعنی آپ کی شان میں تنقیص کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے، ہاں مسلمان ہو جائے تو اسے قتل معاف ہے۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

مسئلہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ ذمی اگر اسلام پر طعن و تشنیع کرے یا اس کی تنقیص و تحقیر کرے تو اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہ اسلام پر طعن و تشنیع نہیں کرے گا۔ لیکن اس نے اسلام پر طعن و تشنیع

کی، تو وہ اپنے معاہدہ سے نکل گیا اسی لیے اس کا قتل کرنا ضروری ہوا۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذمی اسلام پر طعن و تشنیع کرکے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی اس کے طعن و تشنیع پر ہم اپنا معاہدہ نہیں توڑیں گے جب تک وہ عہد شکنی کے خلاف تصریح نہ کرے۔

مسئلہ: مولانا اخی الچلپی ہدیۃ المہدیین میں لکھتے ہیں کہ جب ذمی حضور علیہ السلام کو کھلم کھلا گالیاں یا آپ کی عزت و عظمت پر حملہ کرے یا آپ کی قدر و منزلت میں تحقیر و تنقیص کرے یا آپ کے خلاف ایسے بکواس کرے جو آپ کی شان کے لائق نہیں تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے بدبخت کے قتل کرنے میں کسی قسم کا خلاف نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول نہ کرلے اس لیے کہ ہم نے معاہدہ اس لیے تو نہیں کیا تھا کہ وہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بکواس کرے یہی دوسرے عام علماء و فقہاء کرام کا مذہب ہے صرف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اتباع اور امام ثوری اور ان کے اتباع اور دیگر فقہائے کوفہ فرماتے ہیں کہ ایسے بدبخت کو قتل نہ کرنا چاہیے البتہ ایسی سخت سزا دی جائے کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

مسئلہ: بعض فقہاء کرام نے فرمایا ایسا بدبخت اگرچہ مسلمان بھی ہو جائے تب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے اسے لازمی طور قتل کیا جائے اس لیے کہ یہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے ہے اور ہم کون لگتے ہیں کہ ان کی عزت و عظمت گھٹانے والے کو معاف کر دیں۔ جب اسلام لانے سے اس سے عام مسلمانوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے تو مسلمانوں کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کس طرح معاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اسلام لانے سے قبل کسی کو قتل کیا تھا یا کسی پر بہتان تراشا تھا تو اسلام لانے پر اس سے نہ قتل معاف ہے نہ بہتان تراشی کی غلطی جبکہ ایک عام انسان کا حق اسلام لانے سے معاف نہیں ہو سکتا تو حضور علیہ السلام کے حقوق کس طرح معاف ہو جائیں اگرچہ وہ مذکورہ غلطیوں اور حضور علیہ السلام کی تحقیر سے توبہ کرے تو بھی اس کی توبہ قبول نہیں[1]۔ بایں معنی کہ اسے ضرور قتل کیا جائے گا اگرچہ اس نے کلمۂ شہادت بھی پڑھا ہے۔

مسئلہ: لیکن ایسے شخص کی اسلامی حیثیت برقرار رہے گی یعنی سابقہ جرائم یعنی نبوت کی تنقیص یا عام مسلمان کے حقوق سے تائب ہو کر مرے یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی موت اسلام پر سمجھی جائے گی یہاں تک کہ اسے مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے گا اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے گورستان میں مسلمانوں کی طرح دفنایا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے گستاخ کو قتل کرنا ضروری ہے اگر وہ اس گستاخی سے توبہ کرے تو قتل تو معاف نہیں ہوگا اور نہ ہی اس بارے میں اس کی توبہ قابلِ قبول ہے البتہ اس کا اسلام لانا صحیح ہوگا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اسے نبوت کی گستاخی کی وجہ سے

---

[1] دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، پرویزیوں، نیچریوں، چکڑالویوں، خاکساریوں کی وہ عبارات سامنے رکھیے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے خلاف لکھی ہیں اس کے بعد فیصلہ خود کیجئے کہ ہم اہلسنت حق بجانب ہیں یا نہیں۔

قتل کیا جائے گا[1] لیکن اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے سے باز نہ آئے اور اسی پر اکڑا رہے (جیسے دیوبندیوں، وہابیوں کا کام ہے[2]) اور وہ اپنی اس غلطی سے توبہ بھی نہیں کرتا تو اسے قتل کر دینا ضروری ہے اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتا ہے تب بھی اس کا اسلام قابلِ قبول نہیں۔ اس کے قتل ہوجانے پر اسے کافر سمجھا جائے گا۔ اس کا وراثت کا مال مسلمانوں کو دیا جائے اسے نہ غسل دیا جائے اور نہ ہی اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے نہ ہی اسے کفنایا جائے گا بلکہ اسے کافروں کی طرح کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڑھے میں دبا دیا جائے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی تنقیص کرنے والے کی توبہ قابلِ قبول ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے کر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے کہ وہ آپ کو گالی دے یا آپ کی شان کی تنقیص کرے تو وہ اگرچہ مسلمان ہو جائے تب بھی اسے قتل کیا جائے۔

ازالۂ اوہام اس سے بعض کمزور ذہن یہ سمجھیں گے کہ اس طرح سے تو نبی کریم علیہ السلام کی شان اللہ تعالیٰ کی شان سے (معاذ اللہ) بڑھ گئی لیکن حقیقت شناس حضرات جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے لیے سخت سزا مقرر ہوئی کہ نبی علیہ السلام انسانوں کی جنس سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے بڑے عہدے سے نوازا ہے اسی لیے انسان کو اگر عیب لگایا جائے یا اس کی تنقیص کی جائے تو فطرتاً اس کا دل دکھتا ہے اس قاعدہ پر کہ نبی علیہ السلام کا دل دکھانا کفر ہے اور کافر کی سزا قتل ہے اور اللہ تعالیٰ منزہ از نقائص ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہم جنس ہے کہ اس کے عیب لگانے سے اس کی شان میں نقص کا امکان ہو اور نہ ہی اس کے لیے دلآزاری کا شائبہ ہے انہی وجوہ سے اس کے گستاخ پر سخت سزا یعنی قتل نہیں۔

مسئلہ: تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور نبی علیہ السلام ان کی ہر قسم کی تنقیص و تحقیر اور گستاخی کفر ہے اس کا قائل اسے جائز سمجھ کر گستاخی کرے یا اس کا وہی عقیدہ ہو یا نہ ہو قصداً گستاخی کرے یا بلا قصد خطاءً واقع ہو یا سہواً ہر طرح سے اس پر کفر کا فتویٰ ہے نبوت کی شان میں گستاخی میں لاعلمی اور جہالت کا عذر غیر مسموع ہے اسی طرح سبقت لسانی کا عذر بھی غیر قابل قبول ہے اس لیے کہ عقل سلیم کو ایسی غلطی سے بچنا لازمی اور ضروری ہے۔

مسئلہ: جو شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کالے سیاہ یا ابو طالب کی پرورش کے محتاج تھے یا عقیدہ رکھے کہ ان کا فقر و فاقہ اختیاری نہیں تھا بلکہ وہ اس فقر و فاقہ میں مجبور محض تھے[3] اس لیے کہ اگر ان کے اختیار میں کچھ ہوتا تو لذیذ غذائیں اور پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ اسی طرح کے اور نقائص بیان کرے تو وہ کافر ہے۔

---

[1] لیکن یہ کام حکومت کا ہے عوام ایسی تعزیرات کا اجراء نہیں کر سکتے ۱۲

[2] یہی باتیں عموماً وہابی غیر مقلد اور دیوبندی اور مودودی کہتے ہیں ۱۲

مسئلہ: جو شخص نبی علیہ السلام کے لیے کہے کہ وُہ تو بکریوں کے چرواہے تھے یا ان سے بھول چوک ہو جاتی تھی یا ان پر نسیان اور سہو طاری ہو جاتا تھا یا وہ جادُو میں مبتلا ہو جاتے تھے یا انہیں عورتوں سے شہوانی طور محبت تھی یا آپ کے بال مبارک کو حقارت کے طور بیان کرے تو وہ کافر ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کہے کہ نبی علیہ السلام ایک لمحہ کے لیے مجنون ہو گئے تھے ایسا قائل بھی کافر ہے ہاں کوئی یُوں کہے کہ آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی تو وُہ کافر نہیں۔

حکایت وہابی کش حضرت قاضی ابُو یوسف ہارون الرشید کے ہاں مہمان خانے میں کھانے کے لیے بیٹھے تھے۔ اس وقت یہ روایت بیان کی گئی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مبارک پسند تھا، ہارون الرشید کا ایک دربان کہنے لگا کہ مجھے کدو پسند نہیں۔ حضرت قاضی ابو یوسف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ شخص اگر اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے میں اس کی ابھی گردن اُڑاتا ہُوں۔ اس شخص نے فوراً توبہ و استغفار کی۔ اگر وُہ توبہ نہ کرتا تو اس کی گردن اڑائی جاتی۔ (کذا فی الظہیریہ)

مسئلہ: اگر کوئی شخص کہے کہ حضور علیہ السلام کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ طعام کھا کر اپنی انگلیاں مبارک چاٹ لیتے تھے دُوسرا کہے کہ یہ تو بے ادبی ہے ایسا قائل واجب القتل ہے۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کی کسی سنّت یا کسی حدیث کی تحقیر اور گستاخی کفر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص کہے کہ اگر پانچ نمازوں سے ایک نماز یا چالیسویں حصہ پر زکٰوۃ کا وجوب اگر ایک درہم یا ایک ماہ کے روزوں سے ایک روزہ زاید فرض ہوتا تو میں ہرگز عمل نہ کرتا تو ایسا قائل کافر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص کسی سے کہے کہ نماز پڑھ، وُہ جواب دے کہ نماز تو بوجھ اور ایک سخت عمل ہے ایسا شخص کافر ہے۔

مسئلہ: کوئی شخص صرف رمضان شریف میں نمازیں پڑھتا ہے اسے دُوسرے مہینوں میں نماز کا کہا جائے تو وہ جواب دے کہ وہی رمضان شریف والی نمازیں میرے لیے کافی ہیں تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

مسئلہ: جو شخص نمازیں عمداً قضا کرتا ہے اور اس کا ان کی قضاء کا ارادہ بھی نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔

مسئلہ: جو شخص رمضان شریف کی آمد پر کہے کہ آگیا سخت مہینہ یا آگیا تکلیف دہ مہمان تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

تفسیر صوفیانہ دین پر طعن سے تصوف اور سلوک پر انکار مراد ہے اور اَئِمَّۃَ الْکُفْر سے نفوس امارہ مراد ہیں جیسے تصوف کی اصطلاح میں ائمۃ الایمان سے قلوب و ارواح مراد ہوتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ نفوس امارہ بے وفا ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کا کوئی پاس نہیں اور نہ ہی طلبِ حق کی خواہش کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں ماسوی اللہ کے ترک کا ارادہ ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ نفوس امارہ سے سخت سے سخت جہاد کیا جائے یہاں تک کہ ان کی اصلاح

ہوجانے اور بُری عادتوں کو ترک کر کے حق تعالیٰ کے احکام کے پابند ہوجائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا تم اس گروہ سے جنگ کیوں نہیں کرتے نَّكَثُوْٓا جنہوں نے توڑ دیں اَيْمَانَهُمْ وہ قسمیں جو بہت بڑے وثوق سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کے سامنے کھائی تھیں اور معاہدہ کیا تھا کہ وہ مخالفین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے لیکن انہوں نے اس کے برخلاف کیا کہ بنو بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پر حملہ کر دیا اور خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ قریشِ مکہ کا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام سے دوسرا معاہدہ اس طرح تھا کہ وہ ایک دوسرے کے حریفوں کو کچھ نہیں کہیں گے اور نہ ہی ان سے جنگ کرنے والوں کی معاونت کریں گے۔ لیکن بنو بکر نے جب بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو قریشِ مکہ نے بنو بکر کی امداد کی اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔

وَهَمُّوْا اور مشرکین نے ارادہ کیا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ رسول اللہ کو نکالنے کا، یعنی دار الندوہ میں مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال دینا چاہیے، چنانچہ مشورہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اب مسلمانوں کو کفار کے قتل پر ابھارنے پر پُرانی باتیں یاد دلائی جارہی تھیں تاکہ انھیں کفار سے جنگ کرنے میں جوش پیدا ہو۔

ف: بعض مفسر لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے کر کے توڑے اور پھر ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مدینہ طیبہ سے نکال دیں۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اور عہد شکنی اور تمہارے ساتھ جنگ کی ابتداء انہوں نے خود کی ہے اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں کتابِ خداوندی لائے اور انہیں مقابلہ کا چیلنج دیا لیکن وُہ اپنے عجز کی وجہ سے مقابلہ نہ کر سکے اس کے باوجود بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ان کے ساتھ جنگ نہیں کرتے اور ان کے درپے آزار ہونے سے گریز کرتے ہو۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، یعنی تم ان سے جنگ اس خوف سے نہیں کرتے کہ کہیں وُہ تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ پس اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈر کر اس کے دشمنوں سے لڑو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو فَاللّٰهُ مبتدا اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے اور اَنْ تَخْشَوْهُ اللہ سے بدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈر بہ نسبت ان کے ڈر کے زیادہ حقدار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کیا تم نفس کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت حظوظ نفسانیہ کے فوت ہوجانے کا خطرہ کرتے ہو حالانکہ حقوق الٰہی اور اس کے وصال کی محرومی کا خطرہ زیادہ ضروری ہے اگر تمہارے

دل میں ایمان ہے کہ واقعی اس کے ہاں پہنچا ہے۔

تفسیر عالمانہ قَاتِلُوهُمْ تو مشرکین سے جنگ کرو يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ انہیں تمہاری تلواروں سے عذاب دے گا یعنی تمہاری تلواروں کے سبب سے وہ مقتول ہوں گے وَيُخْزِهِمْ اور انہیں مغلوب ومقہور کر کے رسوا کرے گا وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ اور تمہیں ان پر مدد دے کر غالب کرے گا یعنی وہ صرف مقتول ہو کر نہیں مریں گے بلکہ تمہیں ان پر پورا غلبہ نصیب ہوگا وَيَشْفِ اور شفا بخشے گا صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ ان اہل ایمان کے سینوں کو جو جنگ میں شامل نہیں ہو سکے اس سے خزاعہ کا قبیلہ مراد ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے یمن اور سبا کے لوگ مراد ہیں جو مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو ان کی برادری نے انہیں سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع بھجوائی کہ ہمیں مخالفین اسلام بہت سخت ایذائیں پہنچا رہے ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ تمہیں مبارک ہو عنقریب تمہاری مشکلات حل ہو جائیں گی (چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد کفار ومشرکین مغلوب ہو کر ذلیل وخوار ہوئے اس طرح سے حضور علیہ السلام کا فرمان پورا ہوا ، اسے ہم اہلسنت علمِ غیب سے تعبیر کرتے ہیں) حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت
اجر صبریست کہ در کلبۂ احزان کردم

ترجمہ : بڑھاپے میں مجھے یوسف کی صحبت نصیب ہوئی یہ میرے اس صبر کی جزا ہے جو میں نے عرصہ دراز تک غم اور حزن کا دکھ اٹھایا۔

وَيُذْهِبْ تمہیں مدد دے کر اور کافروں کو مغلوب کر کے لے جائے گا غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ط ان کے دلوں کے اندوہ اور غم کو یعنی کفار کی اذیتوں سے ان کے دلوں کا ملال دور فرمائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح وعدہ فرمایا اسے احسن طریق سے پورا کر کے دکھلایا وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے ، یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں آنے والے حالات کی خبر دی گئی ہے کہ ایک مدت کے بعد مکہ کے مشرکین میں سے بعض لوگ کفر وشرک سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا ، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی وہ یہ کہ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو سفیان وعکرمہ بن ابی جہل وسہل بن عمرو وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ منظور فرمائی :

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ زمانہ گزشتہ اور آنے والے امور کو خوب جانتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا اور جس سے روکتا ہے تو وہ اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ
لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ
يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: کیا تم اس گمان میں ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور تا حال اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر نہیں فرمایا جو تم سے جہاد کرینگے اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے سوا کسی کو اپنا محرمِ راز نہیں بنائینگے اور اللہ تعالیٰ ان کے کردار سے باخبر ہے اور مشرکین اس لایق ہی نہیں کہ وہ اپنے کفر کے اقراری ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد کریں یہی تو وہ ہیں جن کے تمام اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ نارِ جہنم میں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تو وہ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے اور نماز قایم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ~~قریب~~ ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔

تفسیر عالمانہ اَمْ حَسِبْتُمْ اے مسلمانو! کیا تم نے گمان کیا۔ اَمْ منقطعہ ہے، اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بلکہ تم نے اے مسلمانو! گمان کیا۔

ف: بَل اضراب کے معنے میں آتا ہے اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم ان کے جنگ کے معاملہ میں رُوگردانی کے خیال میں ہو اس میں مسلمانوں کو اس غلط خیالی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔

اَنْ تُتْرَكُوْا کہ تم جنگ سے فارغ چھوڑے جاؤ گے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ اور ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے سے جہاد کرنے والوں کو ظاہر نہیں فرمایا یعنی تمہارے سے مخلصین کا غیر مخلصین سے امتیاز نہیں فرمایا۔

سوال: تم نے عدمِ علم کو ظاہر کرنے سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے کہ وہ کسی شے کو ازل سے نہ جانے اسی لیے اس کی شان کے مطابق ترجمہ ضروری ہے اور یہی معنیٰ موزوں تر ہے اس لیے کہ ثواب کا دار و مدار عمل کے ظہور پر ہے۔ اسی لیے حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا کہ ان میں مخلصین کون ہیں اور غیر مخلصین کون۔ لیکن وہ پوشیدہ تھا کہ سوائے اس کے اور کسی کو معلوم نہ تھا، اسی لیے

اس کا ارادہ ہوا کہ اسے ظاہر فرمائے "تاکہ ثواب وعذاب کا ترتب ہو سکے۔ اور وہ موقوف ہے بندوں کے مشاہدوں پر اس لیے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ کسی کو سزا وجزا اس وقت دیتا ہے جبکہ ان کا علم بندوں کو بھی معلوم ہو کہ انہیں فلاں عمل سے سزا ملے گی اور فلاں عمل سے جزا۔

سوال: جہاد پر حاضری نہ دینے والوں کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں بھی نہیں تھے اور نہ ہی وہ اس لائق ہیں کہ ایسے معتبر مقام پر ان کا ذکر ہو۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا اس کا عطف جَاهَدُوْا پر ہے اس لیے کہ یہ بھی ولما یعلم الله الذین کے حکم میں داخل ہیں یعنی ابھی انہیں ظاہر نہیں فرمایا جنہوں نے نہیں بنایا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ ولم یتخذوا کے متعلق ہے اگر اسے اپنے معنے پر رکھا جائے اور اگر وہ تصییر کے معنی میں ہو تو یہ اس کا دوسرا مفعول ہے وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے سوا کسی کو دوست۔

حل لغات: وَلِيْجَةً بمعنے بطانۃ وصاحب سر یعنی وہ دلی دوست کہ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا اس کے اندرونی بھید سے واقف نہ ہو یہ وُلُوْجٌ سے ہے بمعنی الدخول۔ ابوعبیدہ نے فرمایا کہ کسی شے کو دوسری ایسی شے میں داخل کرنا جسے اس دوسری شے سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو تو اسے عربی میں ولیجۃ کہتے ہیں۔ واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے یہی صیغہ یعنی ولیجۃ مستعمل ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اسی لیے وہ تمہیں ہر عمل کی جزا و سزا دے گا اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں وہ تمہارے جہاد کی غرض وغایت کو جانتا ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ تمہارے میں مخلص کون ہے اور غیر مخلص کون۔ اسے خبر ہے کہ تم میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کون لڑتا ہے اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے کون۔ اور اس کے علم میں ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے کون جنگ کرتا ہے اور اپنی شہرت کے لیے کون۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

منہ آب زر جان من بر پشیز کہ صراف دانا نگیرد بچیز
زر اندود گانرا بآتش برند پدید آید آنگہ کہ مس یا زرند

ترجمہ: اے عزیز! تانبے کو سونے کا پانی لگا کر نہ لا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی برابر بھی نہیں لے گا اس لیے کہ وہ ایسے سکوں کو آگ میں ڈالتے ہیں اس کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ سونا ہے یا تانبہ۔

مسئلہ: آیت میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

حدیث شریف ۱: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف ایک دن جہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ٹھہرنا سوائے رمضان کے تو وہ ایک دن سو سال کے روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے، اگر وہ زندہ بچ کر گھر لوٹا تو

اللہ تعالیٰ ہزار سال تک اس کی کوئی برائی نہیں لکھے گا بلکہ تادمِ زیست اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے نیکی لکھی جائے گی اور قیامت تک اس کے لیے جہاد کی حاضری کا ثواب لکھا جائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا اور نماز ادا کرتا اور رمضان کے روزے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس بندے کو بہشت میں ضرور داخل فرمائیگا وہ جہاد کرے یا اپنے گھر میں بیٹھے زندگی بسر کر دے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اجازت ہو تو ہم اہلِ ایمان کو اس کی خوشخبری سنا دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بہشت میں سو درجات اہلِ بہشت کے لیے تیار فرمائے ہیں اس کے ہر درجہ کی مسافت زمین وآسمان کے درمیانی خلا کے برابر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگو اس لیے کہ وہی تمام بہشت سے اعلیٰ وافضل ہے اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے اسی سے باقی بہشت کی نہریں جاری ہیں۔

حدیث شریف ۳: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر نفس سے جہاد کرتا ہے اے مسلمانو! تم نفس کی خواہشات کے مٹانے کے لیے ایسے جہاد کرو جیسے تم اپنے دشمنوں سے کرتے ہو، تمہارے میں بڑا بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کے لیے بہت زیادہ سخت گیر ہے۔ ایسا عقلمند جو خواہشات نفسانیہ کا اسیر ہے اسے شہوات کا بندہ سمجھو، اسے زرخرید غلام سے بھی ذلیل تر جانو۔ جو شیشہ زنگ آلود ہو اس سے چہرہ کے بدنما داغ نظر نہیں آئیں گے۔ اسی طرح نفسِ امارہ بھی بندے کو اپنے عیوب ظاہر نہیں ہونے دیتا اس لیے کہ وہ شہوات کی زنگ میں ہے۔

مسئلہ: آیت سے واضح ہوا کہ مومن مخلص وہ ہے جو کافر اور منافق سے دوستی تو بجائے خود اسے اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دیتا۔

حدیث شریف ۴: حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارے میں کوئی اجنبی ہے، اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اہلِ کتاب تو نہیں۔ ہم نے عرض کی، ہمارے ساتھ ان کا کیا واسطہ۔ اس کے بعد آپ نے دروازہ بند کرا کر فرمایا: اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو: لا الٰہ الا اللہ۔ ہم نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الٰہ الا اللہ۔ آپ نے ایک گھڑی بھر ہاتھ اٹھائے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے بھی ہاتھ نیچے کر دیا اور ہمیں بھی اپنے ہاتھ نیچے کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے جس کلمے کے اعلان کا حکم فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ کو قبول کرے گا اس کے لیے بہشت ہے تیرا وعدہ پختہ ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہمیں فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دیے۔

سبق: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ یہ ایک خاص تلقین تھی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ کاملین اولیاء کو وراثت میں نصیب ہوئی جو حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس سے آج تک جاری ہے اس پر عوام کو مطلع کو نہیں کیا جاتا تاکہ وہ غیروں تک اسرارِ بھیدنہ پہنچادیں کیونکہ بھید واسرار غیروں کو بتانا بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔

مسئلہ: مومن کا کافر کو دوست بنانا بھی خیانت ہے۔ اسی طرح کافر سے محبت کرنا بھی اور کفار سے میل جول رکھنا بھی ان سے محبت کی علامت ہے۔ (العیاذ باللہ) اسی لیے ہم اہلسنت بدمذاہب کے میل جول اور ان سے تعلق دوستی حرام سمجھتے ہیں لیکن اسے صرف اہلِ دل سمجھتے ہیں، عوام بیچارے کیا جانیں کہ یہ کیا راز ہے۔

تفسیر عالمانہ، شانِ نزول مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ یہ آیت قریش مکہ کے لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جب وہ بدر میں قیدی ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لائے گئے ان میں حضرت عباس حضور علیہ السلام کے چچا جان بھی تھے ان قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک سے نفرت دلا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس کو جھڑکا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ نہ کرنی چاہیے تھی اور فرمایا کہ آپ کو صلہ رحمی کرنی لازم تھی اور فرمایا کہ آپ نے مشرکین کی مدد کس نظریہ پر کی، باتوں باتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو خوب کوسا۔ حضرت عباس تمام باتیں سن کر فرمانے لگے کہ تم لوگ ہماری برائیاں تو گنتے جا رہے تھے اور ہمارے محاسن بھی تو ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، تمہارے کون سے محاسن ہیں؟ حضرت عباس نے کہا: ہمارے محاسن یہ ہیں:

- ہم مسجد الحرام کی تعمیر کرتے ہیں۔
- ہم کعبہ معظمہ کے نگران ہیں یعنی ہم پاسبانِ حرم ہیں (اس لقب پر آج نجدی ناز کرتے ہیں)
- ہم حج کے موقعہ پر حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرکین کے لیے لائق نہیں یعنی ان کے لیے بالکل ناروا ہے اور نہ ہی ان کو مناسب ہے اس میں تحقق و وجود کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں جیسا کہ ظاہری عبارت سے ثابت ہوتا ہے جیسے ماکان لھم ان یدخلوھا الاخائفین میں وجوب و تحقق کی نفی ہے یعنی کفار کے لیے واجب ہے کہ وہ خوفزدہ ہو کر اس میں داخل ہوں۔

اَنْ يَّعْمُرُوْا ایسی تعمیر کریں کہ جس کا اعتبار کیا جائے مَسٰجِدَ اللّٰهِ اللہ کی مسجدوں کی۔ اس سے صرف مسجد حرام مراد ہے۔

سوال: اگر اس سے مسجد حرام مراد ہے تو پھر صیغہ جمع کیوں؟

جواب: (۱) چونکہ وہ تمام مساجد کی قبلہ ہے اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر جمع لایا گیا ہے اس کی تعبیر گویا تمام مساجد کی تعبیر ہے۔

(۲) اس کی ہر جانب سے مساجد واقع ہیں بخلاف دیگر ہر مسجد کے کہ اس کی کوئی جہت مسجد سے خالی ہوگی۔

فائدہ: حضرت عکرمہ سے پوچھا گیا کہ اسے مسٰجد کیوں پڑھتے ہو حالانکہ وہ تو ایک مسجد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسکی فضیلت کی وجہ سے، اس لیے کہ صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ نے شعائر (جمع) کہا جو مسجد حرام کے بالمقابل کوئی شے نہیں اس لیے کہ مسجد الحرام اپنی جنس کے جمیع افراد سے افضل ہے۔

فائدہ: صراحۃً تعمیرِ مسجد کے ذکر سے یہی طریقہ بلیغ تر ہے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ تمام مساجد سے محترم تر یہی مسجد حرام ہے، پھر مسجد المدینہ، پھر مسجد بیت المقدس، پھر دنیا کی تمام جامع مسجدیں، پھر شارع عام کی مسجدیں، یہی کھلی مسجدیں مرتبہ کے لحاظ سے بہت کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مساجد میں اعتکاف نہیں بیٹھا جا سکتا، ہاں اگر اس مسجد کا امام معیّن اور اس میں پانچ وقت اذان دی جاتی ہو تو ان تمام مساجد میں کم درجہ والی گھر کی مساجد ہیں کہ ان میں سوائے عورتوں کے اور کوئی اعتکاف نہیں بیٹھ سکتا۔

حقیقی مسجد

صاحبِ روح البیان نے فرمایا: یہ تمام بحث مجازی مساجد کی تھی ورنہ حقیقی مسجد تو اولیاء کرام کے قلوب ہیں جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

مسجدے کان در درون اولیاء است ۔۔۔ خانۂ خاص حقست آنجا خداست

نیست مسجد جز درون سروران ۔۔۔ آن مجازست این حقیقت ای جوان

ترجمہ: وہ مسجد حقیقی ہے جو اولیاء کے اندر دل ہے اس لیے کہ وہی خاص خانۂ خدا ہے۔ اولیاء اللہ کے قلوب کے سوا اور کوئی مسجد نہیں یہ مساجد مجازی مسجدیں ہیں اور حقیقی مساجد وہی قلوبِ اولیاء ہیں۔

اسی وجہ سے مومن کا دل توڑنے کو ھدم المسجد (مسجد ڈھانے) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ درانحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دیتے ہیں یعنی مسجد حرام کے گرد بتوں کو نصب کر کے اپنے شرک پر خود بخود مہر ثبت کر رہے ہیں۔ یہی ان کے مشرک ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے ان کا شرک سے انکار کرنا ان کی حماقت ہے۔ یہی تفسیر حضرت حسن سے منقول ہے۔

ف: سدّی نے کہا کہ ان کا اپنے نفسوں پر کفر کا خود بخود گواہ ہونا ایسے ہے جیسے کسی سے کوئی پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وہ جواب دے کہ میں یہودی ہوں۔ یا نصرانی سے پوچھا جائے تو وہ کہے میں نصرانی ہوں۔ اسی طرح مجوسی اپنے متعلق کہے کہ میں مجوسی ہوں۔ اسی طرح یہ کافر (اہل مکہ) بت پرستی کا صراحۃً اقرار کرتے ہیں، مثلاً ما نعبدھم الا لیقربونا۔ ہم بت پرستی صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

ف: شٰھدین یعمروا کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا مسجد حرام کی تعمیر کا دم بھرنا بالکل بے سُود ہے جبکہ وُہ بت پرستی کر کے اپنا کیا کرایا ضایع کر دیتے ہیں اس معنے پر ان کی تعمیر مسجد کا دعویٰ کسی کام کا نہ رہا۔

اُولٰٓئِكَ جو تعمیر مسجد اور دیگر نیکیوں کے مدعی ہیں اور بت پرستی بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگ وُہ ہیں حَبِطَتْ بوجہ انکے اپنے کفر کے تباہ و برباد اور باطل ہو جائیں گے اَعْمَالُهُمْ ۚۖ ان کے وُہ اعمال جن پر وہ فخر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اعمال مسلمانوں کے اعمال صالحہ کی طرح ہیں وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اور وُہ اپنے کفر اور معاصی کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُمتِ محمدیہ کا اجماع ہے کہ کفار کو آخرت میں اعمال صالح سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا اور نہ ہی انہیں ان اعمال کی وجہ سے کچھ ثواب نصیب ہوگا کہ جس سے جنت کی نعمتوں کے مستحق ہوں یا ان سے عذاب کی تخفیف ہو بلکہ جرائم و معاصی کی مقدار پر عذاب میں مبتلا ہوں گے کسی کو سخت تر اور کسی کو سخت ترین عذاب ہوگا۔

مسئلہ: امام فقیہہ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات و احادیث میں وارد ہُوا کہ کفار کو کسی نیکی کا ثواب نہیں ملے گا اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ کفار کو اعمال صالحہ کی وجہ سے جہنم سے نجات نہیں ملے گی البتہ انہیں عذاب کی تخفیف نصیب ہوگی۔ وہ اس لیے کہ گناہوں پر جہنم کی سزا مقرر ہے اور نیکیوں پر بہشت کی نعمتیں۔ چونکہ کفار نے بہشت میں تو جانا نہیں اور اسے نیکیوں کی جزا یہی ملے گی کہ اس سے ان سے جہنم کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ مازری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی قول کے موافق ہیں۔

مسئلہ: امام واحدی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہُوا کہ کافر مسلمانوں کی مساجد نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس میں چندہ دے سکتا ہے (اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس سے مسجد کی تعمیر کے لیے قرضہ لے لے اور وہ مسجد پر خرچ کر دے پھر کافر مسلمان کو قرض معاف کر دے)

مسئلہ: اگر کافر مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے مال سے مسجد بنا نا تو اس کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔ اسی پر احناف کا اجماع ہے اگر ضرورت ہو تو اس کا وہی حیلہ کیا جائے جسے فقیر اُویسی نے پہلے عرض کر دیا ہے۔

مسئلہ: مساجد میں کفار کو داخل نہ ہونے دیا جائے اگر کوئی کافر کسی مسلمان کی اجازت کے بغیر مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کافر کو سخت سزا دی جائے۔

مسئلہ: مساجد کی عظمت کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی لیے کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دینا افضل ہے۔ اسی طرح دُوسرے دشمنانِ اسلام کا حال ہے۔ اسی طرح مرزائی، شیعہ، رافضی، وہابی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ بھی ہماری مساجد میں داخل نہ ہوں۔ اس کی مزید تشریح فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کرتے ہیں اس سے مسجد حرام کے علاوہ دوسری تمام مساجد مراد ہیں۔ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ جو اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ پر ایمان لاتے ہیں۔

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی داخل ہے اس لیے کہ اللہ جلّ جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایک دوسرے سے متحد ہیں ان کا کبھی ایک دوسرے کے بغیر ذکر نہیں ہوتا جیسے کلمۂ شہادت اور اذان اور اقامت وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اور وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

ف: حساب و کتاب اور دیگر وہ امور جو آخرت سے متعلق ہیں اسی میں داخل ہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ اور باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ: اکثر مشایخ فقہاء کا خیال ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔
حدیث شریف: گھر کے بجائے مسجد میں نماز ادا کرنے میں دوہرا اور بجائے بازار (دکان) مسجد میں پچیس گنا زیادہ ثواب ہے۔
مسئلہ: تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔
قاعدۂ فقیہہ: جو نماز جماعت سے تعلق رکھتی ہو اسے مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔
مسئلہ: مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اس نماز سے جو گھر میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس سے صدقہ واجبہ مراد ہے یعنی اسے فرض سمجھ کر بطیب خاطر ادا کرتے ہیں۔
ف: زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسری کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی یعنی کسی کو زکوٰۃ کی طاقت ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو وہ اگرچہ نمازی ہے تو اس کی نماز بھی ناقابل قبول ہے اسی طرح زکوٰۃ کا پابند ہے لیکن نماز نہیں ادا کرتا تو اس کی زکوٰۃ بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ مسجد کی تعمیر ایسے شخص کی قابل قبول ہے جو امور مذکورہ بالا یعنی کمالات علمیہ وعملیہ کا جامع ہو۔
وَلَمْ يَخْشَ اور امور دین میں کسی سے نہیں ڈرتے إِلَّا اللهَ اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اسی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے مطابق عمل کرتے اور اسی کے نواہی سے بچتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی انہیں کسی ظالم سے خطرہ ہے۔
مسئلہ: جنگ کے میدان سے نہ گھبرانا بھی اسی حکم میں ہے یعنی مومن جنگ کو جانے سے نہیں گھبراتا اسی طرح کے اور دیگر امور کو سمجھیے۔
سوال: وُہ امور کہ جن سے فطرۃً انسان کو خوف لاحق ہوتا ہے مثلاً درندوں اور ظالموں اسی طرح دیگر خطرات کہ جن سے انسان کو فطرتی طور ڈر رہتا ہے وُہ اس میں داخل نہیں حالانکہ وُہ بھی غیر اللہ ہیں اور تم کہتے ہو مومن غیر اللہ سے نہیں ڈرتا۔
جواب: اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا پڑتا ہے مثلاً اس کی عظمت وجلال اور اس کی ہیبت وقدرت کا تصور دل میں لایا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا علم ہر شئے کو محیط ہے اس تصور سے بندہ کو خوف لاحق ہوگا کہ اگر میں اس کے احکام کی خلاف ورزی یا اس کے نواہی کی پروا نہ کروں گا تو سزا پاؤں گا ایسے خوف پیدا کرنے میں بندے کے کسب کو دخل ہے اور درندوں ظالموں وغیرہ سے اوّلاً تو مومن کامل ڈرتا نہیں اگر کوئی ان سے خوفزدہ ہوتا ہے تو چونکہ اس میں ہمارے قصد وارادے کو تعلق نہیں اور نہ اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے اس لیے ایسا خوف آیت کے خلاف نہیں۔
فَعَسٰٓى ممکن ہے ایسا گروہ أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ ہدایت یافتہ لوگوں سے ہو جائے، یعنی بہشت اور بہشت کی نعمتوں کو حاصل کرنے والوں سے ہو جائیں اور انہیں بھی وہی بلند درجات نصیب ہوں جو

دوسرے بہشتیوں کو نصیب ہوں گے۔

سوال : مذکورہ بالا حضرات کو صرف اہتدا کی توقع سے کیوں موصوف کیا حالانکہ ایمان اور دُوسرے اعمال صالحہ کی وجہ سے دیگر مراتب علیا بھی تو انہیں نصیب ہوں گے۔

جواب : کافروں کی امیدوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے یعنی کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے امیدیں تھیں کہ انہیں بہت بڑے بلند مراتب حاصل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی امید پر پانی پھیر دیا بایں معنی کہ کافروں کو اہل اہتداء میں شمولیت نہیں اور بہشت اور اس کے بلند مراتب صرف اہلِ اہتداء کو نصیب ہوں گے۔ اس میں کافروں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ وہ کتنی ہی بہتر اعمال کی جدوجہد کریں وہ کسی حالت میں بھی اہل اہتداء میں شامل نہیں ہو سکتے۔

نکتہ : اہلِ ایمان کو اگرچہ بار بار یقین دلایا گیا ہے لیکن پھر بھی انھیں لعلّ و عسٰی سے ہدایت یافتہ والوں میں شامل ہونے سے وعدہ فرمایا ہے پھر کافروں کو اپنے اعمال صالحہ سے کس طرح امید ہو سکتی ہے اس طریق سے اہل کفر کی تمام امیدوں کا دروازہ نہایت ابلغ طریق سے بند کر دیا گیا ہے۔ ؎

جائیکہ شیر مرداں در معرض عنا بند
روباہ سیرتاں را آنجا چہ تاب باشد

ترجمہ : جہاں شیر مردوں کو جھڑکا جا رہا ہے وہاں لومڑی صفت والوں کا کیا حال ہوگا۔

سبق : آیت میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ وُہ اپنے اعمالِ صالحہ پر مغرور نہ ہوں۔

قاعدہ : اگرچہ لفظ عسٰی اللہ تعالیٰ کے لیے یقینی امر پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں بندوں کو تنبیہ ہوتی ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے باوجود بھی عذابِ الٰہی سے ڈرتے رہیں کہ کہیں ان سے ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے ان کے اعمال حبط ہو جائیں۔ (کذا قال الحدادی)

؎

ہر کہ از ل مغرور است
از فیض عمل مہجور است

ترجمہ : جو نیک عمل پر مغرور ہے وہ ازلی فیض سے دور ہے۔

؎

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس
بدیں سبب از بارگاہ عزت دور

ترجمہ : علم و عمل سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لیے کہ ابلیس بھی اسی دھوکہ سے بارگاہِ حق سے دُور ہو گیا۔

مسئلہ : تعمیر مساجد کئی قسم ہے مثلاً نئی مساجد تیار کرنا یا تعمیر شدہ مسجد کی ضروریات پوری کرنا۔

حدیث صدقۂ جاریہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
سات ایسے عمل ہیں جن کا اجر و ثواب مرنے کے بعد بھی قبر میں پہنچتا رہتا ہے:

① علم پڑھانا ② نہر کھدوانا
③ کنواں بنوانا ④ باغ بونا (کھجوروں کا بالخصوص)
⑤ مسجد بنوانا ⑥ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دینا (ایسے ہی دینی کتب)
⑦ نیک اولاد چھوڑ جانا جو اپنے والدین کے لیے استغفار کرتی رہے۔

فضیلت تعمیر مسجد حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنواتا یا اس میں حصہ لیتا ہے تو مسجد کی ہر انگلی یا ہر ہاتھ کی مقدار کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں چالیس لاکھ شہر تیار فرمائیگا ہر شہر میں ایک ایک لاکھ گھر ہوگا ہر گھر میں ایک ایک لاکھ پلنگ بچھے ہوں گے ہر پلنگ پر اس کے لیے حوریں بٹھائی جائیں گی اور مذکورہ بالا گھروں میں ایک ایک کے اندر چالیس چالیس ہزار دسترخوان چُنے جائیں گے ہر ہر دسترخوان پر چالیس چالیس ہزار پیالے (پلیٹیں) ہوں گی جن میں مختلف رنگ اور مختلف ذائقہ کے طعام ہوں گے اور اس بندے کی ہر قوت (جماع، خورد و نوش وغیرہ) میں اضافہ کیا جائے گا کہ ان طعاموں کو کھا کر پچا سکے گا اور مذکورہ بالا حوروں سے جماع بھی کر سکے گا۔[1] (ذکرہ الزندوستی فی الروضہ)

مسئلہ: کوئی مسجد ویران ہو جائے یا وہاں کے رہنے والے مسجد کو چھوڑ کر چلے جائیں اور مسجد ویران ہو جائے تو اس مسجد کی زمین کی وراثت مسجد کے بانی کو ملے گی وہ اس میں جو چاہے بنوائے مکان یا دُکان۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہ غیر معتبر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ تاقیامت مسجد ہے۔ یہی قول امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اسی پر علمائے اسلام کا فتویٰ اور یہی معتبر اور صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی بددماغ مسجد کو کھیل کا میدان اور کھیل کے میدان کو مسجد سے تبدیل کرے تو یہ بالکل ناجائز ہے۔
ف: ماڈرن دماغ اس کے قائل بلکہ اسی کے عامل ہیں۔[2]

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ روم میں بعض بددماغوں نے مسجدوں کو گھوڑوں کی اصطبل اور مال گودام و دیگر ضروریات میں تبدیل کر دیا۔ یہ ان کے دَور کی بات ہے۔ ہمارے دور میں تو یہ عام ہو رہا ہے کہ مسجدیں ڈھا کر مکانات وغیرہ تعمیر کیے جا رہے ہیں، اور نہ صرف عوام بلکہ حکومت کے بڑے ذمہ دار حکام۔

---

[1] اس مضمون کو اگرچہ ماڈرن دماغ قبول نہیں کرے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالمِ آخرت کے حالات کو دنیوی امور پر قیاس کرنا بھی جہالت و حماقت ہے۔ [2] فقیر کو بھی ایک کمشنر سے واسطہ پڑا تھا اس کی تفصیل رسالہ "تعمیر مسجد کی داستان" میں ہے۔

مسئلہ : مدارس عربیہ یعنی دینی تعلیم گاہوں کا بھی احترام ضروری ہے لیکن بددماغ ان کی عزت کو ذلت سے تبدیل کرنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں : وَقَدْ شَاهَدْنَاهُ فِیْ دِیَارِ الرُّوْمِ ۔ (العیاذ باللہ) لیکن آج تقریباً تمام ممالک میں ہو رہا ہے۔

ملفوظاتِ علی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ اچھے انسان کے لیے چھ عادتیں لازمی ہیں ، تین حضر میں اور تین سفر میں۔ گھر کے لیے تین عادات یہ ہیں :

- تلاوتِ قرآن مجید
- تعمیرِ مسجد اور اس کی صفائی اور آبادی از قسم نماز وغیرہ۔
- مہمان نوازی

اور سفر کی تین عادات یہ ہیں :

- زادِ راہ کی وُسعت
- حسنِ خلق
- معاصی وجرائم سے پرہیز کو مدِ نظر رکھ کر جائز ہنسی مذاق ۔ (کذا ذکرہ الخطیب فی الروضہ)

مسجد کی صفائی مسجد کو جھاڑو دینا اور اسے صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کی حورعین کا حق مہر مسجد کے جھاڑو دینے اور اسے صاف ستھرا رکھنے میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ برتنوں اور گھر کے صحن کی صفائی سے تونگری حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ : جب عام گھر کی صفائی تونگری کا موجب ہے ، اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی کو تو بطریق اولیٰ تونگری کا موجب ہونا چاہیے۔

فائدہ : حدیث شریف میں لفظ فنا واقع ہُوا بمعنی صحن الدار والدکان و نحوھا۔

مسئلہ : مسجد کی صفائی کی طرح درس گاہوں کا صاف ستھرا رکھنا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ : مساجد کو فرش وغیرہ سے آراستہ رکھنا چاہیے۔

فائدہ : مساجد میں سب سے پہلے چٹائیاں وغیرہ بچھانے کا عمل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا ورنہ ان کے زمانہ سے پہلے مسجدوں میں کنکریوں پر نماز ادا کی جاتی تھی۔

اعجوبۂ زمانہ ایک روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں تشریف لائے تو مسجد شریف میں بارش کی وجہ سے کیچڑ تھی ، ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں کی جھولی بھر کر مسجد میں ڈال رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بہترین فرش ہے۔ اس کے بعد حکم صادر فرمایا کہ مسجد کے اندر باہر کنکریاں ڈال دی جائیں۔ ابھی یہ کام مکمل نہ ہُوا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کی تکمیل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد میں نہ صرف کنکریاں بچھوائیں

بلکہ مسجد کو چٹائیوں سے آراستہ فرمایا۔

بدعتِ حسنہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا کہ،

اکثر معروفات ھذہ الاعصار منکرات فی عصر الصحابۃ الی من عد المعروف فی زماننا من فرش المساجد بالبسط الرقیقۃ وقد کان یعد فرش البواری فی المسجد بدعۃ وکانوا لا یرون ان یکون بینھم و بین الارض حائل[1]

اکثر اسی زمانہ نیکیاں صحابہ کرام کے زمانہ میں برائیاں متصور ہوتی تھیں مثلاً ہم اپنے زمانہ میں مساجد میں فرش فروش بچھانے کو ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں صرف چٹائیاں بچھانا بدعت کہا کرتے وہ مسجد کی مٹی اور سجدہ کے درمیان کسی شے کا حائل ہونا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازی کے لیے مستحب ہے کہ زمین پر سجدہ کرے۔ سجدے اور زمین کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو نہ چٹائی نہ اینٹ نہ دیگر کوئی شے۔ اس لیے کہ تواضع و انکساری کا تقاضا اسی طرح ہے۔ اس طرح کرنے سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف سے بھی بچاؤ ہوگا اس لیے کہ ان کے نزدیک سجدہ اگر زمین یا زمین کی جنس پر نہ ہو تو نماز مکروہ ہے۔

مسئلہ: اُون کے موٹے گدّے اور اسی طرح دیگر ہر قسم کے فروش پر بلاکراہت نماز کا سجدہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ فرش یا گدّا ایسا سخت ہو کہ اس پر سجدہ کرنے سے ماتھا اور ناک وغیرہ اس کی تہ میں نہ چلے جائیں اس لیے کہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے بنے ہوئے گدّے پر نماز پڑھی تھی۔

مسئلہ: مسجد کو گچ اور سفید مٹی یعنی چُونے وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے۔ منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک نے شام کے خراج کے سہ گنا مال سے جامع مسجد دمشق کی تعمیر کی تھی۔

اعجوبہ بیت المقدس مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے مسجد بیت المقدس کی تعمیر اور اس کی آراستگی پر پُورا زور لگایا یہاں تک کہ مسجد کے قُبّہ کی چوٹی پر کبریت نصب فرمایا اور وُہ اس زمانہ میں ایک بیش بہا اور نادرِ روزگار سمجھا جاتا تھا اور اس کی میلوں تک روشنی نظر آتی ہے یہاں تک کہ بارہ میل کے اندر چرخہ کاتنے والی عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں جب بدبخت بخت نصر نے بیت المقدس کو ویران اور برباد کیا تو نہ صرف کبریت احمر بلکہ مسجد شریف کا تمام سونا چاندی اور تمام جواہر و لعل اپنے شہر بابل لے گیا۔ اس سامان کو ایک لاکھ ستر

---

[1] ہم اہلسنت اس وسعت کو بدعات حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ہم اور مخالفین سب عامل ہیں لیکن ان بیوقوفوں سے تعجب ہے، جو کہتے ہیں کہ بدعت خواہ حسنہ ہو تب بھی حرام ہے لیکن وہ اس پر نہ صرف عمل کرتے ہیں بلکہ اسے اجر عظیم سمجھتے ہیں اور نہ صرف ایک بلکہ دو تہائی دین میں اسی قاعدہ پر چل رہا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "العصمۃ من البدعۃ" میں ہے۔

اونٹوں پر لادا گیا۔

مسئلہ: مسجد میں روشنی کے قندیل لٹکانا اور دیے، موم بتی وغیرہ جلانا جائز ہے۔

حدیث شریف: جو شخص مسجد میں روشنی کے لیے قندیل لٹکاتا ہے تو اس کے لیے اس وقت تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے رہیں گے جب تک وہ قندیل نہیں ٹوٹے گا۔ (کذا فی الکشف)

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلاتا ہے تو جب تک مسجد میں روشنی رہیگی تو اس کے لیے فرشتے اور حاملین عرش استغفار کرتے رہیں گے۔

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد میں ایک ہزار سات سو سونے کے قندیل چاندی کے زنجیروں سے لٹکانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

حکایت مروی ہے کہ مسجد نبوی میں روشنی کے لیے کھجور کی چھال جلائی جاتی تھی۔ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو اپنے ساتھ قندیل اور ایک رسی یعنی بٹ اور تیل ساتھ لائے اور مسجد کے ہر ستون کے ساتھ قندیل لٹکا دیا۔ جب حضور علیہ السلام نے مسجد شریف میں بہت زیادہ روشنی دیکھی تو آپ نے تمیم داری کو دعا دی اور فرمایا: تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہیں روشن کرے۔ اور فرمایا: بخدا اگر میری لڑکی ہوتی تو میں اس کا تیرے ساتھ نکاح کر دیتا۔

فائدہ: بعض مورخین نے لکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قندیل لٹکایا۔ اسی قول کی تائید بعض مفسرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: والمستحب من بدع الافعال تعلیق القنادیل فیھا۔ یعنی بدعت حسنہ کو اپنانا مستحب ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مسجد میں قندیل لٹکایا جائے۔ اور یہ کام سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ نماز باجماعت ادا کریں اور اسکی امامت اُبی بن کعب فرمائیں۔ جب تراویح کی جماعت کا حکم فرمایا تو مساجد میں قنادیل لٹکانے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

حضرت علی نے حضرت عمر کو دعا دی جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ مسجدیں بارونق ہیں، حفاظ مساجد میں قرآن شریف سُنا رہے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غائبانہ دعا دی کہ اے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے آپ نے ہماری مساجد کو روشن فرمایا۔

ازالۂ وہم حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق یہ روایت بھی صحیح ہے اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قندیل لٹکانا بھی درست۔ اس کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی رسم قندیل کو مزید فروغ بخشا۔ پھر یہ قاعدہ ہے کہ فعل کی اصل موجد کے بجائے فروغ دینے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

حکایت کسی کو مامون الرشید نے کہا کہ مسجد میں روشنی کے متعلق معقول وجہ بتائیے جبکہ زائد از ضرورت روشنی جلائی جاتی ہے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں حیران تھا کہ مامون کو کیا جواب دُوں، اسی حیرانی میں مجھے نیند آگئی، مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا مجھے کہتا ہے کہ مامون کو کہو کہ مسجد کی روشنی تہجد گزاروں کے لیے موجب انس اور اس سے اللہ تعالیٰ کے گھر سے تاریکی کی وحشت کا دفعیہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس پر میں جاگ اُٹھا اور مامون کو یہی وجہ لکھ کر بھیجی۔

مسئلہ: لیکن اتنی زاید روشنی بھی نہ ہو کہ جس سے اسراف کا وہم پیدا ہو جیسے شب برات یعنی ۱۵ شعبان کی شب کو زاید از ضرورت روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے یہاں تک اسی رات کا بعض لوگوں نے لیلۃ الوقود (روشنی والی رات) نام رکھ دیا۔

فائدہ: اس کے جواز وعدم جواز اور کراہت اور عدم کراہت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے نقش و نگار اور اس کے سنوارنے کا ہے بعض فقہائے نے مکروہ کہا اور بعض نے ناجائز۔ (کذا فی انسان العیون للحلبی)

بدعت حسنہ اور اولیاءِ کرام کے قبہ جات وغیرہ کا ثبوت

حضرت الشیخ عبدالرحمٰن نابلسی[1] قدس سرہٗ نے "کشف النور عن اصحاب القبور" میں عرصہ پہلے وہابیوں دیوبندیوں کا منہ بند کر گئے چنانچہ اوّلاً وہ بدعتِ حسنہ کا قاعدہ لکھتے ہیں پھر اسی قاعدہ پر بدعتِ حسنہ کو سنت کا لقب دے کر اہلسنت (بریلوی) کی تائید فرماتے ہیں جسے وہابی دیوبندی نہ مانیں یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے ورنہ یہ سیکڑوں سال پہلے کی بات ہے جسے آج ہم بیان کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی فتویٰ سے بدعتی اور مشرک کہلواتے ہیں۔ سیدنا عبدالغنی نابلسی کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمّٰی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامہ حتی لا تحتقروا صاحب ھذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضاً للاولیاء فالمقصد

بدعتِ حسنہ جو شرع کے مقصود کے موافق ہو اس کا نام سنت ہے، یہی وجہ ہے کہ اولیاء و علماء کے مزارات پر قبہ جات بنانا اور ان کے مزارات پر غلاف ڈالنا اور ان کے سرہانے پگڑی باندھ کر رکھنا اسی طرح ان پر اور کپڑے ڈالنا جائز ہے اس لیے کہ ایسے امور کا مقصد صرف یہی ہے کہ عوام کی نظروں میں اولیاء و علماء کی تعظیم ہو ان کی معمولی قبروں کو دیکھ کر انھیں حقیر نہ سمجھیں اسی طرح ان کے مزارات پر روشنی چراغاں کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ اولیاء و علماء کا اعزاز و اجلال ہو اس نیت سے ان

---

[1] یہ وہی نابلسی ہیں جو شاہ ولی اللہ کے اجداد اساتذہ سے ہیں ۱۲

فیہما مقصد حسن و نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لہم و محبۃ فیہم جائز ایضاً لا ینبغی النہی عنہ [1]

امور کا کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے مزارات کے لیے تیل اور روشنی وغیرہ کی منت ماننا جائز ہے جبکہ اس سے اولیاء و علماء کی تعظیم مطلوب ہو اور یہ امور محبت و عقیدت سے بجالائے جائیں ایسے امور کا روکنا نہایت ناموزوں ہے۔

مسئلہ: مسجد میں داخل ہونا اور بیٹھنا اور اس میں ٹھہرنا اور عبادت کرنا اور ذکر کرنا اور درس و تدریس کا شغل رکھنا اسی طرح کے دیگر امورِ خیر تمام جائز ہیں۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو جہاد سے بھی افضل ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کی، بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مسجدیں بناؤ تاکہ اس میں قرآن اور فقہ اسلامی اور سنت نبوی کی تعلیم ہو۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: مسجد کو ایسے امور سے بچایا جائے جن امور کے لیے نہیں بنائی گئی یعنی اس میں دنیوی باتیں نہ کرنے دی جائیں۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ یا جیسے گھاس کو جانور کھا جاتے ہیں۔

مسئلہ: مسجد اور مجلس علم میں اور مُردے کے قریب اور گورستان میں اور اذان اور تلاوتِ قرآن کے وقت دنیوی باتیں کرنے سے تیس سال کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین پر میرے گھر مساجد ہیں اور میرے زائر ان کی تعمیر کرنے والے ہیں، اس بندے کو مبارک ہو جو گھر سے وضو کر کے میرے گھر میں عبادت کے لیے آتا ہے پھر گھر والے کا حق ہے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔

صوفیانہ باتیں حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمارت مسجد سے مراد یہ ہے کہ موافق عبودیت کو آباد کیا جائے لیکن ان کی آبادی بشریت کے اوطان کو برباد اور ویران کیے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عابد وہ ہے جو اوطان شہوت کو مٹائے اور ... وہ ہے جو بشریت کا تصور بھی ختم کر دے ہر ایک صنف اپنے مقام پر ہے اسی طرح ان کے ایمان کے مراتب بھی مختلف ہیں کسی کا ایمان برہان ہے کسی کا بیان سے کسی کا عیان سے، اسی طرح ان کے فضائل کے درجات ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقی معماروں اور سچے زائرین سے بنائے آمین

---

[1] اس موضوع پر اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک رسالہ "بریق المنار" لکھا ہے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ﴿٢١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: کیاتم نے حجاج کی سبیل اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو ان لوگوں کے برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ بہت بڑا ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں ان کا رب تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ان باغات کی خوشخبری سناتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ثواب ہے۔ اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست مت بناؤ اگر وہ بجائے ایمان کے کفر کو پسند کریں تم میں جو بھی ان سے دوستی کریں گے تو وہ بڑے ظالم ہیں۔ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور وہ تمہارے مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں خطرہ ہے اور وہ مکان جو تمہیں مرغوب ہیں اور یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر عالمانہ، شانِ نزول[۱] أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مروی ہے کہ

مشرکین مکہ نے کہا حاجی کو حج کے موقعہ پر پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور جہاد کرنے سے بہتر ہے کفار حرم مکہ کی نگرانی پر بہت بڑا فخر کرتے اور کہتے کہ ہم اہلِ ایمان سے بہت زیادہ ہیں اور حرم مکہ کی ہمسائیگی اور اس کی تعمیر کرنے والے بھی ہم ہیں اُن کے ردّ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ بعض مشرکین مکہ زمانۂ جاہلیت میں حجاج کو زبیب کا نچوڑ یا شہد یا ستو پیش کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں پانی پلانے کا منصب حضرت عباس کے سپرد تھا اور مسجد حرام کی تعمیر شیبہ بن طلحہ کی ذمہ داری میں تھا۔ ایک دن یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخریہ طور کہنے لگے کہ سقایہ اور مسجد حرام کی تعمیر کا کام ہمارے سپرد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں دولتِ اسلام اور جہاد نصیب ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

شانِ نزول ۳ مروی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ حجاج کو پانی پلاتا ہوں اس بڑے عمل کے بعد دوسرے اعمال کی مجھے ضرورت کیا ہے۔ دُوسرے نے کہا کہ مجھے مسجد حرام کی تعمیر کی سعادت حاصل ہے اس بڑے عمل کے بعد مجھے اور کسی عمل کی حاجت نہیں۔ تیسرے نے کہا کہ تمہارے ان اعمال سے جہاد افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے سامنے آواز بلند مت کرو۔ یعنی ادب کا مقام ہے فلہٰذا اب خاموش رہو تمہاری یہی تمام گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جائے گی (یہ جمعہ کا دن تھا) جب ہم نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو حضور علیہ السلام کو عرض کریں گے ان کی اس گفتگو پر یہی آیت نازل ہوئی۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے لوگو مسلمانو! یا مشرکو! تم سقایہ اور تعمیر مسجد کی خدمت اور دیگر امور کو ہجرت اور جہاد اور اسی طرح کے دُوسرے اعمال پر ترجیح دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ سقایہ اور تعمیر مسجد حرام علو درجات اور فضیلت ہیں۔ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اس شخص کی طرح ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔

سوال: سقایہ اور عمارۃ دونوں مصدر ہیں اور یہ عوارض یعنی معنوی امور ہیں انہیں من اٰمن سے کس طرح تشبیہ دی جا سکتی ہے جبکہ من اٰمن ذوجبد ہیں یعنی معنوی امور کو اشیاءِ محسوسہ سے تشبیہ کیوں دی گئی۔

جواب: سقایہ اور عمارۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی عبارت در اصل اهل السقاية و اهل العمارة تھی۔ اس تقدیر پر محسوسات کو محسوسات سے تشبیہ ثابت ہوئی یا من اٰمن باللہ سے پہلے ایمان مضاف محذوف ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یُوں تھی سقاية وعمارة کا ایمان من اٰمن باللہ الخ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سقایہ اور عمارۃ المسجد الحرام اگرچہ نیکی کا کام ہیں لیکن وُہ مومن کے ایمان وجہاد سے کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہو سکتے چنانچہ فرمایا:

لَا يَسْتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ یعنی فریق اول یعنی مشرکین، فریق ثانی یعنی مومنین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں فریق ثانی کا درجہ بلند ہے اس لیے کہ ہر موصوف اپنے صفات سے بلندی پاتا ہے۔ ان دو گروہوں کو غور سے دیکھا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے صفات ایمان وجہاد اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مراتب ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ ان کے موصوف یعنی مسلمان کافروں سے افضل ہیں وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۘ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں بخشتا یعنی وُہ کافر جو شرک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرکے ظالم ہُوئے اس وجہ سے وہ گمراہی میں منہمک ہیں بنا بریں وہ ان لوگوں کی برابری نہیں کرسکتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور انہیں حق وصواب کی توفیق عطا فرمائی اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط : پہلی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ مومن وکافر کو برابری حاصل نہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ مشرکین گمراہ اور ظالم ہیں۔

یعنی وہ لوگ جو مومن ہیں وَهَاجَرُوۡا اور انہوں نے اپنے وطن کو خیرباد کہہ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوگئے وَجَاهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اور طاعتِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کیا بِاَمۡوَالِهِمۡ مجاہدوں پر اپنے اموال خرچ کرکے یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو زیر کرنے کے لیے اپنے اموال مجاہدوں کے لیے تیار رکھتے ہیں۔ وَاَنۡفُسِهِمۡ اور جنگ کے میدان میں اپنے نفسوں کو پیش کرکے یعنی وہ حضرات جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ بہت بڑے مراتب ودرجات والے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اور بزرگی وکرامت میں یہ حضرات کافروں سے بلند وبالا ہیں، اگرچہ کافروں میں کتنی ہی نیکیاں پائی جائیں منجملہ ان کے سقایہ وتعمیر مسجد حرام بھی ہے تب بھی وہ اہل ایمان کے مراتب ودرجات وکمالات کو کسی صورت میں نہیں پہنچ سکتے۔

سوال : اعظم افعل التفضیل کا صیغہ ہے اس کا تقاضا ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہیں حالانکہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی قسم کی عزت وعظمت نہیں بلکہ وہ تو اس کے ہاں ذلیل ترین ہیں۔

جواب : چونکہ کفار اپنے خیال پر اپنی عزت وعصمت کے قائل تھے ان کے غلط خیال کے مطابق ایسے فرمایا چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تائید ملتی ہے اصحاب الجنۃ خیر مستقرا و احسن مقیلا ۔ بہشتی لوگ استقرار کے لحاظ سے بہتر اور آرام کرنے کے اعتبار سے احسن ہیں اس آیت میں بھی کافروں کی غلط خیالی کا رد ہے یا یوں کہو کہ یہ افضل التفضیل کے صیغے مطلق معنے پر دلالت کرتے ہیں اس کے جوابات ہم نے اسی تفسیر میں پہلے کسی جگہ پر مفصل عرض کیے ہیں۔

وَ اُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ جن کے اوصاف اوپر مذکور ہُوئے هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ○ وہی بہت بڑی کامیابی کے ساتھ مخصوص ہیں یا یہاں پر مطلق کامیابی مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کامیابی صرف انہی سے منسوب ہے اگر ان کے ماسوا کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ کالعدم بلکہ ان کی کامیابی کے مقابلہ میں ان کے ماسوا کی کامیابی لاشئے متصور ہوتی ہے۔

فائدہ : ان کے ماسوا سے وہ کفار مراد ہیں جو سقایہ وتعمیر مسجد وغیرہ پر فخر کرتے تھے۔

یُبَشِّرُهُمۡ رَبُّهُمۡ انہیں ان کا رب تعالیٰ دنیا میں رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے خوشخبری سناتا ہے بِرَحۡمَةٍ بہت

بڑی رحمت کی مِّنْهُ اپنی جانب سے یہاں پر رحمت سے عذاب آخرت سے نجات مراد ہے وَرِضْوَانٍ اور کامل خوشنودی وَجَنّٰتٍ اور بہت بلند اور عالیشان باغات نصیب ہوں گے لَّهُمْ ان کے لیے ان باغات میں نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ۝ دائمی نعمتیں ہیں، یعنی وہ نعمتیں جو انہیں بہشت میں نصیب ہوں گی وہ غیر منقطع ہوں گی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اَبَدًا یہ خٰلدین کی تاکید ہے تاکہ آیت کا مطلب مؤکد اور مزید واضح ہو جائے تاکہ خٰلدین سے کوئی مجازی معنے مراد نہ لے سکے اس لیے کہ خلود بمعنے طویل المکث (دیر تک رہنا) کے بھی آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں بہشت میں اجر و ثواب اندازہ سے باہر ہے اور یہ محض اس کی رحمت اور اپنا فضل و کرم ہوگا ورنہ وہ دنیوی اعمال کی مزدوری نہیں ہوگی۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے رحمت عاصیوں کے لیے اور رضوان فرمانبرداروں کے لیے اور جنت جمیع اہلِ ایمان کے لیے ہے۔

نکتہ: رحمت کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ گنہگار کو رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے بلکہ گنہگار کو یقین ہو کہ اس کے گناہ اگرچہ عظیم ہیں لیکن اس کی رحمت عظیم تر ہے۔ ؎

گنہ ما بروں ز حد و شمار عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ
قطرہ ز آبِ رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ

ترجمہ: ہمارے گناہ حد و شمار سے باہر ہیں لیکن تیری عفو و مغفرت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ تیری رحمت کا تو صرف ایک قطرہ بھی کافی ہے اس ایک قطرہ سے ہمارے تمام گناہ دُھل جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کفار و مشرکین بکفر و شرک جلی اہلِ ایمان کے اعمال و طاعات کے مساوی نہیں ایسے ہی مشرکین بشرک خفی یعنی عوام طاعت گزار بھی مخلصین اولیاء اللہ کے احوال و مقامات کے برابر نہیں ہو سکتے اس لیے وہ زہد و تصوّف اور تعرف و تعبد جس میں ریاء و ہوٰی اور اغراض دنیویہ و اخرویہ کی ملاوٹ ہو اہل اللہ کے نزدیک سب بیکار ہے اس لیے کہ یہ خدمت ناقص ہے اس سے کسی قسم کا اچھا نتیجہ ثابت ہوگا جیسے خراب بیج زمین میں ڈالنے سے اچھا پھل پیدا نہیں ہوتا۔ ؎

دنیا داری و آخرت مے طلبی
ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

ترجمہ: دنیادار ہو کر آخرت کا دعویدار ہوتا ہے یہ ناز برداری باپ کے گھر میں ہو سکتی ہے۔

خادم و متخادم کا فرق اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو۔ نہ والا کبھی لوگوں سے یہ طمع نہیں کرتا کہ وہ اس کی قدر و منزلت پہنچائیں۔ اسی لیے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خادم و متخادم میں فرق ہے۔ متخادم وہ ہے جو مخدوم کی خدمت میں اپنی خواہش نفسانی کو دخل دے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ مخدوم کی خدمت میں اس کی رضا اور رنجش کو مدِ نظر نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنی قلبی خواہش کے پیشِ نظر خدمت کرتا ہے پھر خدمت کر کے منتظر رہتا ہے کہ اس کی مدح و ثناء ہو اور خادم ان تمام بیماریوں سے پاک ہوتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

زھد کیا ہے جمیع مافی الدنیا کے جمیع حظوظ النفسانی کے تبرک کا نام زہد ہے۔

حظوظ مالیہ وجاہیہ اس وقت سے پیدا ہوتے ہیں جب بندہ چاہے کہ لوگوں کے ہاں

ایک روحانی مرض اور اُس کا علاج اس کی قدر و منزلت ہو اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کی بہت زیادہ تعریف کریں۔

اس کا علاج حدیث شریف میں ہے کہ بندہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس سے غضب الٰہی دُور رہتا ہے جب تک دنیا کے کسی نقصان کی پروا نہ کرے جس وقت دنیوی نقصان پر ملال کرنے لگتا ہے تو پھر ہزاروں بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے تو جواب ملتا ہے کہ تیرا یہ کلمہ صدقِ دل سے نہیں ہے۔

حکایت بنی اسرائیل کے ایک نیک بخت نوجوان کو کسی شہزادی ملکہ نے زنا کے لیے اپنے قابو میں لے لیا۔ اُس نوجوان نے کہا کہ مجھے غسل خانہ میں لے چلو تاکہ میں صاف ستھرا ہو لوں۔ جب اُسے غسل خانہ میں لیجایا گیا تو وہ چوری چھپے کسی اونچے مکان پر چڑھ گیا اور وہاں سے چھلانگ لگائی تاکہ زنا کی لعنت سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ اسے پروں پر اٹھا کر زمین پر آرام سے جاکر بٹھا دو تاکہ اسے کسی قسم کی چوٹ نہ آئے۔ چنانچہ ایسے ہوا کہ اُسے فرشتوں نے آرام سے زمین پر پہنچایا۔ شیطان سے کسی نے اس کے متعلق سوال کیا کہ تم نے اسے گمراہ کیوں نہ کیا؟ شیطان نے جواب دیا کہ اللہ والوں پر میری کوئی نہیں چلتی۔

سبق: جو بھی نفس کی خواہشات کے خلاف کرتا ہے اسے یہی مرتبہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کی نگرانی خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور حقیقی جہاد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندگی بسر کرے۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسے دنیا و آخرت کے نقصانات سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

فائدہ: عارف باللہ حضرات فرماتے ہیں کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے کھانے پینے میں، لباس وغیرہ میں۔ یعنی کپڑے پہنے تو اللہ کی رضا پر کھائے یا پئے تو اللہ تعالیٰ کی رضا پر اسی طرح پسند کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔

حدیث شریف: جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لگاتا ہے تو قیامت میں آئے گا تو اس کی خوشبو خالص مشک سے بھی زیادہ معطر ہو گی اور جو خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر لگاتا ہے تو قیامت میں اس سے مردار سے زیادہ گندی بدبو آئے گی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرے اپنے نفس کے کنٹرول میں لمحہ بھر بھی چشم پوشی نہ کرے اس کی ہر حرکت ہر کلام اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہو۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں نفس سے جہاد کرنا اور وجود و موجود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ نفس متمردہ کے لیے مقام عندیہ میں قرب اسے [illegible] نصیب ہوتا ہے اور جسے مقام عندیہ کا وصال حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے اجر بن جاتا ہے

اسے پورے طور پر یاد کر لینا ضروری ہے اس سے غفلت نہ کرنی چاہیے۔

تفسیر عالمانہ ، شانِ نزول ۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا ان میں سے بعض ان لوگوں نے کہا (جو اپنی عورتوں اور اولاد اور رشتہ داروں کی محبت میں مبتلا تھے) کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں کہ آپ ہمیں ایسے کام پر مجبور نہ کریں کہ جس سے ہم ضایع ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام ان کے حال پر رحم فرماتے ہُوئے ہجرت کا ارادہ ترک کرانے پر آمادہ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اپنے کافر آباء اور بھائیوں کو تم میں نہ بناؤ اَوْلِيَآءَ دوست اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ اگر وہ کفر کو پسند کریں عَلَى الْاِيْمَانِ ط ایمان پر۔ استحبوا کو علی سے متعدی کرنے کا اشارہ ہے کہ یہ اختیار اور حرص کے معنیٰ میں ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ اور جو تم میں ان سے دوستی کرتا ہے یعنی ان کے کردار (کفر) کو اچھا سمجھتا ہے۔ یہ مِنْ تبعیضیہ نہیں بلکہ جنسیہ ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہی دوستی کرنے والے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وہی ظالم ہیں اس لیے کہ انہوں نے دوستی کے فعل کو غیر محل میں رکھا گویا باقی ظلم ان کے ظلم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

ف : حضرت امام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہُوئی اور یہی صحیح ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ اس آیت سے ہجرت واجب ہوئی اور سب کو معلوم ہے کہ ہجرت قبل از فتح مکہ واجب ہوئی تھی حق یہ ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت کیا جائے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی بیزاری کا وجوب اسی آیت سے ثابت ہوا اور آج کے بعد لازم کر دیا کہ رشتہ داروں سے ہر طرح کی دوستی ترک کر دو ظاہراً بھی باطناً بھی اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دو ان کے سامنے اپنے مخفی اسرار کا افشاء بھی نہ کرو اور انہیں یہ بھی نہ کہو کہ کاش ہم ہجرت نہ کر جاتے وغیرہ۔ اس تقریر کی تائید و من یتولھم منکم فاولئك ھم الظّٰلمون سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ الظّٰلمون بمعنے المشرکون ہے۔

نکتہ : حدادی نے لکھا کہ ان کی دوستی کو کفر و شرک سے اسی لیے تعبیر فرمایا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ الراضی بالکفر یکون کافرا۔ کسی کے کفر پر راضی ہونے والا بھی اس کی طرح کافر ہوتا ہے[1]

شانِ نزول ۲ کاشفی نے لکھا ہے کہ جب آیت مذکورہ بالا نازل ہُوئی تو ہجرت سے گریز کرنے والوں نے کہا کہ اگر ہم مکہ سے ہجرت کر کے چلے جائیں تو سب سے بڑی خرابی یہ ہو گی کہ ہم اپنے قبائل و عشائر سے جُدا ہو جائیں گے

---

[1] اسی قاعدہ کے تحت ہم ان عبارات کفریہ کی وجہ سے موجودہ دیوبندیوں وہابیوں مودودیوں کو خارج از اسلام اور مرتد کہتے ہیں کہ ان کے اکابر کلمات کفریہ اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں تو یہ لوگ ان عبارات کو صحیح کہہ کر ان کی تاویلات کا دروازہ کھولتے ہیں گویا اس معنے پر وہ ان کی عبارات کفریہ پر راضی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے اعلٰحضرت قدس سرہٗ کی کتاب "حسام الحرمین" شریف۔ اویسی غفرلہٗ

اس وقت ہمارے تجارتی معاملات زوروں پر ہیں اور بسراوقات بھی اچھی ہے لیکن ہجرت سے یہ تمام امور بگڑ جائیں گے علاوہ ازیں ہمارے ماں باپ نے یہاں زندگیاں بسر کیں اور وہ اب بھی زندہ موجود ہیں ہم انہیں چھوڑ کر کہاں جائیں۔ یہ سودا ہمارے لیے گھاٹے کا ہے ہجرت کر کے ہم اپنے آپ کو بیکس اور بے بس نہیں بنانا چاہتے ان کی اس غلط پالیسی پر یہ آیت اُتری قُلْ فرمائیے میرے پیارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہجرت سے گریز کرنے والوں سے اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اگر ہیں تمہارے آباء و ابناء اور بہن بھائی اور تمہاری عورتیں اور اور تمہارے قریبی رشتہ دار۔ العشیرۃ قریبی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے اس کا مادہ معاشرہ ہے بمعنی مخالطہ۔ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا اور وہ مال جو تم نے کمائیں کما کر حاصل کیے۔

نکتہ: مال کو اقتراف سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اموال انہیں بہت مرغوب تھے اس لیے کہ انہوں نے ان کے حصول میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی وَتِجَارَةٌ اور وہ مال و متاع جو تم نے تجارت اور حصول نفع کے لیے خریدا۔ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا جس کے گھاٹے کا تم کو خطرہ ہے یعنی خطرہ کرتے ہو کہ تجارتی اسباب کا نرخ گر جائے تو موسم حج میں انہیں گراں قیمت سے بیچ سکو وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اور تم اپنے ان مکانات سے خوش ہوتے ہو یعنی ان مکانات کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھتے ہو کہ ایسے بہتر اور اچھے مکانات اور باغات کہاں اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے (کہ انہوں نے تمہیں ہجرت الی المدینہ کا حکم فرمایا) محبوب تر ہیں وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ اور تمہیں جہاد فی سبیل اللہ سے وہی محبوب تر ہیں۔

ف: یہاں اختیاری محبت مراد ہے یعنی وہ محبت جو ان کو کسی دوسری وجہ سے اختیار کرنی پڑی اس سے جبلی محبت مراد نہیں اس لیے کہ یہ تو ہر انسان میں غیر اختیاری ہوتی ہے اور یہ تکلیف شرع کے حکم میں داخل نہیں اس لیے کہ امور تکلیفیہ وہاں ہوتے ہیں جہاں بندے کی قوت و طاقت کو دخیل ہونا پڑے۔

فَتَرَبَّصُوْا یہ شرط کا جواب ہے یعنی پس انتظار کرو حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ بِاَمْرِهٖ اپنے حکم کو اس سے جلدی یا دیر کا عذاب مراد ہے اس میں ان لوگوں کو وعید ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو دینی مصلحت پر ترجیح دیتے ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہاں فاسقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے برعکس مشرکین کی محبت میں گرفتار ہوئے۔

سبق: یہ وہ سخت وعید ہے کہ جس سے بہت کم لوگ بچ سکتے ہیں ورنہ دور حاضرہ کے زاہدوں عابدوں اور تقویٰ کے دم بھرنے والوں (غلط کار پیروں فقیروں) کے حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں اس لیے کہ ان کا دنیوی معاملہ اگر معمولی طور بھی گھاٹے میں پڑ جائے تو کئی روز تک حیران اور پریشان بلکہ غمگین و حزیں رہتے ہیں لیکن ان سے بڑے بڑے دینی امور ضائع ہو جائیں تو پروا نہیں۔ ان کے دور کا حال ہے ہمارا دور اس سے بھی نازک تر ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص طاعت الٰہی پر دنیوی امور اور خواہشات نفسانی کو ترجیح دیتا ہے تو اسے زُود یا بدیر عذاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

سبق صوفیانہ: اے عزیز! تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کونین سے بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا: فانھم عدولی الا رب العٰلمین۔ ان کی سیرت تم نے پڑھی ہے کہ مال مہانوں پر اور بال بچے راہِ حق میں قربان کر دیئے اور خود کو آتشِ نمرود میں ڈال دیا تاکہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کا دم بھرنا صحیح ثابت ہو سکے۔

آنکس کہ ترا شناخت جانرا چہ کند

فرزند و عیال و خانرا چہ کند

ترجمہ: جس نے تجھے پہچانا وُہ جان کو کیا کرے گا بلکہ آل اولاد اور جملہ خاندان کی بھی اسے پروا نہیں رہے گی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان اور آل و اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ ابن الملک نے فرمایا کہ اس نفی سے کمال کی نفی اور محبت سے بھی اختیاری مراد ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن سے فرمائیں کہ کافروں سے لڑکر شہید ہو جاؤ یا فرمائیں کہ اپنے کافر ماں باپ اور کافر بیٹوں کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے اور یقین رکھے کہ دارین کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اس میں اپنے نفس کی خواہش کو خیال نہ ہونے دے۔ اس کی مثال اس بیمار کی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ دوائی کڑوی ہے اسے طبیعت ہرگز قبول نہیں کرتی لیکن جب طبیب (ڈاکٹر) اسی دوائی کے پینے کا حکم فرماتا ہے تو مریض کو وہی کڑوی دوائی میٹھی پڑتی ہے اگرچہ اس کی طبیعت اسی دوائی سے متنفر ہے لیکن سمجھتا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے۔

سبق: جب ایک معمولی انسان یعنی طبیب (ڈاکٹر) کے فرمان پر اسے اتنا اعتماد ہے تو پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پر کیوں اعتماد نہ ہو جبکہ بحیثیت مسلمان اور ان کے اُمتی ہونے کے اسے یقین ہے کہ وہ خود نہیں فرما رہے بلکہ ان کا فرمان فرمانِ حق ہے۔ اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں آباء و ابناء کی محبت کیا وقعت رکھتی ہے جب یقین ہے کہ وہ ہمارے لیے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں اور ہماری شفقت و رحمت سے انہیں ذاتی طور کوئی غرض بھی نہیں۔

نبی علیہ السلام سے محبت کی علامات کا بیان حضور علیہ السلام کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت کی نصرت اور آپ کی شریعت پر اعتراضات کی مدافعت کی جائے۔

حکایت منقول ہے کہ احمد بن یحییٰ دمشقی ایک روز اپنی ماں باپ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا قصہ چل نکلا ان کے والدین نے فرمایا: بیٹے! ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے قربان کرتے ہیں

جاؤ دین حاصل کرو۔ احمد بن یحییٰ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، اے الٰہ العلمین! اب بجز تیرے میرا کوئی حامی کار نہیں۔ پھر کعبہ میں جاکر خوب روئے۔ اسی طرح چوبیس بار کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر بار بار روئے اس کے بعد پھر والدین کی زیارت کے لیے گھر واپس آئے۔ دمشق میں پہنچ کر باپ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا والد صاحب گھر پر نہیں تھے۔ اندر سے ماں بولی، تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کا بیٹا احمد ہوں۔ بی بی نے کہا، ہمارا ایک بیٹا تھا اسے ہم نے راہِ خدا میں دے دیا ہے تم کون ہو جاؤ ہم احمد، محمود نامی بیٹوں کو نہیں جانتے۔ (کذا قال شیخ الاسلام قدس سرہٗ)

فائدہ: اس سے بی بی کی استقامت کا اندازہ کیجیے۔ ؎

ما ہرچہ داشتیم فدائے تو کردہ ایم — جاں را اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم
ما کردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز — وینہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

ترجمہ: ہمارے ہاں جو کچھ تھا وہ ہم نے تیرے اوپر قربان کر دیا یہاں تک کہ جان بھی تیرے اوپر فدا کر دی ہم نے اپنی خودی مٹا دی بلکہ ہر دو جہانوں کا تصور بھی دل سے ہٹا دیا جو کچھ کیا ہے صرف تمہاری خاطر کیا ہے۔

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا عملی ثبوت مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کیا کہ مکہ معظمہ سے کفار و مشرکین کی اذیتوں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہ بھی رضائے الٰہی اور حصول اجر و ثواب کے پیش نظر پھر واپس اسی شہر کو لوٹنے کے لیے اگرچہ ان کا جی نہیں چاہتا تھا لیکن جونہی انہیں اس شہر کی واپسی کا حکم ہوتا فوراً لوٹ کر ضروریات دینیہ پوری کرتے اور اپنا طبعی اختیار چھوڑ کر تعمیل ارشاد نبوی کو ترجیح دیتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے دین کی اصلی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی استعداد کو محبت الٰہی کے غیر میں صرف کرے گا تو مارا جائے گا اسی کو قرآن کی اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے مشتق از فسق بمعنے الخروج من محبة الخالق الی محبة المخلوق۔ یعنی خالق کی محبت کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت میں مبتلا ہو جانا اور قاعدۂ تصوف ہے کہ جو شخص اپنے دنیوی امور کی محبت میں محبت الٰہی کی استعداد ضایع کر دے تو اس سے فیض الٰہی کے قبول کرنے کی صلاحیت واہلیت سلب ہو جاتی ہے اور وہ دائمی طور پر محروموں کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، جب محروموں میں شامل کیا جاتا ہے تو اسے قہر الٰہی گھیر لیتا ہے، چنانچہ فرمایا: واللہ لا یہدی القوم الفاسقین۔ یہاں الفاسقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو اپنی فطری استعداد سے محروم ہو بیٹھے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی درگاہ اور فیض جمال کے قبول کرنے کی رہبری نہیں فرمائے گا اس لیے کہ انہوں نے حسنِ استعداد کو ضایع کر دیا۔

زیارتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہدایات عجیبہ حضرت بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی مجھے فرمایا، اے بشر تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاصرین سے تمہیں بلند قدر کیوں بنایا ہے؟ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

(باقی بر صفحہ آئندہ)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰي يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن میں بھی جب تمہیں اپنے لشکر کی کثرت نے مغرور کر دیا تو وہ تمہیں کچھ کام نہ دے سکی زمین باوجودیکہ وسیع ہے لیکن تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور اہلِ کفر کی یہی جزا ہے پھر جسے چاہے گا توبہ کی توفیق نصیب فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اے ایمان والو! بیشک مشرک نرے پلید ہیں تو اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمہیں مفلسی کا خطرہ ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں دولت مند کر دے گا اگر چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں کو حرام مانتے ہیں اور نہ ہی دینِ حق کی تابعداری کرتے ہیں یعنی اہلِ کتاب سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے وجوہ یہ ہیں:

۱۔ میری سنت کی اتباع

۲۔ نیک لوگوں کی خدمت

۳۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی
۴۔ میرے صحابہ کی محبت
۵۔ میرے اہلبیت کی محبت

تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابرار و متقین کی فہرست میں درج فرما دیا ہے۔

فائدہ: صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبت ایک بہت بڑا بلند مرتبہ ہے یہ صرف ان حضرات کو نصیب ہوتا ہے، جو قلبِ سلیم سے نوازے گئے ہیں۔

سبق: محبت کی تاثیر بہت عجیب و غریب ہے اور اس کا معاملہ بہت عظیم المرتبہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر کسی شئے کو ترجیح نہیں دیتے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ اے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہیں تمہارے دشمنوں پر غلبہ بخشا اور باوجودیکہ تم ضعیف اور کمزور اور گنتی میں بہت قلیل تھے لیکن تمہیں بلندی بخشی فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ جنگوں کے بہت سے مقامات میں۔ مواطن موطن کی جمع ہے، ہر وہ جگہ جہاں انسان اپنے کسی امر کے لیے قیام اختیار کرے۔ ان مواطن سے غزوۂ بدر و احزاب و قریظہ و نضیر و حدیبیہ و خیبر و فتح مکہ مراد ہے وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اور حنین کے دن۔ اس کا عطف مواطن کے محل پر اور اس کا مضاف محذوف ہے تاکہ مکان کا مکان پر عطف ہو یہ عبارت دراصل یوں تھی: ومکان یوم حنین ۔ یا مواطن کثیرۃ سے پہلے ایام مضاف محذوف ہے (ایام مواطن کثیرۃ) تاکہ زمان کا عطف زمان پر ہو اور یوم کو حنین کا مضاف اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ جنگ ان دنوں اسی مقام پر ہوئی تھی۔ اس معنی پر یوم حنین بمعنیٰ غزوۂ حنین ہے اس کا دوسرا نام غزوۂ ہوازن ہے، اسے غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ غزوۂ حنین اسی اوطاس کے مقام پر ختم ہوئی۔

فائدہ: حنین ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جب تمہیں تمہاری کثرت تعجب میں ڈال رہی تھی یعنی اس جنگ میں تمہاری فوج بہت زیادہ تھی اس سے تم بڑے خوش تھے الاعجاب بمعنی السرور بالتعجب یعنی متعجب ہو کر مسرور ہونا ۔ یہ یوم حنین سے بدل ہے۔

فائدہ: حنین کی جنگ میں مسلمان بارہ ہزار تھے ان میں مہاجرین و انصار میں سے بعض وہ حضرات بھی تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور ان میں دو ہزار طلقاء تھے یعنی وہ اہل مکہ جنہیں فتح مکہ کے موقعہ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کے بغیر آزاد فرمایا تھا اور مسلمانوں کی یہ جنگ ہوازن و ثقیف کے لوگوں کے ساتھ تھی جو خود چار ہزار افراد تھے سوائے اہل عرب کے دوسرے امدادیوں کے۔

غزوۂ حنین کا تفصیلی واقعہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو اواخرِ رمضان میں فتح کیا تھا یعنی رمضان المبارک کے باقی صرف تین دن رہ گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ۱۳۔ رمضان المبارک کو مکہ فتح فرمایا اس کے بعد وہیں پر قیام پذیر رہے یہاں تک کہ شوال المکرم شروع ہوا، بروز ہفتہ

۶ شوال المکرم کو غزوہ حنین کی صبح کو میدان جنگ کی طرف روانگی فرمائی اور مکہ معظمہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ یہاں کے لوگوں کو مسائل شرعیہ سمجھاتے رہیں۔

غزوۂ حنین کا موجب

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح فرمایا تو عرب کے تمام قبائل نے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔ صرف ہوازن و ثقیف کے لوگ اکڑ گئے اس لیے کہ یہ لوگ سرکش اور فرعون مزاج تھے پھر انہیں خوف پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کریں گے اسی لیے انہوں نے از خود جنگ کی تیاری شروع کر دی اسی خیال پر کہ انہیں حضور علیہ السلام اسلام کی دعوت دیں گے اس سے قبل وہ تیار رہیں چنانچہ تیار ہو کر بغاوت کے طور اعلان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تک ان لوگوں سے لڑتے رہے جنہیں جنگ کرنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ جنگ لڑینگے تو انہیں معلوم ہو گا کہ کسی سے واسطہ پڑا تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب کے سب چلو کوئی بھی گھر میں نہ رہے، بلکہ گھروں کی تمام پونجی ساتھ لے جاؤ۔ یہ طے کر کے لشکریوں کی ترتیب دی کہ عورتیں سب کی سب اونٹوں پر سوار لیکن مردوں کے پیچھے پیچھے، عورتوں کے پیچھے بچے اور اونٹ، بکریاں وغیرہ ہوں تاکہ مسلمانوں پر کثرت کا رعب ہو اور ہمارے میں سے کوئی ایک بھی جنگ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے، اور اتنا لڑو کہ تلواریں ٹوٹ جائیں۔ اپنا لشکر تیار کر کے ہوازن تک پہنچے ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوسی کے لیے حضرت عبداللہ بن ابی [illegible] کو بھیجا یہ کافروں کے لشکر میں گھس گئے اور ان کے امیر لشکر مالک بن عوف سے سنا وہ لشکر کو ہدایت دے رہا تھا کہ یاد رکھو اس وقت تم چار ہزار ہو، مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کرو یہاں تک کہ تمہاری تلواریں ٹوٹ جائیں۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاسوس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دشمن کا عزم عرض کر دیا۔ صحابہ کرام نے جب یہ خبر سنی تو سلمہ بن سلامہ وقسی انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم کسی صورت میں مغلوب نہیں ہوں گے اس لیے کہ وہ صرف چار ہزار ہیں اور ہم بارہ ہزار۔ یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناگوار گزری۔

فائدہ: بعض مفسرین یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتاتے ہیں۔ لیکن حضرت الامام صاحب التفسیر الکبیر نے فرمایا کہ ایسا قول حضور علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے اس لیے کہ آپ متوکل علی اللہ ہو کر ایسی بات ہرگز نہیں فرماتے کیونکہ آپ کا قلب دنیا اور دنیوی اسباب سے پاک تھا۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ اگر حضور علیہ السلام کی طرف یہ قول منسوب ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اسباب دنیا پر اعتماد کرنا توکل کے منافی نہیں۔

غزوۂ حنین کی تیاری

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر مبارک دلدل نامی پر سوار ہوئے اور وہ زرہ جسے داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا، زیب تن فرمایا اور علم جہاد بلند فرمایا اور جنگ کے جھنڈے مہاجرین و انصار کے ہاتھوں میں تھے بالکل صبح اندھیرے میں حنین کی وادی میں اسلامی لشکر

وارد ہوا۔ یہ منگل کا دن تھا، دشمنوں نے اپنے سپاہی غاروں میں چھپائے ہوئے تھے انہوں نے تیراندازی شروع کردی ادھر مسلمانوں نے جوابی تیر پھینکے سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگے اور ایسے بھاگ کھڑے ہوئے کہ بچے وہاں چھوڑ گئے لیکن کچھ آگے جا کر انہوں نے اپنے لشکر کو غیرت دلائی، اس پر ان کا لشکر لوٹا اور یکبارگی حملہ کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں نے (سابقہ کلمۂ تعجب کی وجہ سے) شکست کھائی کہ مشرکین کا معمولی حملہ ان پر کامیاب ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا پس تمہیں تمہاری کثرت نے نہ بچایا۔ الاغناء بمعنے اعطاء ما تدفع به الحاجة۔ کسی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی شے دینا۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ تمہاری کثرت نے تمہاری ضرورت پوری نہ کی وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تمہارے اوپر تنگ ہو گئی۔ مَا مصدریہ اور باء بمعنے مع ہے یعنی تم زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ پاتے تھے جس میں تمہیں اطمینان نصیب ہو سکے اس لیے کہ تمہارے اوپر دشمنوں کا رعب چھا گیا اسی بنا پر تمہاری کیفیت اس شخص جیسی ہو گئی جسے کہیں سکون نہ ملے۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

کان بلاد الله وهی عريضة

علی الخائف المطلوب كفة حابل

حل لغات: حابل بمعنی شکار کی رسّی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہر فراخ ہونے کے باوجود مطلوب خائف کے لیے شکار کی رسّی سے کم نہیں۔

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ پھر تم نے کافروں سے پیٹھ پھیر دی، درانحالیکہ تم شکست کھانے والے تھے کہ پھر تم مڑ کر نہیں دیکھتے تھے ولّی هارباً ای ادبر الادبار الذهاب الی خلف خلاف الاقبال۔ اقبال کے خلاف یعنی کسی کی پیٹھ کے پیچھے چلنا۔

حکایت مروی ہے کہ مکہ کے لوگوں کو جب مسلمانوں کی شکست معلوم ہوئی تو اس سے بعض اہل مکہ بہت خوش ہوئے بلکہ مسلمانوں کو جی بھر کر گالیاں دیں یہاں تک کہ صفوان بن امیہ کے بھائی نے اپنی ماں سے کہا کہ آج نبی علیہ السلام کا جادو ٹوٹا۔ اس وقت اگرچہ صفوان مشرک تھے لیکن اپنے بھائی سے ناراض ہو کر فرمایا: فض الله فاك۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے دانت توڑ دے۔ بخدا مجھے قریش سے اتنا پیار ہے کہ اب مجھے اپنے قبیلہ کے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

مسلمانوں کی شکست کے بعد کیا ہوا مسلمانوں کو جب شکست ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے، صرف آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور دوسرے ان کے ابن العم حضرت ابوسفیان بن حرب بن عبد المطلب آپ کی سواری کے رکاب پکڑے ہوئے تھے اور آپ اپنی سواری کو مشرکین کی طرف لے جانے کے لیے حرکت دیتے ہوئے فرماتے تھے: ؎

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبد المطلب

ترجمہ: میں ہوں نبی (علیہ السلام) اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں میں ہوں عبد المطلب کا صاحبزادہ۔

شرح شعر ہذا: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بلا قصد پڑھا۔ نیز آپ نے اپنے آپ کو عبد المطلب کا صاحبزادہ ظاہر فرمایا حالانکہ آپ تو حضرت عبداللہ کے صاحبزادے تھے وہ صرف اس لیے کہ آپ اہل عرب میں اپنے دادا کی طرف منسوب سمجھے وہ اس لیے کہ عرب میں حضرت عبد المطلب زیادہ مشہور تھے اور حضرت عبداللہ آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے، اور آپ نے یہ نسبت فخر کے طور پر بھی نہیں فرمائی کیونکہ فخر کے طور اپنے آباد کا ذکر جاہلیت کی رسوم سے تھا اور آپ تو جاہلیت کی تمام رسوم ختم کرنے آئے تھے چونکہ حضرت عبد المطلب کو حضور علیہ السلام نے ان کی زندگی میں دیکھا تھا اور حضرت عبد المطلب کے حالات اہل عرب میں مشہور تھے ان کی اسی شہرت پر آپ نے اہلِ عرب میں اپنا تعارف کرایا اور بعض باتوں میں نبی علیہ السلام کے معجزات اہل عرب میں مشہور تھے آپ نے وہ بھی سب کو بتائے اور رؤیا کا واقعہ بھی مشہور تھا وہ بھی سب کو معلوم کرایا۔ (کذا فی عقد الدرر واللآلی)

واقعہ رؤیا حضرت عبد المطلب یعنی حضور علیہ السلام کے دادا نے ایسا خواب دیکھا کہ جس سے خوفزدہ ہو کر اٹھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت سمجھدار بچہ تھا، میں اپنے والد کی اس حالت سے گھبرایا اور ان کے پیچھے ہو لیا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک کاہن کے ہاں تشریف لے گئے اسے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک چاندی کی زنجیر میری پشت سے نکلی اس زنجیر کی چار اطراف تھیں اس کی ایک طرف مشرق میں دوسری مغرب میں تیسری شمال میں چوتھی جنوب میں، اور اس کی طرف آسمان کی جانب ثریا تک پہنچی ہوئی تھی اسی حالت میں ایک سبز شاخ نورانی نظر آئی اس اثنا میں مجھے دو بزرگ ملے میں نے ان میں ایک سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نوح نبی علیہ السلام ہوں پھر میں نے دوسرے بزرگ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں ابراہیم نبی علیہ السلام ہوں۔ کاہنوں نے کہا اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تمہارے سے نبی خاتم الانبیاء پیدا ہوں گے وہ ایسے نبی علیہ السلام ہیں کہ جن پر آسمان اور زمین والے سب کے سب ایمان لائیں گے، اور یہ زنجیر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے تابعدار و انصار بیشمار ہیں زنجیر کے سلسلے اور درخت کی ٹہنی کی رجوع دلالت کرتی ہے اور آپ کی نبوت کے احکام ثابت اور آپ کا ذکر کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہوگا اور جو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح تباہ و برباد ہوں گے اور آپ کی ملت ملتِ ابراہیمی کی طرح ظاہر ہوگی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی عبد المطلب کا صاحبزادہ ہوں جس نے یہی خواب دیکھا تھا اس سے آپ نے فخریہ طور فرمایا، آپ نے اپنی علو ہمت اور کمال نبوت کا اظہار فرمایا۔

حنین کا آخری واقعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں پر مسلمانوں کو ابھارتے تھے، مسلمان بھاگتے ہوئے لوٹنے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سواری کو نہ روکتا تو آپ کی سواری مشرکین کے مجمع میں چلی جاتی۔

فائدہ: اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ ایسے وقت میں بھی دشمنوں سے نہ ڈرے اس کی محض یہی وجہ تھی کہ آپ کو منجانب اللہ تائید حاصل تھی۔ حضور علیہ السلام نے دُعا مانگی کہ اے اللہ! آج آپ اپنا وعدہ پُورا فرمائیے۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا؛ بلند آواز سے مسلمانوں کو بلائیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے ان کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن انہوں نے مکہ معظمہ میں بلند آواز سے پکارا تو ان کی آواز سے حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے انصار کو بلایا پھر بیت الرضوان والوں کو پھر سورۃ البقرہ والوں کو۔ اہل سورۃ البقرہ وہ ہیں جو اس سورۃ کو خصوصیت سے حفظ کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ جو سورۃ بقرہ و آل عمران کو یاد کر لیتا ہے وہ ہمارے ہیں بزرگ ترین ہے ان لوگوں کا ذکر سورۃ البقرہ امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون میں ہے۔ حضرت عباس کے پکارنے پر مسلمان جوق در جوق لَوٹنے لگے اور کہتے تھے؛ لبّیک، لبّیک۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ سکینہ سے وُہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب کو سکون ملے اور فتح قریب کے لیے اطمینان کلی نصیب ہو۔ اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق تسکین حاصل تھی لیکن یہاں ایک خصوصی تسکین مراد ہے وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اور اہل ایمان پر اس سے شکست خوردہ وغیرہ تمام اہل ایمان مراد ہیں بہر حال بھاگنے والے لوگ واپس آگئے پھر اہل اسلام کامیاب ہوئے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ایسا لشکر اتارا جسے تم نے نہیں دیکھا یعنی تم انہیں آنکھوں سے نہ دیکھ سکے جیسے تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو، اس سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو لشکری لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر آسمان سے زمین پر اُترے جنہیں کافروں نے تو دیکھ لیا اور مسلمانوں نے نہیں دیکھا تھا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جنگ کی تیاری کو دیکھ کر فرمایا کہ حین حمی الوطیس۔ اب جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ف: الوطیس ہر وُہ پتھر کہ جس کے نیچے آگ جلا کر اہل عرب گوشت بھُونتے تھے۔ دراصل الوطیس تنور کو کہا جاتا ہے اور یہ کلمات صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے گئے آپ سے پہلے کسی نے یہ کلمات نہیں پڑھے "حمی الوطیس" شِدَّۃُ الحَرْبِ سے کنایہ ہے۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو آپ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور اس سے قبل بموقعہ جنگ اپنی سواری سے کبھی نیچے نہیں اُترے تھے سواری سے اُتر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کنکریاں دیجئے یا آپ کی سواری زمین کی طرف اتنی نیچے ہو گئی کہ حضور علیہ السلام نے زمین سے خود ہی کنکریاں اٹھالی تھیں اور وہ کنکریاں آپ نے مشرکین کی طرف پھینکیں اور فرمایا؛ شاھت الوجوہ۔ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ لشکرِ کفار میں سے کوئی ایک ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں کنکری نہ پڑ گئی ہو اس کے بعد آپ نے مشرکین سے

مخاطب ہو کر فرمایا انہزموا ورب الکعبۃ۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ (عصا سے سانپ بن جانے) سے بہت بڑا تھا اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے صرف رسیوں اور ڈنڈوں کو نگل لیا اس کا موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور نہ ہی اس دشمنوں کی صفوں میں گڑبڑ ہوئی بلکہ بعد کو اور زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے باغی و طاغی اور گمراہ ہوئے بخلاف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ مبارکہ کے کہ مجرد کنکریوں کے پھینکنے کے دشمن تباہ و برباد ہوئے اور ان کی صفوں میں نہ صرف ہلچل مچ گئی بلکہ شکست کھا کر میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ف: اس جنگ میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا فرمائی:

اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان۔ اے اللہ تعالیٰ! تیرے لیے حمد اور تیرے ہاں شکایت ہے، اور تُو ہی مددگار ہے۔

آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وُہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا عبور کرتے وقت سکھائی تھی۔

فائدہ: علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اس موقع پر کتنے فرشتے تھے۔ بعض کہتے ہیں آٹھ ہزار، بعض کہتے ہیں پانچ ہزار، بعض کے نزدیک سولہ ہزار تھے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ فرشتے غزوۂ حنین میں شریک ہوئے یا نہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ لڑائی میں صرف غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اس وقت اس لیے آسمان سے اُترے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں نیکی کی باتیں ڈال کر ان کے دل مضبوط کریں اور ان کے زمین پر تشریف لانے سے کافروں پر رعب ہو۔

وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کافروں کو قتل و قید وغیرہ سے عذاب دے وَذٰلِکَ جو کچھ کافروں سے ہُوا، وَجَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ○ کافروں کو دنیا میں اسی طرح سزا ملتی ہے۔

حنین کی فتح کے بعد مشرکین حنین سے شکست کھا کر اوطاس میں جا گھُسے اس لیے کہ وہیں پر ان کے اموال اور اہل و عیال مقیم تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی سرکوبی کے لیے اوطاس کی جنگ کا امیر لشکر اشعریوں کے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بنایا انہوں نے اوطاس میں لشکر کفار کو شکست پہنچائی بہت سے مشرکوں کے اہل و عیال کو قیدی بنایا لیکن ان کا امیر مالک بن عوف چوری چھپے بھاگ کر طائف میں ایک مضبوط قلعہ تیار کر کے اس کے اندر چھپ بیٹھا اگرچہ اس کا تمام اہل و عیال مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اسی جنگ میں مسلمانوں کے امیر لشکر یعنی ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مالک بن عوف کو گرفتار کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا لشکر طائف میں پہنچا اور مالک بن عوف اور اس کے ساتھیوں کا محاصرہ شوال کے اخیر تک رہا۔ جب ذیقعد کا مہینہ شروع ہُوا چونکہ ماہ ذیقعد اشہر الحرام سے تھا اسی لیے آپ مالک بن عوف کے محاصرہ کو ترک کر کے بمقام جعرانہ تشریف لائے۔

ف: جعرانہ ایک جگہ ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ جعرانہ ایک عورت کا نام تھا اس کی وجہ سے اس

مقام کو جعرانہ سے موسوم کیا گیا۔ اس کا اصلی نام ربطہ بنت سعد تھا۔ آیت التی نقضت غزلہا میں یہی جعرانہ مراد ہے۔

تقسیم مالِ غنیمت از غزوہ حنین

جعرانہ کے مقام سے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے احرام باندھا جبکہ آپ یہیں پر تیرہ راتیں مقیم رہے اور فرمایا کہ یہیں سے ستر انبیاء علیہم السلام نے احرام باندھا تھا یہیں پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین و اوطاس کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اور ان دونوں مقامات پر چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور بکریاں چالیس ہزار سے زائد اور چار ہزار اوقیہ چاندی مالِ غنیمت میں حاصل ہوا اسی مالِ غنیمت سے تالیفِ قلوب فرمائی کہ ایک ایک مرد کو ڈیڑھ ڈیڑھ سو اونٹ عنایت فرما دیے جب تالیفِ قلوب کے افراد نے مالِ غنیمت لے لیا تو اس کے ہر مخلص مومن کو صرف چار چار اونٹ اور بیس بیس بکریاں عنایت فرمائیں۔

انصار کا اعتراض لیکن عشق و محبت کے رنگ میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلوب کیلئے بعض کو بہت زیادہ اور مخلصین اہلِ ایمان کو بہت کم مالِ عنایت فرمایا تو انصار نے کہا:

یا للعجب ان اسیافنا تقطر من دمائھم و غنائمنا ترد علیھم۔ — تعجب ہے کہ ہماری تلواریں ان کے خون سے پُر ہیں اور ہماری غنیمتیں بھی ہمارے سے چھینی گئیں۔

ان کا یہی مقولہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا گیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع فرما کر پوچھا کہ تم نے ایسا کہا ہے چونکہ وہ جھوٹ بولنے کے عادی نہیں تھے اس لیے صاف کہہ دیا کہ ہاں ہم نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمھیں یاد ہے کہ تم گمراہ تھے میرے طفیل اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا اور تم نہایت کمزور تھے میرے صدقے تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی۔ اسی طرح چند ایک احسانات اسلام انہیں بیان فرما کر فرمایا:

اما ترضون ان ینقلب الناس بالشاء والابل وتنقلبون برسول اللہ الی بیوتکم۔ — اگر تمام لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، کیا تمہیں سودا منظور ہے۔

انصاریوں نے خوش ہو کر عرض کی:

بلیٰ رضینا یا رسول اللہ واللہ ما قلنا ذٰلک الا محبۃ للہ ولرسولہ۔ — یا رسول اللہ! ہم ایسے سودے پہ بہت خوش ہیں بخدا پہلی بات بھی ہم نے بربنائے محبت کہی تھی۔

ان کی تصدیق میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ و رسولہ یصدقانکم و یعذرانکم۔ — واقعی وہ کلمہ تم نے محبت سے کہا اس کی اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں اور واقعی تم اپنی محبت میں معذور ہو۔[1]

---

[1] غور کرو مسلمانو! اگر یہی کلمہ بوالوہابیہ کہے تو اس پر حضور ناراض ہوں وہی کلمہ انصار کے لیے محبت و عشق بن رہا ہے اور حضور علیہ السلام کے علم ما فی الصدور کی تصدیق ہوتی ہے۔ تفصیل کتاب "آئینہ دیوبند" میں دیکھیے۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ جس کی توبہ قبول کرنا چاہے یعنی بتقاضائے حکمت جسے چاہتا ہے اسے اسلام کی دولت سے نوازتا ہے وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے یعنی سابق زمانہ کے کفر و معاصی سے درگزر فرماتا ہے رَّحِيْمٌ ○ رحیم ہے یعنی اپنے بندوں پر فضل و کرم فرماتا اور ان کے نیک اعمال کی انہیں جزا عطا فرماتا ہے۔

حنین کے باغی مسلمان ہوگئے

حنین کے بعض لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہو گئے۔ جب مسلمان ہوگئے تو عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خیر الناس وابر الناس ہیں، ہمارے اہل و عیال اور چھوٹے بچے آپ کی قید میں ہیں اور ہمارے مال بھی آپ نے مالِ غنیمت میں لیئے ہیں براہِ کرم وہ سب واپس فرما دیجیے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ہاں کچھ باقی نہیں رہا البتہ اگر چاہو تو تمہارے اہل و عیال اور تمہارے بال بچے واپس کر دوں چاہو تو تمہارے مال و اسباب لوٹا دوں انہوں نے کہا ماکنا نعدل بالاحساب۔ حسب کی جمع احساب آتی ہے یعنے وُہ امور جو انسان کے فخر و مباہات کا موجب ہیں ان کا بھی اس سے یہی مطلب تھا کہ عورتوں بچوں کا قید میں ہونا ہمارے لیے موجب عار ہے فلہذا مال و اسباب نہ ملے تو کوئی حرج نہیں عورتوں بچوں کو آزاد فرما دیجیے تاکہ فخر و مباہات میں نقص واقع نہ ہو اور نہ ہی ان کے قیدی ہونے یا کسی کی غلامی سے ہمیں ذلت و رسوائی ہو۔ ان نو مسلموں پر ترس کھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اثر انگیز تقریر فرمائی جن کے پاس ان لوگوں کی عورتیں اور بچے قیدی اور ان کے مال و اسباب قبضے میں جا چکے وہ بطیب خاطر انہیں لوٹا دے اگر اس کا دل نہیں چاہتا تو وہ ہمیں بطور قرض دے دے ہم انشاء اللہ تعالیٰ اسے دوسرے کسی موقعہ پر کسر نکال دیں گے تمام صحابہ کرام نے عرض کی: رضینا سلمنا — یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم بطیب خاطر ان کی عورتیں اور بال بچے اور مال و اسباب مفت واپس کرتے ہیں آپ نے فرمایا کیا معلوم تم بطیب خاطر واپس دے رہے۔ ہو یا مجبور ہو کر ہم تمہارے ہاں چند تجربہ کار آدمی بھیج کر تمہارے سے نفسیاتی طور اندازہ لگا کر ہمیں تسلی دیں گے تو پھر ہم تمہارے سے یہ پیش کش قبول کر لیں گے۔ چنانچہ ان تجربہ کاروں کی رپورٹ پر آپ نے ان کی پیشکش قبول فرمالی۔

مالک بن عوف کا مسلمان ہونا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے نو مسلموں سے پوچھا کہ تمہارے امیر لشکر کا کیا حال ہے؟ عرض کی کہ وہ تو ہوازن سے بھاگ کر طائف میں مضبوط قلعے میں محفوظ ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ آج بھی اگر وہ مسلمان ہو کر ہمارے ہاں آجائے تو میں اس کے نہ صرف اہل و عیال اور بال بچے اور مال اسباب واپس کروں گا بلکہ الٹا اسے سَو اونٹ انعام کے طور پر عنایت فرماؤں گا۔ جب اسے حضور علیہ السلام کی نوازشیں معلوم ہوئیں تو وہ قلعے سے نکل کر چوری چھپے حضور علیہ السلام کی طرف روانہ ہوا صرف اس خطرے سے کہ اسے ثقیف کے لوگ قید نہ کر ڈالیں یہاں تک کہ دھناد کے مقام پر پہنچا اور یہاں سے بمقام جعرانہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا حضور علیہ السلام نے حسب وعدہ اسے مال و اسباب اور اس کے اہل و عیال لوٹا دیئے

اور انہیں ہوازن کا حاکم مقرر فرما دیا یہ وہی مالک بن عوف ہیں جنہوں نے ملک شام فتح فرمایا۔

فوائد: ۱۔ آیت سے ثابت ہوا کہ اس جنگ میں حضور علیہ السلام کا لشکر بہت زیادہ تھا اور جنگی قوت بھی بہت زیادہ رکھتے تھے۔ لیکن جب بعض صحابہ نے اپنی کثرت و قوت پر ناز کیا تو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا نہ صرف اظہار فرمایا بلکہ انہیں شکست سے دوچار کیا لیکن جونہی انہوں نے عجز و انکسار اور الحاح و زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت بخشی یہاں تک کہ کفار و مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا پر بھروسہ کرے تو وہ دین سے فارغ ہو جاتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی نعمتوں سے احسن وجوہ سے نوازتا ہے۔

۳۔ اس سے واضح ہوا کہ اگرچہ ظاہری اسباب ظاہری فتح کا موجب ہیں لیکن ان کے لیے بھی فضل ربانی کا شامل حال ہونا ضروری ہے اسی طرح اعمال و طاعات اگرچہ یہ بھی فتح معنوی کا سبب ہیں لیکن ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت و توفیق کا ہونا ضروری ہے۔

سبق: سالک کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور الحاح و انکسار لازم ہے۔
حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہرو گر صد ہزار دارد توکل بایدش

ترجمہ: طریقت میں تقویٰ و دانش پر سہارا کرنا کفر ہے۔ اگرچہ رہبر ہزاروں ساتھ ہوں لیکن پھر بھی توکل ضروری ہے۔

مسئلہ: مومن گناہ کبیرہ یا صغیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس کی دلیل یہی مضمون ہے کہ حنین میں بعض صحابہ کرام جنگ سے فرار کی وجہ سے کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بدستور مومن کی صفت سے موصوف فرمایا کما قال "ثم انزل السکینۃ علی رسولہ وعلی المومنین" اس لیے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے وہ مومن کے دل سے خارج نہیں ہو سکتا جب تک اس کے منافی فعل یا قول کا صدور نہ ہو۔

فائدہ: گناہ کا ارتکاب چند وجوہ سے ہوتا ہے وہ وجوہ یہ ہیں:

۱۔ غلبۂ شہوت
۲۔ غیرت جاہلیت
۳۔ عار
۴۔ سستی
۵۔ خوف بالخصوص جب اس میں سخت عقاب کا خطرہ ہو۔
۶۔ معافی کی امید
۷۔ عزم علی التوبہ

یہ تمام وجوہ ایمان کے منافی نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بپوشں دامن عفوے بزلت من مست
کہ آبروئے شریعت بدیں قدر نرود

ترجمہ: مجھ جیسے بدمست کی غلطی پر پردہ پوشی فرمائیے اس لیے کہ میرے جیسے کو معاف فرمانے سے شریعت کی قدر و منزلت کم نہیں ہو جائے گی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

پردہ از روئے لطف گو بردار
کہ اشقیاء را امید مغفرتست

ترجمہ: لطف و کرم کا پردہ اٹھا دے اس لیے کہ گنہگاروں کو تیری مغفرت کی امید ہے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جنگ میں فرار ثابت نہیں۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مررت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہزما" اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرار ثابت ہے۔

جواب: منہزماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حال نہیں بلکہ مررت سے ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہزیمت خوردہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزرا یعنی روایت سے سلمہ بن اکوع کی انہزام ثابت ہوئی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

نبوت کا گستاخ واجب القتل ہے حضرت قاضی عبداللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کہے کہ حضور علیہ السلام بعض غزوات سے بھاگے تھے ایسے کہنے والے کو قتل کر دینا واجب ہے یعنی جب اسے کہا جائے کہ تو نے نبی علیہ السلام کی گستاخی کی ہے فلہذا تجھے توبہ لازم ہے اگر وہ توبہ سے انکار کرنے تو اسے قتل کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس بدبخت نے منصب نبوت کے خلاف بات کی ہے اور نبی علیہ السلام کا نقص بتایا اور ان کا عیب ظاہر کیا جبکہ آپ ہر عیب و نقص سے پاک ہیں اور آپ پر ایسی تہمت لگائی جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھی اس لیے کہ آپ ہر امر میں بصیرت تامہ رکھتے اور یقین کی ہر اونچی منزل پر تھے اور آپ ہر طرح کی لغزش سے معصوم تھے بالخصوص شجاعت کے معاملہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر شجاع سے اعلیٰ و اکمل بنایا اور دشمن کے سامنے جرأت مندی آپ پر ختم تھی آپ ہر صفت میں لاثانی اور بے نظیر تھے پھر ان سے شکست کا تصور کسی گندے ذہن میں سما سکتا ہے: ؎

شاہی و ملائکہ سپاہست
خلق تو عظیم حق گواہست

فائدہ : ذیقعدہ کا مہینہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی قدرو منزلت رکھتا ہے۔ ہر انسان کو اس میں عبادتِ الٰہی میں جدوجہد لازمی ہے یہ وہی مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا اور فرمایا ان کی تکمیل کے بعد کوہ طور پر ہمکلامی کے لیے تشریف لانا وہیں پر ہمکلامی کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو انوار و مشاہدات سے نوازا گیا۔

فائدہ : کعب الاحبار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اپنی محبت کے لیے اختیار فرمایا کہ اشہر الحرام نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دم بھرا انہی اشہر الحرام میں ایک مہینہ ذیقعدہ بھی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

ف : ذوالقعدہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ لوگ اس مہینہ میں جنگ سے فارغ ہو کر گھر بیٹھ جاتے تھے۔

حدیث شریف : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کتنے عمرے کیے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر صرف چار عمرے کیے:

۱۔ عمرہ حدیبیہ، یہی عمرہ ذوقعدہ میں ہوا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مشرکین نے حج کرنے سے روکا تھا۔

۲۔ اس کے دوسرے سال کا عمرہ، جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح فرمائی۔

۳۔ عمرۂ جعرانہ، جب آپ نے غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

۴۔ پھر میں نے سوال کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج پڑھے؟ حضرت انس نے فرمایا، صرف ایک۔ یعنی ہجرت کے بعد صرف ایک حج پڑھا۔ وہ اس لیے کہ ہجرت سے پہلے متعدد حج پڑھے تھے۔ (کذا فی عقد الدرر واللآلی وکذا قال صاحب الروضہ)

فائدہ : حضور علیہ السلام کی ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی لوگوں نے حج پڑھا۔ ہجرت کے دسویں سال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہجرت کے بعد حضور علیہ السلام نے صرف یہی ایک حج پڑھا ہاں نبوت سے قبل اور اعلانِ نبوت کے بعد تو بہت حج پڑھے لیکن ان کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔

فائدہ : دسویں ہجری کو حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور گیارھویں ہجری کو حضور علیہ السلام کا وصال مبارک ہوا۔

اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمیں مقام اُنس میں جگہ عنایت فرما اور ہمارا ٹھکانا حضرۃ القدس میں ہو۔ آمین۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اے ایمان والو! بے شک مشرک نجس ہیں۔

حلِ لغات: النجس بفتحتین نجاست کا مصدر ہے۔ مشرکین کو نجاست سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بالکل نجس ہیں: ان سے ہر طرح بچنا ضروری ہے، ان سے ہر طرح بیزاری لازمی ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کا دم بھرا جائے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ مشرکین کو نجس سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ پلیدی کی طرح ہیں کہ جس طرح تم پلیدیوں سے احتراز کرتے ہو ان سے بھی احتراز کرو یا اس لیے کہ وہ جنابت وحدوث سے پاک نہیں ہوتے اور نہ ہی نجاستوں سے بچتے ہیں۔ اکثر طور وہ پلید رہتے ہیں اور نجاستوں سے پاک ہونا ان کے طریقے میں داخل نہیں اسی بناء پر ان پر نجاست کا حکم لگایا گیا ہے کہ وہ نجاست حقیقی و حکمی والے ہیں یعنی جس طرح یہ باطنی نجاست ان کے اندر ہے ایسے ہی یہ ظاہری نجاست سے بھی خالی نہیں ہیں۔ باطنی نجاست سے شرک اور ان کے برے اعتقاد مراد ہیں۔ اس معنے پر نجس، حسنٌ کی طرح صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس تقریر پر نجس سے پہلے ذو مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ یہ فاء سببیہ ہے یعنی مشرکین مسجد حرام کے قریب بھی نہ ہوں اس سبب سے کہ وہ نجاست والے ہیں۔ جب وہ مسجد حرام کے قریب جانے کے لائق نہیں تو وہ اس کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ مسجد کے قریب نہ جانے کی نہی سے اس میں داخل نہ ہونے کے لیے مبالغہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ: تبیان میں ہے کہ مشرکین کو احاطۂ حرم میں داخل ہونے سے منع کرنا ضروری ہے۔ حرم شریف کا احاطہ از جانبِ مدینہ طیبہ تین میل اور از جانبِ عراق سات میل اور از جانبِ جعرانہ نو میل اور از جانبِ طائف نو میل اور از جانبِ جدہ دس میل ہے۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اس سال کے بعد اس سے ہجری کا نواں سال مراد ہے یعنی جس سال امیرِ حج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ اور حجۃ الوداع دسویں ہجری میں ہوا۔ آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مشرکین کو روکا گیا ہے کہ بیت اللہ میں حاضر ہو کر نہ حج پڑھ سکتے ہیں اور نہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں۔ اسی قول کی تائید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جبکہ انہیں حضور علیہ السلام نے مشرکین سے معاہدہ توڑنے کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا تو اس میں یہ عبارت بھی تھی کہ لا یحج بعد عامنا ھذا مشرك۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج پڑھنے نہ آیا۔

مسئلہ: امام اعظم کے نزدیک مشرک کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اور نہ ہی دوسری مساجد سے۔ چنانچہ الاشباہ میں احکام الذمی میں لکھا کہ مشرک کو مسجد میں داخل ہونے سے نہ روکا جائے اگرچہ وہ جنبی ہو بخلاف مسلمان کے کہ جب وہ جنبی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں کہ مشرک کسی مسلمان سے اجازت لے کر مسجد میں داخل ہو۔ یہی مسجد حرام کا حکم ہے۔

مسئلہ: اسی الاشباہ میں احکام الحرم میں لکھا کہ کافر و مشرک مسجد حرام میں ٹھہر نہیں سکتا البتہ صرف داخل ہونے سے

اسے روکا بھی نہ جائے۔

نکتہ: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جنبی کافر کو مسجد میں داخلے سے نہ روکنے اور مسلمان جنبی کو روکنے میں راز یہی ہے کہ کافر کے اندر معنوی نجاست کفر و شرک اور خبث قلبی موجود ہے جب اس بڑی نجاست کے ہوتے مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت نہیں تو حکمی نجاست کی وجہ سے روکنے کا کیا معنیٰ۔ ہاں اگر اس کے جسم پر ظاہری نجاست پائی جائے تو پھر اسے مسجد کے اندر داخل ہونے سے روکا جائے اس لیے کہ ہم مامور من اللہ ہیں کہ مساجد کو غلاظتوں اور نجاستوں سے محفوظ رکھیں۔

مسئلہ: اسی نقطۂ نگاہ سے چھوٹے بچّوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے اس لیے کہ ان میں اغلب طور نجاست حقیقی پائی جاتی ہے اگر ان میں نجاست حقیقی نہ ہو تو پھر ان کو داخل ہونے دینا مکروہ ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

شانِ نزول وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً جب کفار و مشرکین کو مسجد کے قریب آنے سے بھی روکا گیا تو بکر بن وائل کے کافر تاجروں نے مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے کہا کہ عنقریب تمہیں اس کا مزہ معلوم ہوگا کہ تم ہمیں مسجد حرام سے روکتے ہو تو ہم تمہارے لین دین بند کردیں گے، تم ہمارے اوپر سختی کرتے ہو تو ہم تمہارے کاروبار کے راستے بند کردیں گے اور نہ ہی تمہارے ہاں تجارتی مال و اسباب آنے دیں گے۔ کفار و مشرکین کی اس جھڑکی سے اہل مکہ متاثر ہوئے اور مسلمانوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا کہ جب بکر بن ابی وائل کے لوگ تمہیں تجارتی سامان نہیں بھیجیں گے تو تم کہاں سے کھاؤ گے اور تمہاری معیشت اس سے متاثر ہوگی تم پریشان حال ہو جاؤ گے۔ جب مشرکین تجارتی سامان تمہارے سے روک لیں گے کہ تم کیسے کرو گے۔ مسلمان اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں کہنے لگے نہ معلوم ہمارا معاملہ کس طرح ہوگا جب مشرکوں نے ہمارے سے تجارتی سامان روک دیا مسلمانوں کے غم کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم فقر سے خوفزدہ ہو یعنی تمہیں خطرہ ہو کہ تم نے انہیں مسجد حرام میں حج سے روکا تو وہ تمہارے سے تمہاری ضروریات زندگی اور امور تجارت کو روک کر تمہیں فقر و فاقہ میں مبتلا کردیں گے فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ کریمہ یوں پورا فرمایا کہ چند دنوں کے بعد موسلا دھار بارش نازل فرمائی اور اہل مکہ کو مالی خوشحالی اور غلہ سے مالا مال فرمادیا اس کے بعد تبالہ و جرش کے قبائل مسلمان ہوگئے وہ اہل مکہ کے لیے بہت سا غلہ لائے اس کے بعد عجم و عرب کے بے شمار بلاد اور علاقے مسلمانوں نے فتح کیے۔ ان گنت غنیمتیں اہل اسلام کو حاصل ہوئیں اور زمین کے کونے کونے سے مکہ کی طرف لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اِنْ شَآءَ اگر وہ تمہیں غنی کرنا چاہے۔

سوال: اہل اسلام کے غنی کرنے کو مشیت سے کیوں مقید فرمایا حالانکہ یہ وعدہ کے خلاف ہے کہ ایک طرف انہیں فقر و فاقہ سے بےخوف کردینے کا وعدہ فرمایا پھر اسے مشیت سے معلق فرمادیا۔

جواب ۱: تاکہ اہل اسلام صرف وعدہ موعودہ سنے نہ آس لگا کر بیٹھ جائیں بلکہ وہ اپنے کریم کی نوازش سے دل لگائیں اور اپنے مقاصد و مطالب حل کرنے اور آفات و بلیات کے دفعیہ کے لیے صرف اسی کی طرف رجوع کرکے عجز و نیاز کریں۔

جواب ۲ : تاکہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ وعدہ کا ایفاء اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ ایفائے عہد اس کا فضل و کرم ہے کہ اگر چاہے تو پورا فرما دے، نہ پورا کرے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

جواب ۳ : تاکہ معلوم ہو کہ یہ وعدہ موعودہ تمام اشخاص کے لیے نہیں اور نہ ہی کسی مکان و زمان سے مخصوص ہے وہ جب چاہے جہاں چاہے جس کے لیے جیسے چاہے مختار ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح کو خوب جانتا ہے حَکِیۡمٌ۝ دینا نہ دینا اس کی حکمت ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وہ کریم بندوں کے مآل و انجام کے مطابق حکم فرماتا ہے اگر کسی کے رزق کا ایک دروازہ بند کرتا ہے تو دوسرا کھول دیتا ہے ؎

گمان مدار اگر ضائعم تو بگذاری — کہ ضائعم نگذارد مسبب الاسباب

برائے من در احسان اگر تو دربندی — درے دگر بکشاید مفتح الابواب

ترجمہ : مجھے تمہارے ضایع کر دینے کا کوئی خطرہ نہیں اسی لیے کہ مجھے مسبب الاسباب ضایع نہیں چھوڑ دے گا اگر تم مجھ پر احسان کا ایک دروازہ بند کر دو گے تو میرا کارساز اور دروازہ کھول دے گا۔

حکایت حضرت ابو یعقوب بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حرم شریف میں کئی دنوں تک فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں مبتلا رہا یہاں تک کہ بھوک سے نڈھال ہو گیا۔ مجھے نفس نے مشورہ دیا کہ حرم سے باہر کہیں رزق کی تلاش کرنی چاہیے تاکہ یہ ضعف و نقاہت دفع ہو اسی ارادہ پر میں حرم شریف سے باہر نکل پڑا۔ ایک راستہ پر سمندری سیپیوں کے دانے گرے پڑے ملے، میں نے انہیں اٹھا تو لیا لیکن ان کے اٹھانے سے مجھے وحشت نے گھیر لیا اور اور کوئی کہنے والا مجھے کہہ رہا تھا کہ دس دن حرم شریف میں بھوک برداشت کی بالآخر بے صبری کر کے حرم شریف سے باہر نکلا تو مجھے ایسا سمندری سیپ ملا جو اندر سے گلا سڑا اور بدبودار ہے میں نے اسے پھینک دیا اس کے بعد مسجد حرام شریف کے اندر اطمینان و سکون سے بیٹھ گیا تھوڑی دیر گزری میرے ہاں ایک مرد آ کر بیٹھا اور ایک توشہ دان میرے آگے رکھ دیا اور فرمایا یہ آپ کے لیے ہے میں نے پوچھا میری تخصیص کیسی۔ اس نے کہا کہ ہم دس دن دریائی سفر میں رہے۔ ایک دن کشتی غرق ہونے لگی ہم سب نے منت مانی کہ یہاں سے بسلامت دریا کے کنارے لگ گئے تو صدقہ و خیرات غرباء و مساکین کو دیں گے اور میں نے منت مانی کہ اگر ہم سلامت بچ گئے تو یہی توشہ دان حرم شریف کے ایسے آدمی کو پیش کروں گا جسے میں سب سے پہلے دیکھوں گا میں حرم شریف میں داخل ہوا تو میری نگاہ سب سے پہلے آپ پر پڑی فلہذا میرا نذرانہ قبول فرمائیے میں نے اسے کہا کہ اسے کھولیے۔ اس نے توشہ دان کو کھولا تو اس کے اندر کیک یعنی میدے کی سفید روٹی اور سفید شکر و دیگر اشیاء خوردنی تھیں میں نے اس سے ضرورت کی چند چیزیں اٹھا لیں اور اسے کہا کہ اسے اپنے بچوں پر تقسیم کر دیجئے یہ میری طرف سے آپ کے بچوں کے لیے ہدیہ ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے دل میں کہا کہ میرا رزق تو دس دن سے

میرے لیے مقدر ہو چکا تھا میں خواہ مخواہ حرم شریف کے باہر بھٹکتا پھرتا رہا۔ حضرت صائب نے فرمایا: ؎

فکر آب و دانہ در کنج قفس بے حاصلست

زیر چرخ اندیشہ روزی چرا باشد مرا

ترجمہ: آب و دانہ کا فکر پنجرے میں بے سُود ہے اس لیے کہ آسمان کے نیچے مجھے روزی کا کوئی فکر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت تک مرفوع القلم بنایا ہے جب تک اس کے قالب کی تکمیل نہیں ہوتی یعنی سنِ بلوغ تک وہ آزاد رہتا ہے اور اسی اثناء میں قالب کعبۂ قلب کے گرد طواف کرتا رہتا ہے اور قوائے عقلیہ و روحانیہ سے فیض پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل بلوغ اگر ماحول گندہ ہے تو وہ دنیا اور اس کی خواہشات میں گرفتار ہو کر بعد بلوغ عبدالدنیا ہو جاتا ہے۔ شرک و کفر اس کی طبیعت میں گھُس جاتا ہے۔ اگر کسی کامل کی صحبت نصیب رہی تو سنِ بلوغ تک قالب کی تکمیل کے ساتھ روحانی تربیت کی طرف دل لگ جاتا ہے۔ سنِ بلوغ کے وقت شہواتِ نفسانیہ کا ظہور ہوتا ہے اسی وقت سے بندے کو احکامِ شرعیہ کا مکلف بنایا جاتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ قلب کو نفس کی اتباع سے بچانا اور اس وقت سے اسے یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کرے اور اسے قلب کے حرم میں داخل نہ ہونے دے تاکہ کعبۂ قلب نفس کی نجاسات سے ہو کر اسے اوصافِ ذمیمہ میں مبتلا نہ کر دے۔ جب قلب سے نفس اور اس کی دُور رکھنے کا حکم ہُوا تو قلب کو خطرہ محسوس ہوا کہ لذات سے بالکلیہ محروم کر دیا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان لذات سے مستغنی کر دیا کہ اس پر واردات ربانیہ اور شواہد و کشوف رحمانیہ سے نوازا گیا۔ ان لذات نفسانیہ کو ایسے عطیات و انعامات سے ذرہ بھر بھی نسبت نہیں اور اِنْ شَاءَ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سوائے اس کی مشیت کے کسی کو نصیب نہیں ہوتیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سکندر را نمی بخشند آبے

بزور و زر میسر نیست ایں کار

ترجمہ: سکندر کو آبِ حیات نہیں بخشتے اور یہ کام زور اور زر سے حاصل نہیں ہوتا۔

قَاتِلُوا اے مسلمانو! جنگ کرو الَّذِيْنَ ان لوگوں سے لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس کی شان کے لائق ہے مثلاً یہود مُثَنِّیہ (دو خدا ماننے والے) اور نصاریٰ مثلثہ (تین خدا ماننے) ہیں۔ اس معنی پر ان کا ایمان لانا نہ لانے کے برابر ہے وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر بھی اس طرح ایمان نہیں لاتے جیسے اس پر ایمان لانا چاہیے۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ بہشت میں نہ کھانا ہے نہ پینا۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ آخرت کی زندگی روحانی ہے۔ اس معنی پر ان کا آخرت کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے اس لیے کہ ان کے اصول ہی ایسے غلط ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ ان کے اصول کو نہ ایمان سے رابطہ صحیح ہے نہ آخرت سے کامل واسطہ ہے۔ اور مومن کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی شان کے لائق

مانتا ہے اور اس کی تنزیہہ و تقدیس کا قائل ہے اور آخرت کو جسمانی اور روحانی اور اس کی نعمتیں بھی صوری و معنوی دونوں طرح مانتا ہے اس لیے کہ جسم کو جسمانی نعمتیں لائق ہیں اور روح کو روحانی۔ اسی لیے انہیں ان کے لائق نعمتیں ملنی لازم ہیں۔ ہر شے کو اپنے مناسب حال و مقام نعمتوں کا حصول ہو وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے ہیں وہ حرام نہیں کرتے یعنی جن امور کی تحریم کا ثبوت وحی متلو یعنی کتاب اللہ اور وحی غیر متلو یعنی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسے دم مسفوح و لحم الخنزیر و خمر وغیرہ وغیرہ۔ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ دین الحق، یدینون کا مصدر (مفعول مطلق) یا اس کا مفعول بہ ہے۔ اور لا یدینون بمعنے لا یعتقدون و لا یقبلون ہے اور الحق صفت مشبہ بمعنی الثابت ہے اور دین کا حق کی طرف مضاف ہونا اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اس لیے کہ یہ دراصل و لا یدینون الدین الحق تھا یہاں پر دین الحق سے اسلام مراد ہے اس لیے کہ وہ حق اور ثابت ہے اور باقی تمام ادیان منسوخ اور اب غیر ثابت ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ یہاں الحق سے ذاتِ حق مراد ہے۔ یعنی وہ کافر و مشرک اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول نہیں کرتے جس کا نام اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا تعارف خود فرمایا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِن بیانیہ ہے اور الکتٰب سے تورات و انجیل مراد ہیں۔ یہ الذین لا یؤمنون کا بیان ہے حَتّٰى غایت کے لیے ہے يُعْطُوا الْجِزْيَةَ یہاں تک کہ جزیہ قبول کرکے اسے ادا کریں۔

سوال: آیت میں اعطاء الجزیۃ کا بیان ہے تم نے قبول جزیہ کی شرط کہاں سے نکالی ہے۔

جواب: کفار سے جنگ بندی اعطاء جزیہ پر موقوف نہیں بلکہ قبول جزیہ پر موقوف ہے۔ الجزیۃ بروزن فعلۃ جزا دینیہ کے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرضہ ادا کرے اور اصطلاحِ شرع میں کافر کی ہر وہ ادائیگی جو اس پر معاہدہ کے وقت مقرر کی جائے اور اسے جزیہ سے بھی اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کا ادا کرنا واجب ہے یا اس لیے کہ وہ ذمی کو کفایت کرتا ہے یعنی ذمی کو اس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہوتی ہے وہ ذمی سے اس لیے کفایت کرتا ہے کہ وہ جب جزیہ قبول کرلیتا ہے تو وہ مسلمانوں کی امان میں آجاتا ہے اسی وجہ سے وہ قتل سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ گویا اس جزیہ نے اسے قتل سے کفایت کرلی۔

عَنْ يَّدٍ ان یعطوا کی ضمیر سے حال ہے بمعنے مسلمین بایدیھم الخ یعنی جزیہ کی ادائیگی خود بخود کریں دوسروں کے ذریعے یا ان کے کہنے پر ادا نہ کریں یہی وجہ ہے کہ جزیہ کی توکیل ممنوع ہے یا اس کا معنی عن ید مطیعۃ غیر ممتنعۃ ہے یعنی مطیع و فرمانبردار ہو کر ادا کریں۔

مسئلہ: جب جزیہ مانگنے میں جبر و اکراہ کی نوبت آجائے تو عقد ذمہ باطل ہو کر اس وقت ان کا قتل و قتال روا ہوجاتا ہے اس تقریر پر عن ید سے ان کی فرمانبرداری اور اطاعت مراد ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اعطی فلان بیدہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں

جب کوئی کسی کے سامنے سر جھکائے اور اس کی فرمانبرداری قبول کرے۔ اور اسے عن ید سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب کوئی کسی شے کے دینے سے انکار کرتا ہے یا اپنے ہاتھ سے نہیں دیتا بخلاف مطیع کے کہ جب وہ کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے دیتا ہے یا ید سے غنا اور دولت مندی مراد ہے اسی وجہ سے اسلام نے کافر فقیر اور اس محتاج سے جزیہ معاف فرمایا ہے جو روزی نہیں کما سکتا یا ید بمعنے انعام ہے یعنی کافر کا جزیہ ادا کرنا اس پر انعام بایں معنی ہے کہ جزیہ سے ہی ان کی زندگی کو رونق نصیب ہوئی۔ اگر جزیہ نہ ادا کرتا تو قتل و قتال سے ذلیل و خوار ہوتا اس معنی پر اس لیے جزیہ بہت بڑی نعمت ٹھہری، یا ید سے ید قاهرة متولية عليهم مراد ہے اور" ید قاهرة " اسلام ہے۔ اس معنے پر عن سببیہ ہو گا جیسے لیسمنون عن الاکل والشرب یعنی کھانے پینے کی وجہ سے موٹے تازے ہو جاتے۔ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ در انحالیکہ وہ ذلیل و خوار ہوں۔ چنانچہ اسلام نے ان کی ذلت و خواری کا اظہار یوں فرمایا کہ انہیں حکم تھا کہ جزیہ خود بخود اور پیدل چل کر ادا کرنے آئیں اور جب خلیفۂ اسلام کو ادا کریں تو غلاموں کی طرح نہایت الحاح وزاری سے پیش کریں اور خلیفۂ وقت جزیہ لیتے وقت لے سکے کہ اسے ذمی، اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! جزیہ ادا کر۔

فائدہ: کافر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رہے گی یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں جیسے مشرکین عرب اور جمیع مرتد۔ اسلام کی مشرکین عرب کے متعلق تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے اور انہیں معجزات دکھائے لیکن وہ ایسے بدبخت تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے تُل گئے اس لیے ان کا کفر افحش ہو گا اور چونکہ مرتدین سے اس لیے جنگ ضروری ہے باوجودیکہ انہیں اسلام کے محاسن سے اطلاع دی گئی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر ان کا کفر اقبح ہو گا اور سزا بھی جنایت کے مطابق ہوتی ہے۔ ایسے بدبختوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا اس لیے کہ جزیہ تخفیف کو چاہتا اور یہ لوگ تخفیف کے مستحق نہیں۔

۲۔ ایسے کفار جن سے جنگ جاری رکھی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔ ان سے یہود و نصاریٰ اور مجوس مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے لیے دلیل یہی آیت ہے اور مجوس کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجوسیوں سے اہلِ کتاب جیسا معاملہ کرو یعنی ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ انکا ذبیحہ کھاؤ۔

۳۔ وہ کافر جو نہ اہلِ کتاب ہیں اور نہ مجوس اور نہ ہی مشرکین عرب سے، جیسے تُرک و ہند کے بت پرست۔

مسئلہ: ایسے کافروں سے جزیہ لینا جائز ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے اس لئے کہ جزیرۂ عرب کے غیروں میں دو دینوں کا اجتماع جائز ہے اور یہ لوگ جزیرۂ عرب کے غیر ہیں۔

مسئلہ: فقیر ہنرمند سے بطور جزیہ کم از کم بارہ درہم لینے چاہییں، وہ بھی ہر درہم ایک مہینے میں۔ یہ اسی فقیر کیلئے ہے جو اکثر سال صحیح اور تندرست ہو کر کاروبار کرتا ہے۔

مسئلہ: اگر اکثر یا نصف سال بیمار رہتا ہے تو اس سے جزیہ معاف ہے۔ متوسط مال سے چوبیس درہم سال میں اور ہر ماہ میں دو درہم۔ اور دولت مند کافروں پر سال میں اڑتالیس درہم، ہر ماہ میں چار درہم لیے جائیں۔

مسئلہ: نقیر اور کمانے سے عاجز شیخ فانی، لنگڑا، نابینا، نابالغ لڑکا، عورت اور وہ راہب جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا، پر جزیہ لازم نہیں، ان سے اس لیے جزیہ معاف ہوا کہ اصلی غرض جزیہ سے یہی تھی کہ ان کافروں کو کفر سے زجر و توبیخ اور اسلام کی ترغیب ہو اور دوسرے اس لیے کہ ان کے کفر پر جزیہ قتل کے قائم مقام ہے اور چونکہ یہ قتل کے اہل نہیں ان پر جزیہ نہیں علاوہ ازیں جب جزیہ ان کے اصل پر مقرر ہوگیا تو ان کے تبع انہی میں شامل ہو گئے۔

سوال: بعض بے دین اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے کفار پر جزیہ مقرر کر کے اپنی عزت گھٹا دی اس لیے کہ معمولی ٹکے کافروں کے اسلام کا بدلہ کیسے بن گئے۔

جواب: ہم ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیتے کہ ہم ان کے کفر پہ راضی ہیں بلکہ یہ جزیہ ان پر سزا کے طور مقرر ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ وُہ اگر کفر پہ نہ ہوتے تو وہ اتنا ذلیل وخوار نہ ہوتے۔ یہ اسلام کی دُور اندیشی اور فراخدلی کا ثبوت ہے کہ وُہ اپنے مخالف پر جبر و اکراہ اور تشدد کا قائل نہیں اور اسے مہلت اسی لیے دی گئی ہے کہ وُہ اسلام کی اچھائی وبُرائی میں سوچ بچار کر سکے پھر جب اسے مفت مہلت دینا جائز ہے تو پھر اس سے ذلت وخواری کی نیت پر جزیہ لینا کیوں ناجائز ہو۔

مسئلہ: حکام اور قوت وطاقت رکھنے والوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود سے متجاوز نہ ہوں اس لیے کہ ظلم مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ ظلم کا وبال نہ صرف ظالم کی طرف لوٹتا ہے بلکہ ظلم کی نحوست کا اثر دُوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

حدیث شریف: پانچ اعمال سے پانچ سزائیں لازم ہیں،

- سود خوری عام ہوگی تو زمین میں دھنسنا اور زلزلے عام ہو جائیں گے۔
- جب حکام ظلم کریں گے تو رحمت کی بارشیں بند ہو جائیں گی۔
- جب زنا کی کثرت ہوگی تو موت کی کثرت ہوگی۔
- جب زکوٰۃ کی ادائیگی بند ہو جائے گی تو جانوروں میں قلت ہوگی۔
- جب اہلِ ذمہ پہ زیادتیاں شروع ہو جائیں گی تو دولت سمٹ کر انہی کے پاس چلی جائے گی۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ لابن فخر الدین الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ) ؎

جملہ دانند کہ اگر تو نگر دے

ہر چہ می کاریش روزے بدر دے

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تمہیں اعتبار نہ ہو وہ یہ کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے یہ ان کی اپنے منہ کی بناوٹی باتیں ہیں جو ان سے پہلے کافر گزرے ہیں ان کی باتوں جیسی باتیں بناتے ہیں۔ انہیں خدا مارے کہاں اُلٹے جا رہے ہیں انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں صرف حکم کیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ پاک ہے ان کے شرک سے وُہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اللہ تعالیٰ نہیں مانے گا بغیر اس کے کہ وُہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کافر ناخوش ہوں۔

(بقیہ ص گزشتہ)

صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ ہم ۴ ۹۰ اھ سے تا حال یعنی ۱۱۰۱ھ تک دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ بلاد دو میہ اور دریائے اسود و ابیض تک اہلِ اسلام پر کفار کا غلبہ ہے اس سے قبل ایسا ہمارے اسلاف نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ معلوم اس دور کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جو چاہے کرے یہ نحوست صرف اسی لیے ہے کہ ہمارے دور میں مسلمانوں اور ذمیوں پر ظلم ڈھائے گئے جس کی نحوست جھوٹے بدعمل مسلمانوں کے نصیب ہُوئی۔ اور یہ بھی منجملہ ان کی ذلت و خواری کے ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے (اور ظاہر ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" عربی مقولہ مشہور ہے لیس الخبر کالمعاینۃ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اہل حق سے لاحق فرمائے اور ارض مقدسہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے اہل حق پر دنیا اور اہل دنیا پر دنیا کی محبت حرام فرمائی ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی سرتاج ہے کفار نے چونکہ دین کے بدلے دنیا کو اختیار کیا اسی لیے ان پر جزیہ لازم کر دیا گیا اور نفس امارہ کافر کا جزیہ یہ ہے کہ اس کی طبیعت کے خلاف کیا جائے تاکہ وہ شریعت کے احکام اور طریقت کے آداب کے ماتحت ذلیل و خوار ہو کر زندگی بسر کرے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس سے ہر وقت جہاد کرے اور اسے ایسا ذلیل و خوار کرے کہ وہ روح کے ملک عزت و دولت کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جائے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست | لیک اژدہات محبوس چہ ست
آتشت ہیزم فرعون نیست | زانکہ چوں فرعون اورا عون نیست

ترجمہ : وہ جو فرعون میں تھا وہ تم میں بھی ہے صرف فرق یہ ہے کہ تمہارا اژدہا کنویں میں ہے۔ تیرے پاس لکڑیاں تو ہیں لیکن اس میں آگ نہیں اسی لیے کہ فرعون کی طرح تمہیں طاقت نہیں۔

سبق : یہی نفس کا حال ہے کہ یہ فرعونی طبع رکھتا ہے اسی لیے اسے ذلیل وخوار رکھنا ضروری ہے یہاں تک کہ نفس اپنے دعاوی کو گم کر دے اور اسے حقیقی عزت نصیب ہو اسی مقام پہ پہنچ کر نفس فانی اور مطمئن ہوتا ہے اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکانے اور فرمان ماننے کی اہلیت وصلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

ف : عزیر کو تنوین کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ مبتدا اور ابن اللہ اس کی خبر ہے اور عزیر کی تنوین حذف نہ کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ مبتدا ہے اس کا ما بعد اس کی صفت نہیں۔

ف : حضرت عزیر علیہ السلام بن شرحیا — لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ چودھویں پشت میں ملتا ہے۔

فائدہ : حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہودیوں کے قدماء کا عقیدہ تھا اس کے بعد یہ عقیدہ اخلاف میں منقطع ہو گیا۔ اسی لیے اب وہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں لیکن ان کا انکار ہمارے لیے مضر نہیں اس لیے کہ قرآن مجید نے ان کے اسلاف کا عقیدہ بتایا ہے۔ اگر ایک گروہ اس کا انکار کرتا ہے تو کیا حرج ہے اس لیے کہ بہت سے عقاید اسلاف میں ایسے تھے جو ان کے نزدیک ممدوح لیکن اخلاف کے نزدیک مذموم ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

عزیر علیہ السلام کا قصہ جب بخت نصر بابلی بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کے خون سے ہولی کھیلی ان کے علماءِ کرام کو چن چن کے قتل کرایا چونکہ اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام صغر سن تھے لیکن تھے تورات کے حافظ۔ اس نے انہیں معمولی بچہ سمجھ کر قتل نہ کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایسا باقی نہ رہا تھا جسے تورات یاد ہو۔ اور بخت نصر بیت المقدس کو ویران کر کے اپنے علاقہ بابل کو چلا گیا اور ساتھ ہی بقایا بنی اسرائیل کو قید کر کے ساتھ لے گیا ان میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے بخت نصر کی قید سے رہائی پائی تو گدھا پر سوار ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں دجلہ کے کنارے ہرقل کی دیر میں فروکش ہوئے۔ تمام شہر کا گشت لگایا اس میں کوئی انسان نہ ملا۔ باغات پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آپ نے بھوک مٹانے کے لیے میوے توڑے اور پیاس بجھانے کے لیے انگور نچوڑ کر پیا۔ میوہ جات اور انگور کے نچوڑ کا بقایا اپنے سامان میں

میں محفوظ کر لیا تاکہ سفر میں بوقتِ ضرورت کام آئے۔ جب بیت المقدس سے گزرے تو فرمایا "یہ ویران بستی بھی کبھی آباد ہو سکتی ہے"۔ یہ آپ نے قادرِ مطلق کی قدرت پر شک کر کے نہیں بلکہ بطور تعجب کے کہا۔ اس پر حضرت عزیر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری فرما دی اور وہ نیند کی حالت میں سو سال تک وہیں پر کمالیت آرام فرماتے رہے۔ اسی طرح آپ کے گدھے کو بھی حقیقی موت واقع فرما دی۔ چونکہ آپ کے ساتھ میوہ اور انگور کا نچوڑ تھا وہیں پر محفوظ رہا جہاں آپ آرام فرما رہے تھے، وہیں سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آنکھیں دیکھنے سے اندھی کر دیں یہاں تک کہ سو سال تک آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔ سو سال کے بعد زندہ ہوئے اور آپکا گدھا بھی تو اسی گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچے تو نہ وہ نقشہ نہ وہ لوگ۔ نہ یہ اہلِ محلّہ کو پہچانتے ہیں نہ اہل محلہ انہیں اپنی برادری کے متعلقین کے حالات سے آگاہی فرمائی تو آپ کو اپنا صاحبزادہ ملا جو اس وقت ایک سو اٹھارہ کے بوڑھے اور کئی پوتوں پرپوتوں کے دادا تھے اور ایک نابینا بوڑھی عورت نہایت کمزور جو چل پھر نہ سکتی تھی اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی کنیزوں میں سے تھی۔ جب عزیر علیہ السلام ان سے جُدا ہوئے تھے اس وقت اس بی بی کی عمر صرف بیس سال تھی۔ آپ نے حالات کا جائزہ لے کر اعلان فرما دیا کہ میں عزیر ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے سو سال فوت کر کے پھر زندہ فرمایا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ عزیر علیہ السلام مستجاب الدعوۃ تھے، وہ بیماروں کو تندرست بنا دیتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو خوشحال فرما دیتے تھے اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میرے لیے دُعا فرمائیے تاکہ میں بینا ہو کر تمہیں دیکھوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تمہیں پہچان سکوں۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور بی بی کی آنکھوں پر رحمت بھرا ہاتھ پھیرا تو وہ بی بی انکھیاری ہو گئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بڑھیا کے ہاتھ پکڑ کر اسے فرمایا، قومی باذن اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بی بی تندرست ہو کر کھڑی ہو گئی اور غور سے دیکھ کر کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ واقعی آپ عزیر علیہ السلام ہیں۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد ماجد کے دونوں کاندھوں کے درمیان ہلالی شکل کا ایک تل تھا آپ اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹائیے تاکہ ہم اس کی پہچان کر لیں، آپ نے اپنے کاندھے سے کپڑا ہٹایا تو وہ ہلالی شکل کا تل بھی موجود تھا۔

فائدہ: سدی و کلبی نے کہا کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کیا تو اس نے تورات کو بھی جلا دیا تھا۔ تورات کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی عزیر علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے لیے کوئی سبب تھا اس وقت عزیر علیہ السلام نے دعا مانگی کہ انہیں تورات کا علم نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب روئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ تھا وہ عزیر علیہ السلام کو پلا دیا۔ اس کی برکت سے آپ کو

لے جسے فاماتہ اللہ سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمایا ہے وہاں پر موت بمعنے نیند ہے جیسا کہ روح البیان جلد ۱ صفحہ ۴۰۸ تحت آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللہ لکھا کہ فالقی اللہ تعالیٰ علیہ النوم ونزع منہ الروح وبقی میتا الخ چونکہ نوم بمنزلہ موت کے ہوتی ہے اسی لیے اسے موت سے تعبیر کیا گیا

تورات مکمل طور پر یاد ہو گئی۔ اس کے بعد عزیر علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مبعوث فرمایا ہے تاکہ میں تمہارے لیے تورات کے احکام کی تجدید کروں۔ انہوں نے کہا پہلے ہمیں تورات سُنائیے۔ آپ نے انہیں تمام تورات زبانی سُنا دی۔ بنی اسرائیل کے ایک مرد نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے سُنا تھا کہ تورات فلاں انگور کے درخت میں مدفون ہے اسے نکال کر عزیر علیہ السلام کی پڑھی ہوئی تورات سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ اس مدفونہ تورات کو اسی انگور کے درخت سے نکالا گیا اور عزیر علیہ السلام سے سُنا تو اس کے ایک حرف میں بھی فرق نہ پایا گیا اس پر ان میں بعض بیوقوفوں نے کہہ دیا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (معاذ اللہ) اس لیے کہ یہ کتاب اللہ کی ہے تو اس نے اپنی کتاب اپنے بیٹے کو ہی یاد کرا دی ہے۔ اسی بنا پر متقدمین یہودیوں کا عقیدہ ٹھہرا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور نصرانیوں نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

ف: یہ قول بھی نصاریٰ کے بعض کا ہے انہوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ اسی لیے کیا کہ کوئی لڑکا باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں بنا بریں وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہوں گے۔ دُوسرا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں کو انکھیارا اور برص والے کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے خدائی کام خود خدا کر سکتا ہے یا اس کا بیٹا۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ یہودیوں اور نصرانیوں کے مذکورہ بالا گندے عقیدے کی طرف ہے قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ان کا یہ قول بناوٹی ہے اس پر نہ ان کے ہاں کوئی برہان ہے نہ حجت۔ یہ صرف منہ سے ایسے ہی کہہ دیا ہے۔ مہمل کلمہ کی طرح اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ف: حدادی نے فرمایا کہ ان کا یہ قول ایسا ہے جو صرف لفظوں تک محدود ہے اسے معنے سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ وہ خود معترف ہیں کہ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ان کو یہ بھی اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی زوجہ نہیں۔ جب ان دونوں کا انہیں اعتراف ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا وجود کیسے۔

يُضَاهِئُوْنَ يضاهی بمعنی يشابه یعنی ان کا قول کفر و شناعت میں مشابہ ہے قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط ان کافروں کے قول سے جو ان سے پہلے گزرے ہیں اس سے وہ مشرک مراد ہیں جو کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے یہ ان سب کی تباہی و بربادی کی دعا ہے اس لیے کہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے وہ تباہ و برباد کرے گا اس میں لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ یہاں پر حقیقی معنے مراد لینا محال ہے نیز ممکن ہے کہ یہاں ان کے اس گندے عقیدے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہو۔ اگرچہ اس کے اصلی معنے کی بجائے مجازی معنیٰ مراد لیا جا سکتا۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ کہاں پھیرے جا رہے ہیں یعنی یہ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کس طرح منتقل ہو رہے ہیں حالانکہ باطل کی طرف جانے کی کوئی راہ ہی نہیں یہ استفہام تعجب ہے اِتَّخَذُوْٓا یہودیوں نے

بنا رکھا ہے اَحْبَارَهُمْ اپنے علماء کو احبار۔ حبر (بالکسر) کی جمع ہے یہی فصیح تر ہے اور حبر کو اس لیے اس لفظ سے موسوم کرتے ہیں کہ وہ اپنے علم کو سیاہی سے بہت زیادہ لکھتا ہے یا چونکہ معانی احسن وجوہ سے بیان کرتا ہے اسی لیے اسی نام سے موسوم ہوا۔ یہ یہود کے ان علماء کا لقب ہے جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے وَرُهْبَانَهُمْ اور نصاریٰ نے اپنے راہبوں کو بنا رکھا ہے۔ یہ راہب کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں رہبۃ خوف وخشیت الٰہی گھر کر چکی ہو جس کے آثار اس کے چہرے اور زبان سے نمایاں ہوں اور اس کی شکل وصورت واضح کرے کہ واقعی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے ایسے شخص کو راہب کہا جاتا ہے، لیکن اب نصاریٰ کے ان پادریوں کا لقب بن گیا جو ان کے عقاید ومسائل کے عالم اور ان کے گرجوں کے اندر رہ کر عبادت میں مصروف رہتے ہوں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا ان یہود ونصاریٰ نے رب بنا رکھا ہے۔ یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی یہ اپنے پادریوں اور راہبوں کی فرمانبرداری میں ایسے سر دھنتے ہیں جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے جن اشیاء کو وہ حرام بتاتے ہیں یہ صرف انہی کو حرام اور جن اشیاء کو وہ حلال کہتے ہیں یہ صرف انہی کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حرام بتایا یہ اسے حلال اور جن اشیاء کو اس نے حلال فرمایا یہ حرام کہتے ہیں۔

حدیث شریف: کسی شے کو حرام کرنے والا ایسے ہے جیسے حرام شے کو حلال کہنے والا یعنی دونوں کی سزا برابر ہے۔

مسئلہ: حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا کفر محض ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ دودھ حرام ہے۔ اس میں اور اس دوسرے قائل میں کوئی فرق نہیں جو کہتا ہے کہ شراب اور خنزیر حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ اس کا عطف اربابًا من دون اللہ پر ہے یعنی انہوں نے عیسٰی بن مریم علیہ السلام کو بھی رب اور معبود بنا رکھا ہے جبکہ اس سے قبل یہ کہتے رہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے کہ اس کا کوئی شریک یا اس کا کوئی بیٹا ہو۔

ف: اِتَّخَذُوْا کی ضمیر ہر دو یعنی یہود ونصاریٰ کی طرف لوٹتی ہے چونکہ یہاں التباس کا کوئی خطرہ نہیں ہے اسی لیے دونوں کی ایک ضمیر لائی گئی ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا حالانکہ ان کافروں کو تورات و انجیل اور عقل کی روشنی سے حکم نہیں ہے اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا مگر یہ کہ وہ صرف اسی معبود عظیم الشان کی عبادت کریں اور اسی کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کے غیر کی اطاعت سے انہیں روکا گیا ہے اس لیے کہ اس کے غیر کی اطاعت اس کی عبادت کے لیے مخل ہے اور اس قاعدہ پر تمام کتب سماویہ متفق ہیں۔

سوال: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض سمجھتے ہو حالانکہ اطاعتِ رسول بھی تو غیر اللہ کی اطاعت میں شامل ہے۔

جواب: اطاعتِ رسول کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعتِ الٰہی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ اللہ کی دوسری صفت ہے۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ مَا مصدریہ ہے یعنی اسے دوسروں کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں منزہ سمجھنا ضروری ہے۔ نہ عبادت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اطاعت میں۔ یُرِیْدُوْنَ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اَنْ یُّطْفِئُوْا بجھانا چاہتے ہیں نُوْرَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے نور کو یعنی قرآن مجید جو توحید و تنزہ عن الشرکاء والاولاد و دیگر احکام کا حکم فرماتا ہے اس کی وہ تردید و تکذیب کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام اور اس کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتے ہیں بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے منہ سے یعنی ایسی باطل اور گندی تاویلیں ان کے منہ سے نکلتی ہیں جو کسی طریق سے بھی احکامِ خداوندی اور عقلِ سلیم کے مطابق نہیں اور نہ ہی وہ کسی قانون و قاعدہ اور ضابطہ کے تقاضا پر ہیں وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ یہ استثناء مفرغ من الموجب اس لیے ہے کہ اس کا معنی نفی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی ارادہ نہیں مگر وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے نور کا اتمام اعلائے کلمۃ التوحید واعزاز دین الاسلام سے ہو وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ○ لَوْ کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل اس کے جواب کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس جملہ کا عطف جملہ متقدمہ پر ہے جو اس سے قبل محذوف ہے اور وہ ہر دونوں محلاً منصوب حال ہیں اب عبارت یوں ہوگی کہ لا یرید اللہ الا اتمام نورہ و لو لم یکرہ الکافرون ذٰلك بل ولو کرھوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل چاہتا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو نور کی تکمیل ناگوار ہے۔ خلاصہ یہ کہ کافروں کی دونوں حالتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے نور اللہ کی تکمیل ضروری ہوگی۔

قاعدہ: جملہ اولیٰ ایسے مقامات پر قانونی طور اس لیے محذوف ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ اس کے محذوف ہونے پر دلالت واضح طور دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شے کسی مانع کے باوجود بھی مستحق ہو جائے تو بوقت قرینہ تو بطریق اولیٰ ہے کہ وہ متحقق ہو تو ایسے مقام پر اس کا محذوف ہونا مضر نہیں۔ ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے کش پف کند سبلت بسوزد

ترجمہ: وہ چراغ جسے اللہ تعالیٰ روشن کرے اسے پھونک مار کر جو بجھائے گا اس کی اپنی مونچھیں جل جائیں گی۔

---

[1] پرویزی و چکڑالوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکر ہیں ان کا ردّ ہو گیا۔ اسی طرح وہابیہ وغیرہ کا بھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات میں رخنہ اندازی کرتے ہیں انہیں معلوم ہو کہ ہم وہ کمالات و اختیارات بھی حقیقۃً خدا تعالیٰ کے سمجھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ
الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ
نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ
اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا
تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۫ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ
عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ
لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غلبہ دے اگرچہ مشرکین بُرا مانیں اے ایمان والو! بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کا ناحق مال کھا جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جوڑ رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ انھیں اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سُنائیں کہ جس دن وہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (کہا جائے گا) یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کے رکھا تھا اب اپنے اس جوڑنے کا مزا چکھو۔ بیشک مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہیں۔ جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا فرمائے ان میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ یہی دین سیدھا ہے تو ان مہینوں کے متعلق تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم ان تمام مشرکین سے ہر وقت جنگ جاری رکھو جیسے وہ تم سے ہر وقت جنگ لڑتے رہتے ہیں۔ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ ان کا مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر میں اور اضافہ ہے اسی سے کفار گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ حرمت والے مہینے کو ایک برس حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں تاکہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینے کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں انہیں اچھی لگتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْٓ وہ ذات جو نور الٰہی یعنی دین اسلام کے اتمام کا ارادہ رکھتی ہے وُہ ہے اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بھیجا ایسے رسول علیہ السلام کو جو ملتبس ہیں بِالْهُدٰی ہدایت کے ساتھ یعنی انہیں وُہ قرآن عطا ہوا ہے جو متقین کو ہدایت دیتا ہے وَدِیْنِ الْحَقِّ اور دین حق کے ساتھ اس سے دین اسلام مراد ہے لِیُظْهِرَهٗ تاکہ غالب کرے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ تمام اہل ادیان پر یہاں مضاف محذوف ہے یا دین حق تمام ادیان کو منسوخ کر دے جیسا کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہو لِیُظْهِرَهٗ کی لام ارسل رسولہٗ کے سبب موجب کے اثبات کے لیے ہے۔ شرعاً یہ لام حکمت وسبب کی اور عقلاً علت کی ہے اس لیے اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مُعَلَّلَةٌ بِالْاَغْرَاضِ نہیں ہیں۔ ہاں غایات جلیلہ کے مستتبع ہو کر ان کا صدور ہوتا ہے گویا غایت کا ترتب اس کے ثمرہ کے مطابق ہوتا ہے جیسے غرض کو کسی امر کے لیے ہونا چاہیے وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ اگرچہ مشرکین کو دین اسلام کا غلبہ ناگوار ہو۔

سوال: کفر کے بعد شرک کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: تاکہ انہیں تنبیہہ ہو کہ رسول علیہ السلام اور ان کے دین سے عناد بھی کفر بعد کفر ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ دین اسلام کا غلبہ تدریجاً ہوگا اور قیامت کے قرب میں اس کی تکمیل ہوگی یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے تو ان کی تشریف آوری کے بعد مکمل طور دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائیں گے تو ان کے زمانہ میں تمام ادیان مٹ کر رہ جائیں گے اُن کے دور میں صرف دین اسلام کا دور دورہ ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ دین اسلام کا غلبہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے وقت ہوگا اس لیے کہ ان کے ظہور کے وقت تمام لوگ خود بخود دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے یا پھر خراج کی ادائیگی پہ مجبور ہوں گے۔

حدیث شریف: دین اسلام کے معاملہ میں شدت اور دنیا کے امور میں ڈھیلاپن اور لوگوں کے بخل میں اضافہ ہوتا رہیگا اور قیامت شریر لوگوں پر قایم ہوگی اور مہدی صرف عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یعنی مہدی علیٰ نبینا علیہ السلام کے معاون صرف عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا نزول صرف مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی نصرت اور ان کی مصاحبت کے لیے ہوگا۔

تعارف امام مہدی امام مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں گے۔ وہ امام عادل ہیں، نبی یا رسول نہیں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان میں یہی فرق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی رسول اور ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی کا نزول ہوگا اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام نبی رسول نہیں ہیں اور ان کی طرف وحی کا نزول ہوگا، نیز عیسیٰ علیہ السلام خاتم الولایت بن کر تشریف لائیں گے اور مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام خاتم الخلافۃ

ہوں گے، بہرحال ہوں گے۔ ہر دو خدام الاسلام اس لیے کہ اسلام ہی خیر الادیان اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین ہے۔

حکایت باکرامت

ایک رومی نومسلم کا بیان ہے کہ میرا اسلام لانا ایک عجوبہ ہے وہ اس طرح کہ اہلِ اسلام نے ہمارے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دوران میں کفار کے لشکر کا بہت بڑا افسر تھا۔ مسلمانوں کے دس لشکریوں کو ہم نے قید کر لیا ہم نے انہیں قید کر کے خچروں پر سوار کر کے جیل خانے میں بند کر دیا اور حکم جاری کیا کہ ہر قیدی کے ساتھ ایک سپاہی نگرانی کے لیے مقرر ہو۔ ایک دن میں جیل خانہ کا گشت کرتا ہُوا ایک مسلمان جیلی کو دیکھا کہ وُہ نماز میں مصروف ہے۔ میں نے اس کے نگران سے پوچھا یہ کیسا جیلی ہے۔ اس نے کہا کہ اس قیدی کا معاملہ بھی عجیب ہے وُہ اس طرح کہ جونہی نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو مجھے ایک دینار لازماً عطا کرتا ہے۔ میں نے پُوچھا کیا اس کے ہاں دراہم و دنانیر کا خزانہ ہے۔ میں نے کہا نہیں پھر وہ کہاں سے لاتا ہے۔ اس نے کہا جب وُہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دونوں ہاتھ زمین پر مارتا ہے شاید وہیں سے پیسے نکال کر دیتا ہے۔ مجھے اس نیک بخت قیدی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ دوسرے روز میں نے فقیروں مسکینوں جیسے پُرانے کپڑے پہنے اور نہایت دُبلے کمزور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نیک بخت کے نگران سپاہی کے ساتھ مذکورہ بالا کرشمہ دیکھنا چاہا۔ ہم اس کی کوٹھڑی کے قریب بیٹھ گئے۔ جب اس نیک بخت نے ظہر کی نماز پڑھنا چاہی تو میری طرف اشارہ فرمایا کہ کیا تمہیں بھی دینار چاہییں ؛ میں نے اشارہ کیا کہ مجھے دو دینار چاہییں۔ اس نے نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر میری طرف دو دینار پھینکے۔ جب عصر کی نماز پڑھنی چاہی تو مجھ سے پہلے کی طرح دنانیر لینے کا اشارہ کیا۔ میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے پانچ دینار چاہییں نماز پڑھ کر حسبِ دستور زمین پر ہاتھ مار کر پانچ دنانیر میرے ہاتھ میں تھما دیے۔ جب اس نے مغرب کی نماز پڑھنا چاہی تو میرے سے اشارہ کر کے پُوچھا تو میں نے اشارہ کیا کہ اب مجھے دس دینار چاہییں۔ نماز پڑھ کر پہلے کی طرح مجھے دس دینار عنایت فرمائیے۔ اس کا یہ عجیب کرشمہ دیکھ کر صبح کو پھر اس کے ہاں حاضر ہُوا اور عرض کی کیا آپ واپس اپنے لشکرِ اسلام میں جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جانے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے اسے اپنے خچر پر سوار ہو کر زادِ راہ دے کر لشکرِ اسلام کی طرف روانہ کیا۔ اس بندۂ خدا نے روانگی کے وقت میرے لیے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر آپ کا خاتمہ ہو۔ اس وقت سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہُوئی یہاں تک کہ میں پکا اور سچا مسلمان ہو گیا۔

سبق ؛ مومن پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں بدل و جان جد و جہد کرے کہ انہیں ایسے دین حق سے نوازا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اسمِ گرامی کو صفحات کون کے ذرّہ ذرّہ میں لکھا ہے۔

ہر درخت کی دھوا ہے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

منقول ہے کہ بعض مشایخ فرماتے ہیں کہ میں بلادِ ہند کے ایک شہر میں وارد ہوا وہاں ایک ایسا درخت دیکھا جس کا میوہ بادام کے مشابہ جس کے اُوپر ایک

چھلکا بھی تھا۔ جب اسے توڑا جاتا تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا پتہ لپیٹا ہوا نمودار ہوتا جس پر سُرخ سیاہی سے مکتوب تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اس کا رسم الخط ہندی خط کے مشابہ تھا۔ اہلِ ہند اسی سے برکات حاصل کرتے۔ جب بارش نہ ہوتی تو اسے وسیلہ بناتے تو بارش ہو جاتی اور اس کے قریب کھڑے ہو کر عجز و نیاز سے دُعا مانگتے تو مشکلیں حل ہو جاتیں۔

دُوسری عجیب کہانی وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یعقوب صیاد کو یہی واقعہ سُنایا، انہوں نے فرمایا میں نے اس سے بڑھ کر اور عجیب واقعہ دیکھا۔ وہ یہ کہ ایلہ میں مَیں نے ایک ایسی مچھلی کا شکار کیا جس کے دائیں کان کے قریب لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے کان کے قریب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس مچھلی کو پھر دریا میں پھینک دیا صرف اس کے احترام کے پیش نظر کہ اس پر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مکتوب تھا۔ ؎

شہباز ہوائے قاب قوسین
پُر شد ز تو آشیاں کونین

ترجمہ: قاب قوسین کی ہوا کے شہباز آپ سے آشیانۂ کونین آباد ہُوا۔

وہابی کش حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجعلونی کقدح الراکب ای لا تنسونی فی حالة الشدة والرخاء ولا تذکرونی کضیع الراکب مع قدحه المعلق فی مؤخر رحله اذا احتاج الیه من العطش استعمله واذا لم یحتج الیه ترکه وقیل لا تجعلونی فی آخر الدعاء فان اللائق ان یذکر اسمه الشریف اولا وآخرا ویجعل الدعاء له عنوان الادعیة۔

مجھے سوار کے پیالے جیسا نہ سمجھو یعنی دکھ درد کے وقت مجھے نہ بھُولو بلکہ ایسے میں مجھے ہر وقت پکارو، مجھے سوار کے اس پیالہ کی طرح نہ سمجھو جو سواری کے پیچھے لٹکا رہتا ہے اور اسے اس وقت اٹھایا جاتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے اور ضرورت نہ ہو تو وہ ویسے ہی پڑا رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے دعا کے آخر وقت میں یاد نہ کرو بلکہ ضروری ہے کہ آپ کا اسم گرامی دعا کے اول و آخر دونوں وقتوں میں یاد کیا جائے بلکہ آپ کا ذکر مبارک ہر دعا کا عنوان ہو۔

(روح البیان ج ۱ ص ۱۹۸ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

۵

ہر چند شد آخرین مقدم
شد بر ہمہ نوا تو مقدم

ہم سب کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ کا خادم اور ہیں اپنی جناب کا ان کے وسیلہ کے قائلین سے بنائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ اے ایمان والو! بہت سے احبار۔

تفسیر عالمانہ ان سے علمائے یہود مراد ہیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے وَالرُّهْبَانِ اور نصاریٰ کے پادری جو ان کے گرجوں میں رہ کر عبادت کرتے تھے۔ یہ راہب کی جمع ہے اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کی ہے لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ البتہ لوگوں کے مال باطل کے طور کھاتے ہیں یعنی احکام و شرائع اور ان میں تخفیف و تیسیر کے لیے تغیر و تبدل کر کے رشوت لیتے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں اپنی دھاک بٹھاتے کہ وہ تاویل آیت میں بہت بڑے ماہر و حاذق ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مراد جانتے ہیں۔

دورِ حاضرہ کے مفتی اور ظالم حکام صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی حال غلط کار مفتیوں اور ظالم حکام کا ہے کہ وہ فتویٰ لینے والے کے مطلب و مراد پر بھاری رقمیں لے کر فتوے دیتے اور احکام صادر کرتے ہیں کبھی مرجوح اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات شرع مطہرہ کے خلاف احکام صادر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے فتویٰ دیا ہے ان کی سند قوی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے غلط کار مفتیوں اور ظالم حکام کو ذلیل و خوار کرے۔

فائدہ : چونکہ رشوت لینے اور حرام کا مال کمانے سے اکل و شرب میں بہت فائدہ ہوتا ہے اسی لیے اسے لیاکلون سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ رشوت لینا اور حرام مال کی کمائی ہر طرح حرام ہے خواہ اسے کھانے میں استعمال کیا جائے یا دوسری ضروریاتِ زندگی میں۔

وَيَصُدُّونَ اور وہ لوگوں کو روکتے ہیں عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی دینِ اسلام سے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رشوت کا مال اور حرام کی کمائی سے اپنے آپ کو دینِ اسلام سے دُور رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر کے ان کی نگرانی کرتے ہیں اسے دفن کر کے یا کسی اور طریق سے۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کے عرف میں الکنز بمعنے الجمع ہے اور ایک شے کو دوسری شے سے جمع کرنے کو مکنوز کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے : هذا الجسم مكتنز الاجزاء۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ جسم مجتمع الاجزاء ہو

اور سونے کو عربی میں الذھب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چلنے والی اور باقی نہ رہنے والی شئے ہوتی ہے۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔
اور چاندی کو الفضۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی منتشر ہو کر باقی نہیں رہ سکتی اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔
سبق: سونے چاندی کے عاشق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب ان کا نام بھی ایسا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی باقی نہیں رہ سکتے یعنی فانی ہی فانی ہیں تو پھر ان سے دل لگانا کیسا!

سونے، چاندی اور اگربتی کو سزا ملی منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو بہشت کی ہر شئے نے آنسو بہائے سوائے چاندی، سونے اور لوبان (اگربتی کی لکڑی) کے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اگر تمہارے دل میں ذرہ بھر بھی نرمی ہوتی تو تم بھی میرے خوف سے روتے لیکن تم سنگدل ہو، اور میرا دستور ہے کہ جو سنگدل ہوتا ہے میں اسے آگ میں جلاتا ہوں، مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم ہے، اے سونا چاندی! تمہارے سے جب درہم، دینار اور کنگن یا کوئی اور زیور بنائیں گے تو تمہیں آگ سے پگھلا کر تیار کریں گے۔ اور اے لوبان (اگربتی کی لکڑی)! تو بھی ہمیشہ آگ میں سلگائی جائے گی۔ اور تم سب تاقیامت غم اور حزن میں مبتلا رہو گے۔

فائدہ: الذین اسم موصول سب کو شامل ہے، احبار ہوں یا رہبان یا کوئی اور مسلمان ہوں یا کافر، لیکن وہ جو مال کو راہ حق میں خرچ نہ کریں۔ یہ اسم موصول مبتدا اور اس کی خبر فبشرھم الخ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ

وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اموال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی ان کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کا حق پورا کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر لفظ مِنْ محذوف ہے لیکن نیست میں ہے جیسے دوسری آیت میں اسے ظاہر کر دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ۔ یعنی ان کے مال سے صدقہ لیں۔

حدیث شریف: دوسو دراہم چاندی سے پانچ درہم اور بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال راہ حق میں دو۔

فائدہ: اگر اس سے تمام مال خرچ کرنا مراد ہو تو وہ کسی حال میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ (کذا فی تفسیر الحدادی)

سوال: ینفقونھا میں ضمیر واحد مونث کی ہے حالانکہ اس سے پہلے ذھب و فضۃ تثنیہ ہے۔

جواب ۱: ذھب و فضۃ سے کثرت مراد ہے اور ضمیر واحد مونث اسی کثرت کی وجہ سے ہے۔

جواب ۲: یہ ضمیر اموال کی طرف راجع ہے۔

جواب ۳: الکنوز کی طرف راجع ہے جیسا کہ یکنزون سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب ۴: فضۃ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہی قریب ہے۔ پھر چونکہ ذھب وفضۃ آپس میں لازم وملزوم ہیں اسی لیے ان کا ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ آیت "واذا راٰو تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا" سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی طرح علیھا کی ضمیر کی تقریرات ہوں گی۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ اور انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجیے۔ وعید کے بجائے بشارت سے تہکم کیا گیا ہے یَوْمَ عذاب مصدر کا مفعول فیہ ہے اسی وجہ سے منصوب ہے۔ یُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ (حل لغات)
حمیت النار ای اشتدت حرارتھا، یعنی اس دن انہی دراہم و دنانیر پر نہایت گرم آگ جلائی جائے گی۔
ف: علیھا محلاً مرفوع کا یُحْمٰى کے فاعل کے قائم مقام ہے۔
فَتُكْوٰى پس داغی جائیں گی بِهَا انہی گرم کردہ دراہم و دنانیر سے جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں۔
نکتہ: ان تینوں اعضاء کو داغنے میں حکمت یہ ہے کہ جب دولت مند فقیر طالب زکوٰۃ کو دیکھتا ہے تو تیوری چڑھاتا ہے اس کے بعد جب اس سے سائل کچھ مانگتا ہے تو پیٹھ کی طرف منہ پھیرتا ہے، جب فقیر اسے مزید پریشان کرتا ہے تو اپنی جگہ سے اٹھ کر سائل کو پیٹھ دے کر چلا جاتا ہے اور ایسے دولت مندوں کی اکثر عادت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ سائلوں کو کچھ دیتے بھی نہیں۔
نکتہ: اس کی اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا عموماً دولت اسی لیے سمیٹتا ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی وجاہت ہو اور چہرے میں سب سے اونچا ماتھا ہے اور دولت سے اعلیٰ مقصد لذیذ خوراک ہے اور خوراک سے ہی بندہ موٹا ہوجاتا ہے . . . . اور دولت سے دوسرا عظیم مقصد لباس ہے اور کپڑے باہر سے اٹھا کر لٹکے جاتے ہیں تو پیٹھ پر انہی وجوہ سے مذکورہ اعضاء داغے جائیں گے۔
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ یعنی قیامت میں داغتے وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہی دولتِ دنیا ہے جسے تم نے دنیا میں جمع کیا تھا لِاَنْفُسِكُمْ منافع کے لیے اب اس کا عین تمہیں ضرر دے رہا ہے اور وہی تمہارے عذاب کا موجب ہے فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ اب تم ذخیرہ اندوزی کا وبال چکھو۔ یہ ما مصدریہ اور اس کا مضاف محذوف ہے، یعنی یہ دراصل فذوقوا وبال ماکنتم الخ تھا، مضاف اس لیے محذوف مانا گیا ہے کہ کنز (ذخیرہ اندوزی) (مصدر) چکھنے کی شے نہیں بلکہ اس کا وبال و عذاب انہیں چکھایا جائے گا۔
نکتہ: ذخیرہ اندوزی کا وبال آخرت میں اسی لیے چکھنے کا کہا گیا ہے کہ اس کا احساس آخرت میں ہوگا ورنہ دنیا تو دار غفلت ہے اس میں نوم غفلت کا غلبہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نیند والے کو داغے جانے کا احساس نہیں ہوتا، ہاں اس کا احساس جاگنے کے بعد ہوتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں ہم خواب غفلت میں ہیں، جب مریں گے تو اس خواب سے بیداری ہوگی۔ ؎

مردماں غافلند از عقبیٰ ہمہ گویا بخفتگاں مانند
ضرر غفلتے کہ مے ورزند چوں بمیرند آنگہے دانند

ترجمہ: لوگ آخرت سے غافل ہیں، یوں کہو گویا وہ تمام نیند میں ہیں، ایسی غفلت سے نقصان اٹھائیں گے جب مریں گے تو انہیں معلوم ہوگا۔

فائدہ: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اگر دوسرے لوگ مال کا خزانہ جمع کریں تو تم اعمال کا خزانہ جمع کرو۔ اگر دوسرے اسباب فانیہ کی چیزیں جمع کریں تو تم رموز و اسرار کی جستجو کرو۔ ؎

یکدرم کان دہی بدرویشے　　بہتر از گنجہائے مدخر است
زانچہ داری تمتع بردار　　کان دگر روزے کے دگر است

ترجمہ: ایک فقیر کو دینا ایک درہم ہزاروں خزانوں کو محفوظ کرنے سے بہتر ہے۔ جتنا ہو سکتا ہے تم اپنے مال سے آج نفع اٹھاؤ ورنہ کل تو اس کا کوئی اور مالک ہوگا۔

تارکِ زکوٰۃ کی سزا حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ صاحبِ خزانہ کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہوگی تو اس کا مال آگ سے گرم کر کے صاحبِ مال کا چہرہ اور ماتھا اور کروٹیں داغی جائیں گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ اور حساب و کتاب کا دن تمہارے انہی ایام کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہوگا اب بندہ سوچ لے، چاہے تو بہشت کا راستہ اختیار کرے چاہے دوزخ کا۔ اسی طرح ہر وہ شخص کہ جس کے ہاں بہت سے اونٹ تھے لیکن اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس شخص کو زمین پر لٹا کر اونٹوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا اور اونٹ جونہی اس کے اوپر چلیں گے تو خوب کود کر، اور سخت سے سخت ہاتھ پاؤں سے اس شخص کو روندتے ہوئے جائیں گے، اور جب ان میں سے ایک کا گزر ہوگا تو دوسرا اس کے پیچھے اسی طرح کودتا ہوا جائے گا۔ جب ایک دفعہ سارے گزر جائیں گے تو پھر از سرِ نو آئیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک بندوں کا حساب مکمل نہ ہو جائے، اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، اب بندوں کا اختیار ہے چاہے بہشت میں جائیں یا دوزخ میں۔ اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کا حشر ہوگا کہ اسے مٹی پر لٹا کر بکریوں کو اس کے اوپر سے چلایا جائے گا جو اسے سینگوں سے ماریں گی اور پاؤں سے روندیں گی۔ ان کا سلسلہ بھی اسی طرح ہوگا کہ ان میں سے ایک جائے گی تو اس کے پیچھے اور آئے گی۔ تمام بکریوں کے ختم ہونے کے بعد از سرِ نو سلسلہ شروع ہوگا اور حساب و کتاب کے اختتام تک اس کا یہی حال ہوگا۔ اس سے بندے خود سوچیں کہ کون سا راستہ اچھا ہے، بہشت کا یا دوزخ کا۔

نکتہ: مال کی نعمت کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا حکم ہوا، جیسے نماز، روزہ، حج اعضاء کی صحت و عافیت کے شکر کی ادائیگی کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے متعلق بھی یہی تقریر ہے کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان کی صحت و سلامتی کے شکرانہ میں بندہ کو ہر صبح دوگانہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: دو سو درہم میں سے پانچ درہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے فقراء کو دینے ضروری ہیں۔

مسئلہ: ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا کہ جس سے کسی قسم کی دنیوی غرض مطلوب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: یتیم کی پرورش کرنے والا اگر یتیم کو زکوٰۃ کے مال سے کھانا کھلائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس لیے کہ زکوٰۃ کا رکن یہاں پایا گیا ہے یعنی تملیک یہ اس وقت ہے جب یتیم کو طعام کا مالک بنا دے۔ اگر اسے مالک نہ بنائے بلکہ اسے اپنے قبضے میں چھوڑ دے اور اسے بقدر ضرورت دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ تملیک نہیں پائی گئی۔

مسئلہ: یتیم سے اگر خدمت لے کر اسے زکوٰۃ دیتا ہے تو بھی ایسے یتیم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: ایسے ہی غیر مملوک غلام کو زکوٰۃ دینا لیکن اس سے کسی قسم کی خدمت کی اُمید نہ رکھی جائے۔ اگر اس سے کسی قسم کی خدمت لی جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سبق: ان مسائل سے اکثر لوگ نہ صرف غافل ہیں بلکہ ان کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: ایسے ہی رشتہ داروں کو بہ نیت زکوٰۃ کھانا وغیرہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ اس کے ایسے قریبی رشتہ دار نہ ہوں جن کا نان ونفقہ اس کے لیے ضروری ہو۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ اپنے بھائیوں کو دے اگر وہ مستحق ہوں، وہ نہ ہوں تو پھر چچا، وہ نہ ہو تو پھر ماموں، پھر دوسرے رشتہ دار، پھر ہمسائیگاں، پھر محلہ والوں کو، پھر شہر والوں کو۔

مسئلہ: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ ذمی کو دینا جائز ہے بخلاف فطرانہ کے کہ وہ ذمی کو نہیں دیا جا سکتا، دوسرا زکوٰۃ کا کوئی وقت معین نہیں لیکن فطرانہ کا وقت معین ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر فطرانہ دوسرے دن دے گا تو گنہگار ہوگا۔

مسئلہ: فرماتے ہیں کہ کل زکوٰۃ عمر کے کسی ایک وقت میں ادا کرنا فرض ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہی ادا کرنا لازمی ہے۔ بعض فقہاء کا اسی پر فتویٰ ہے، ان کے نزدیک زکوٰۃ میں تاخیر گناہ ہے۔ ایسے شخص کی گواہی بھی ناقابلِ قبول ہے۔

مسئلہ: زکوٰۃ کو چھپا کر دینا مستحب ہے بالخصوص جب ظالم حکام کا خطرہ ہو تو فقیری کا اظہار کرکے زکوٰۃ پوشیدہ دے تو جائز ہے یہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ (خلافاً لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

مسئلہ: کسی کے پاس اور کوئی سامان نہیں صرف ایک مکان جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے۔ لیکن ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہاں اگر وہ مکان تجارت کا ہو اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس شخص کو زکوٰۃ دینی ہوگی۔

مسئلہ: زعفران اس ارادہ پر خریدا کہ روغنی روٹی پر لگائے گا اور وہ روٹیاں اگرچہ تجارت کی ہوں، تب بھی اس زعفران پر زکوٰۃ نہیں، اگرچہ ان تجارتی روٹیوں پر روغن سمیت زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر صرف روغن خریدا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں زعفران تبعاً خریدا گیا ہے، دوسری صورت میں روغن بالاصالۃ خریدا گیا ہے۔

مسئلہ: لکڑی اور نمک (جو روٹی پکانے والے نے) اور صابون اور کھار دھوبی نے خریدا اور شب یمانی، [illegible] (م ادویہ) موچی (جوتے سینے والے) نے خریدا تو ان چیزوں پر زکوٰۃ نہیں اور پیلا رنگ اور زعفران رنگریز نے خریدا تو زعفران اور پیلے رنگ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (کذا فی الاشباہ والنظائر)

مسئلہ : سونے اور چاندی میں نصاب اور ادائیگی کا اعتبار وزن پر ہے اس کا اعتبار عرف عام پر نہیں اس لیے کہ اس کے دراہم و دنانیر بنا کر بادشاہوں کی مہر لگا کر کاروبار کرتے ہیں۔
مسئلہ : زکوٰۃ کی ادائیگی اسی طرح کفارہ سوائے اعتاق کے اسی طرح عشر و منت میں بجائے سونا چاندی دینے کے نقد رقم دینا جائز ہے۔
مسئلہ : کسی نے منت مانی کہ میں آج یہی درہم فلاں فقیر کو دوں گا، اس نے بجائے آج کے کل وہی درہم اسی فقیر کو دیا تو حانث نہ ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔
مسئلہ : کسی میت کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، ہاں اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے مال سے زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن تہائی مال سے زاید نہ ہو۔
مسئلہ : مریض کو اگر وارثوں سے خطرہ ہو تو وہ اپنے مال سے پوشیدہ طور خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے فقراء کو دینا جائز ہے۔
اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ - عِدَّةٌ مصدر ہے بمعنے عدد یعنی گنتی۔ یعنی احکام شرعیہ جیسے حج، عمرہ، روزہ، زکوٰۃ، عیدین وغیرہ وغیرہ کے لیے مہینوں کی گنتی، اور یہاں پر شھور سے قمری مہینے مراد ہیں، جس کا ہر مہینہ پہلی تاریخ سے دوسرے مہینہ کی پہلی تاریخ تک چلتا ہے اور وہ کبھی پورے تیس دنوں کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دنوں کا، (اور اس کے سال کے دن تین سو پینتالیس اور تہائی دن کا ہوتا ہے، بخلاف فارسی اور رومی (عیسوی) مہینوں کے کہ انکے بعض ماہ تیس دن کے ہوتے ہیں اور بعض اکتیس کے، اور ان کا نظام شمسی ہوتا ہے، اس لیے ان کے سال کے ایام تین سو پینسٹھ، اور دن کا چہارم حصہ ہوتے ہیں۔
فائدہ : سورج کے بارہ بروج ہیں جنہیں سال میں تمام طے کر لیتا ہے اور چاند ان سب کو صرف ایک مہینے میں طے کرتا ہے۔ وہ بارہ بروج یہ ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت فلکیات کی اصطلاح میں سورج کے سالانہ دورے کا آغاز راس الحمل کے نقطہ سے شروع ہو کر اسی نقطہ میں دورہ کا اختتام ہوتا ہے۔ کیونکہ سورج اسی نقطہ سے آغاز کرتا ہے تو انگوریوں کو قوۃ اور اسی وقت سے نشوونما شروع اور سردیوں کا دور ختم اور گرمیوں کے فصل ربیع کا آغاز ہوتا ہے یعنی گرمی و سردی کا موسم معتدل ہوتا ہے۔
فائدہ : چونکہ اہل عرب کا سن قمری ہے یہ اپنے معاملات دینی جیسے حج، صوم، فطرانہ وغیرہ اسی سن کے مطابق سرانجام دیتے ہیں اور یہ بہ نسبت سن شمسی کے مقدار میں کم ہے اسی لیے حج و روزہ وغیرہ کبھی سردیوں میں واقع ہوتے ہیں کبھی گرمیوں میں، بخلاف دوسرے لوگوں یعنی عیسائی وغیرہ کے کہ ان کے معاملات شمسی نظام کے مطابق ہوتے ہیں اسی لیے وہ ایک ہی موسم میں آتے ہیں۔
عِنْدَ اللّٰهِ یہ عدۃ کی ظرف یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں اثْنَا عَشَرَ یہ ان کی خبر ہے شَهْرًا یہ تمیز موکد ہے، جیسے عندی من الدنانیر عشرون دینارا میں تمیز موکد ہے فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یہ اثنا عشر کی صفت ہے۔ اصل عبارت اثنا عشر شهرا مثبتة فی کتابہ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بارہ ماہ ہیں اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔

فائدہ : فی کتٰب اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا کتٰب اللہ میں ہونا خصوصیت سے ہے ورنہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہیں لیکن انھیں فی کتٰب اللہ سے موصوف نہیں کیا جاتا۔

یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ منصوب اور ظرف ہے۔ یہ اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق فی کتٰب اللہ ہے یعنی یہ بھی مثبتۃ کے متعلق ہے یعنی یہ بارہ ماہ کتاب اللہ میں اس وقت سے ثبت ہیں جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ اور آسمان و زمین سے اجرامِ کثیفہ و لطیفہ مراد ہیں۔ اور یہ قید اس لیے لگائی کہ سورج وغیرہ کو آسمان و زمین پر اس وقت سے جاری فرمایا جب سے ان کی تخلیق فرمائی۔ اس بناء پر یہ نہ بارہ سے بڑھ سکتے ہیں اور نہ ان سے کم ہو سکتے ہیں۔ ان مہینوں کا پہلا مہینہ محرم اور آخری ذوالحج ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے سال کو بارہ ماہ میں اس لیے مقید فرمایا کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ سال کو تیرہ ماہ کا مقرر کرتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ ہر دو سالوں میں حج کو آگے بڑھا کر ادا کرتے۔ پھر آئندہ سال اسی ماہ کو دوسرے سال میں شمار نہیں کرتے تھے اسی طریق سے ان کا سال کا دورہ بدلتا رہتا تھا۔ جس ماہ سے حج کا آغاز کرتے پچیس سال کے بعد پھر اسی ماہ کی باری آتی۔ یہ طریقہ ان کا ایجاد کردہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال ان کا حج کا مہینہ تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے جس سال ان کا حساب حج کرنے کا ماہ ذوالحج پہ پہنچا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال ان کے ساتھ حج پڑھا، حضور علیہ السلام نے جبل عرفات میں نویں تاریخ کو اہلِ جاہلیت سے فرمایا کہ تمہارے حج کی تواریخ کو بدلنا اور اسے تاخیر سے ادا کرنا نہایت قبیح ہے۔ اس کی بحث ابھی آئیگی (ان شاء اللہ تعالیٰ) بارہ ماہ کو کسی شاعر نے یوں نظم فرمایا : ؎

چوں محرم بگزرد آید بزد تو صفر	پس ربیعین و جمادین و رجب آید بہر
باز شعبان است و ماہ صوم و عید و ذی القعد	بعد ازاں ذوالحج نام ماہ ہا آمد بسر

ترجمہ : محرم کے بعد صفر، پھر ربیع الاول و الآخر اور جمادی اولائی و الاخریٰ اور رجب ہوں گے اس کے بعد شعبان و رمضان و شوال و ذیقعد اور ذوالحجہ آئیں گے۔

بارہ مہینوں کی وجہ تسمیہ

محرم کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ اہلِ عرب اس مہینے میں جنگ حرام سمجھتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کے باپ یا بیٹے کے قاتل کو قابو کر لیتا تب بھی اس کے در پے آزار نہیں ہوتا اور صفر کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے کہ صفر بمعنے خالی اور اس مہینے میں چونکہ ان کے اخراجات غلّہ وغیرہ ختم ہو جاتے اور انکے گھر گندم وغیرہ سے خالی پڑ جاتے بلکہ اسی مہینہ میں غلّہ حاصل کرنے کی خاطر گھروں کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کو چلے جاتے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام صفر رکھا گیا۔ اسی لیے کہتے ہیں صفر السقاء یہ اس وقت بولتے جب سقا میں پانی نہ ہو اور الصفر بمعنی الخالی من کل شیٔ ہے کذا فی التبیان اور شرحِ التقویم میں ہے کہ صفر کا نام صفر اس لیے رکھا گیا کہ یہ ماہ اس حرمت قتال سے خالی ہو گیا جو ماہِ محرم میں تھی اور ربیع الاول و الآخر اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ ان دو ماہ میں بوجہ کثرت خوشحالی،

اہلِ عرب موٹے تازے ہوجاتے۔

فائدہ: اہلِ عرب کے نزدیک ربیع دو ہیں:

۱۔ ربیع الشہور

۲۔ ربیع الازمنہ

تو یہی دو مہینے ربیع الاول والآخر ہیں جو ماہِ صفر کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ (اغلاط العوام) اکثر لوگ ربیع کو الاول والآخر کا مضاف پڑھتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ ربیع الاول والآخر کا مضاف نہیں بلکہ یہ آپس میں موصوف صفت ہیں اسی لیے ربیع پر تنوین پڑھنا ضروری ہے اور ربیع الازمنہ بھی دو ہیں:

۱۔ جس میں الکماءۃ والنور بکثرت پیدا ہوتے ہیں، اسی لیے اسے ربیع الکلأ کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ موسم جس میں درختوں کے پھل پکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق ظاہر کرنے کے لیے مہینوں کے استعمال میں شہر ربیع الاول والآخر کہا جاتا ہے تاکہ واضح ہو کہ اس سے ربیع الشہور مراد ہے نہ ربیع الازمنہ۔

اور جمادی الاولیٰ والاخریٰ کو ان اسماء سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان دونوں مہینوں میں برف جم جاتی تھی۔ اور جمود بمعنے برف کا جم جانا۔ (کذا فی التبیان)

اور شرح التقویم میں ہے کہ جُمادَی الاولیٰ بضم الجیم وفتح الدال الجمد بضم الجیم والمیم سے ایک لغت میں بمعنے سخت، اور اونچا مکان جو گرمی کو قبول نہ کرے اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کی اول وضع کے وقت موسم بہت سخت گرم تھا اور مکان بہت سخت اور بلند اور حرارت کی تاثیر کو قبول کرنے والے نہ تھے اور جمادی الاخریٰ کی وجہ تسمیہ بھی جمادی الاولیٰ کی طرح ہے۔

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ:

الجمادی بروزن فعالی حباری کی طرح، یعنی دال مہملہ کے ساتھ (اغلاط العوام) عوام بلکہ بہت پڑھے لکھے ذال مکسورہ کے ساتھ اور اولیٰ و اُخریٰ یا آخرہ کے بجائے الاول والثانی سے موصوف کرکے پڑھتے ہیں اس میں ان کی تین غلطیاں ہیں:

۱۔ دال کے بجائے ذال

۲۔ فتحہ کے بجائے کسرہ

۳۔ تانیث کے بجائے تذکیر

چوتھی غلطی وہ بھی ساتھ ملا لو کہ موصوف کے بجائے مضاف۔

صحیح یہ ہے کہ جمادی الاولیٰ اور جمادی الاُخریٰ یا جمادی الآخرہ لکھنا پڑھنا چاہیے۔ جمادی الاول و جمادی الثانی پڑھنا لکھنا غلط ہے۔

فائدہ: چونکہ جمادی ایک ماہ کا علم ہے فلہٰذا اس کی صفت پر الف لام داخل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح ربیع الاول و ربیع الآخر جب مہینوں کے نام ہوں تو ان کے صفت پر الف ولام کے ساتھ پڑھنا لکھنا ہوگا اور موصوف یعنی ربیع پر الف ولام نہ لانا چاہیے۔ ہاں جب ربیع سے زمانہ مراد ہو تو الربیع یعنی موصوف پر الف لام ضروری ہے اس لیے کہ اس وقت الربیع کسی شے کا علم نہیں۔

رجب کو اس نام سے اس لیے . . . . موسوم کرتے ہیں کہ اہل جاہلیت اس ماہ کی بہت بڑی تعظیم کرتے تھے یہاں تک کہ اس ماہ میں جنگ وجدال حرام سمجھتے تھے۔ راجب بمعنے تعظیم وتکریم۔ چنانچہ کہا جاتا ہے راجبۃ (بالکسر) بمعنی عظلت۔ اور الترجیب بمعنی التعظیم۔ اور اسے "رجب مضر" بھی کہا جاتا، اس لیے کہ قبیلۂ مضر کے لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

حدیث شریف: فیہ رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان اس میں وہ رجب مضر ہے جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے۔

ف: حدیث شریف میں رجب کو الذی سے موصوف کیا گیا ہے یا تو تاکید مطلوب ہے یا آپ نے رجب کا تعارف کرایا کہ وہ رجب جو جمادی وشعبان کے درمیان واقع ہے اس میں جنگ وجدال حرام ہے لیکن اس میں تاخیر وغیرہ کی صورت نہیں کرتے تھے جیسے حج کے متعلق بارہ ماہ کے بعد تیرھواں مہینہ مقرر کرتے یا آپ نے رجب مضر سے اسے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اہلِ عرب شعبان ورجب کو ملا کر انہیں "رجبین" تعبیر کرتے۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان امتیاز کے طور فرمایا رجب مضر۔ اس معنے پر رجب کی شعبان پر تغلیب ہوگی اور کبھی شعبان کو رجب پر غلبہ دے کر "شعبانان" کہتے۔

شعبان کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے کہ اسی مہینہ میں جنگ وجدال و دیگر ضروریات کے لیے ماہ رجب حرام مہینہ سے فراغت پا کر متفرق ہوتے۔ یہ التشعیب سے مشتق ہے بمعنے التفریق یعنی جدا کرنا۔

رمضان کو اسی لیے رمضان کہتے کہ جب اس کی وضع ہوئی تو وہ اتنی سخت گرمیوں کے دن تھے کہ گرمی کی شدت کے پیشِ نظر جانوروں کے بچے دودھ پینا چھوڑ دیتے۔ یہ ایسے ہے جیسے ذوالحج کو حج کی نسبت سے ذوالحج کہا گیا، اسے بھی گرمی کی نسبت سے رمضان کہا گیا۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ رمضان، الرمض سے ہے بمعنی شدت یعنی سورج کی دھوپ جب ریت پر پڑے اس وقت کی گرمی کو رمض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اس ماہ کی اس نام سے مناسبت ظاہر ہے کہ اہل عرب ہر ماہ کو زمانہ کی نسبت سے موسوم کرتے اور مہینوں کے اسماء تدریجی زمانہ کے مطابق رکھے گئے اور جب ماہِ رمضان کا نام رکھا گیا تو وہ سخت گرمیوں کے ایام تھے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک رمضان کی وجہ تسمیہ ہے کہ چونکہ رمضان گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے، بناء بریں اس نام سے

موسوم ہوا۔

مسئلہ: حضرت مجاہد صرف رمضان کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو شہر رمضان کہا جائے۔ حدیث شریف سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ:

لا تقولوا جاء رمضان وذھب رمضان ولکن قولوا جاء شھر رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ۔ (کذا فی التفسیر)

یعنی یوں نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا، بلکہ کہو کہ ماہِ رمضان آیا اور گیا، اس لیے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔

فائدہ: توضیح میں ہے کہ اس ماہ کا علم "شھر رمضان" ہے۔ یعنی شھر مضاف اور رمضان مضاف الیہ۔ پھر صرف رمضان کہنا مضاف کو تخفیفاً حذف کرکے پڑھنا، کہنا جائز ہے۔ (کذا فی الکشاف) وہ فرماتے ہیں کہ اگر رمضان اس کا علم ہوتا تو شھر رمضان کی ترکیب ایسے ہے جیسے کہا جائے انسان زید۔ اور ایسی ترکیب عند النحاۃ قبیح تر ہے یہی وجہ ہے کہ عرب میں اس کا نام "شھر رمضان" کے ساتھ شہرت رکھتا ہے ورنہ دوسرے مہینوں کے ساتھ بھی شھر لگایا جاتا اور اہل عرب سے شھر رجب و شھر شعبان سنا نہیں گیا یعنی باضافہ شھر الی رجب یا شعبان وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: مولانا حسن چلپی مرحوم نے فرمایا کہ قبح کا ازالہ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ شھر رمضان کی اضافت بیانیہ ہو اور اضافت بیانیہ نحو میں شائع ذائع اور مشہور ہے، ہاں جب غیر معروف قاعدہ ہو تو پھر اس کی قباحت میں شک نہیں۔

اور شوال کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ یہ مہینہ گناہوں کو دور کرتا ہے مشتق از شال یشول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو اٹھا کے لے جائے۔ اہل عرب کہتے ہیں شالت الناقۃ بذنبھا، یعنی اونٹنی نے اپنی دُم اٹھائی۔ یہ اس وقت کرتی ہے جب اسے مارا جائے۔ (کذا فی التبیان)

اور شرح التقویم میں ہے کہ یہ الشول سے مشتق ہے بمعنے الخفۃ من الحرارۃ فی العمل والخدمۃ، یعنی خدمت و عمل کی حرارت کی خفت وہ اس لیے کہ انسان رمضان شریف کے روزوں میں نفس امارہ اور اس کی شہوات کے مٹانے میں لگا رہا۔ شوال کے ماہ میں ان دونوں کی سختیوں سے خفت پائی۔ اسی بناء پر اس کا نام شوال رکھا گیا۔

اور ذوالقعدہ کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ قعدہ بمعنے بیٹھنا۔ چونکہ اہلِ عرب اپنی خوشحالی کی وجہ سے یا جنگ وجدال سے اس ماہ میں اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور شرح التقویم میں لکھتے ہیں کہ اس ماہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ مکہ معظمہ میں بیٹھنے کا مہینہ ہے۔ القعدہ بفتح القاف وسکون العین المھملہ۔

ف: ابن الملک نے فرمایا کہ ذوالقعدہ و ذوالحجہ میں فتح القاف وفتح الحاء، اور ان ہر دو کو کسور بھی پڑھنا جائز ہے لیکن القعدہ (بفتح القاف) اور الحجہ میں (بکسر الحاء) زیادہ مشہور ہے۔

اور ذوالحج کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ اس ماہ میں حج پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: عقدالدرر واللآلی فی فضائل الشہور والایام واللیالی میں ہے کہ اسماء مشہور کے نام رکھنے کے لیے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا گیا، وہ اس طرح کہ جب اصاغر نے دیکھا کہ اس ماہ میں اکابر نے عادات کو ترک کر دیا اور جنگوں کو اپنے اوپر حرام کیا تو اس ماہ کا نام محرم رکھا۔ اور جس ماہ میں دیکھا کہ ان کے ابدان مریض اور ان کے بازو کمزور اور ان کے چہرے زرد ہو گئے تو اس ماہ کا نام صفر رکھ دیا۔ اور پھل پھول اُگے اور باغات سرسبز دیکھے تو ان دونوں مہینوں کو ربیع الاول و آخر سے تعبیر کیا۔ جب ثمرات میں کمی پائی اور ہوائیں سردی محسوس کی۔ اور دیکھا کہ پانی برف کی طرح منجمد ہو گیا تو ان دونوں مہینوں کا نام جمادی الاولیٰ والاُخریٰ رکھا۔ جب دیکھا کہ دریا موجزن ہیں، نہریں جاری ہو گئیں اور درختوں میں خشکی آ گئی تو اس ماہ کو رجب سے موسوم کیا گیا۔ اور جب قبائل سفروں کو چلے جاتے اور ایک دُوسرے سے ان کی آپس کی ملاقات کے اسباب منقطع ہو جاتے تو اس ماہ کا نام شعبان رکھتے۔ جب فضا گرم ہو جاتی اور میدان تنور کی طرح تپ جاتے تو اس ماہ کو رمضان سے موسوم کرتے۔ جب مٹی جمع ہو جاتی اور مکھیوں کی بہتات ہو جاتی اور اونٹنیاں اپنے دم ہلاتی رہتیں تو اس ماہ کا نام شوال پڑ گیا۔ اور جب دیکھتے کہ تجار سفروں کو ترک کر کے گھروں میں بیٹھ گئے، نہ سردار کہیں جاتے ہیں نہ ان کے نوکر چاکر، تو اس ماہ کو ذوالقعدہ سے موسوم کر دیا۔ اور جب دیکھتے ہر سمت سے لوگ حج کے لیے کھچے کھچے اور لبیک پکارتے ہوئے میلے کچیلے، اور کفنیاں پہنے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف آ رہے ہیں تو اس ماہ کا نام ذوالحجہ رکھ دیا۔

مِنْهَا ان بارہ مہینوں سے اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ چار ماہ حرام ہیں، اور وہ چار ماہ یہ ہیں۔

۱۔ رجب ۲۔ ذوقعدہ

۳۔ ذوالحجہ ۴۔ محرم

حل لغات: الحرم بضمتین، الحرام کی جمع، یعنی وہ چار ماہ جن میں جنگ وجدال حرام ہے اور ان مہینوں کے عین کو حرام کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اوقات کہ جن میں جنگ کرنا حرام ہے وہ انہی مہینوں میں ہیں یا حکم کا اسناد شے کے ظرف کی قبیل سے ہے اور یہ اسناد مجازی ہے اگرچہ اوقات من حیث الاوقات سب کے سب برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو کسی خصوصیت سے ممتاز فرمایا ہے شلاً یومِ جمعہ اور یوم عرفہ، یہ ایسے دن ہیں جن کی عزت وحرمت کے مقابلہ میں دوسرے ایام ہیچ ہیں اس لیے کہ ان میں مخصوص عبادت کرنے کا حکم ہے اور اسی عبادت کی نسبت سے انہیں فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح ماہِ رمضان کو دوسرے مہینوں سے فضیلت حاصل ہے وہ بھی اسی مخصوص عبادت کی وجہ سے۔ اسی طرح بعض ساعات دوسری ساعات سے افضل ہیں۔ بعض ساعات دن کی افضل ہیں تو بعض ساعات

رات کی، مثلاً اوقات الصلوٰۃ دوسرے اوقات سے افضل ہیں۔ اسی طرح بعض مکانات دوسرے مکانات سے افضل ہوتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم بہ نسبت دوسرے مکانات کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر بعض ماہ دوسرے مہینوں سے تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں تو کیا حرج ہے، اسی طرح ان کے اندر عبادات کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے دوسروں میں کم یا ان کے اندر گناہوں کی دُگنی سزا ملتی ہے تو عقلاً و نقلاً دونوں طرح جائز ہے۔

فائدہ: اسئلۃ الحکم میں لکھا ہے کہ مہینوں اور دنوں اور راتوں اور اوقات کی ایک دوسرے پر فضیلت کا وہی حکم ہے جو انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ہے یعنی جیسے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے سے افضل ہیں ایسے ہی بعض شہور و ایام و اوقات ایک دوسرے سے افضل و اعلیٰ ہیں اس لیے کہ ان کی بزرگی و شرافت کی وجہ سے قلوب ان کے ادراک و احترام و اکرام کے لیے پُر شوق اور نفوس و ارواح ان میں عبادات کرنے میں پُر ذوق رہتی ہیں اور ان کے فضائل کے حصول میں خلقِ خدا کو رغبت بھی ہوتی ہے اور ان میں اجر و ثواب کا اضافہ منجانب اللہ ہے اسی کا اپنا فضل و کرم ہے وہ جس طرح چاہے کسی کو بڑھائے یا گھٹائے یہ اس کی اپنی خصوصیات ہیں جسے جس طرح مخصوص فرمائے۔

فائدہ: الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے تو اسے نیک اوقات اور افضل ساعات میں بہتر عبادات کی توفیق بخشتا ہے۔ اگر وہ کسی بندے پر ناراض ہوتا ہے تو اسے ایسے مقدس ایام میں بھی اس سے برائی کراتا ہے جس سے وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو کر ان اوقات کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اوقات متبرکہ کی برکات کے حصول سے غفلت نہیں کرتا اس لیے کہ جن اوقات کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ یوں سمجھو کہ اطاعاتِ الٰہی کے لیے بمنزلہ موسم بہار کے ہیں یا یوں سمجھو کہ وُہ گھڑیاں نیکیوں کی منڈی ہیں۔ پھر جس طرح ایک تاجر اپنی تجارت کے سیزن میں غفلت نہیں کرتا ایسے ہی نیکی کے سیزن کو بھی سمجھدار انسان ضایع نہیں کرتا جسے فضائلِ اوقات کی قدر نہیں تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں دینی امور میں چستی و چالاکی مفید رہتی ہے، جیسا کہ فارسی میں ایک مثال مشہور ہے: ع

زاد راہ رواں چیست و چالاکی

ترجمہ: رُوح کی غذا چستی و چالاکی ہے۔

مسئلہ: تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ رمضان شریف تمام مہینوں سے افضل ہے، اس کے بعد ربیع الاول شریف، اس لئے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے۔ پھر رجب شریف، کیونکہ معظم مہینوں میں سے ایک یہی ہے۔ پھر شعبان، اس لیے کہ حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ ہے اور آجال و اعمال کی تقسیم اسی مہینہ میں ہوتی ہے۔ اور دو بڑے معظم مہینوں یعنی رجب و رمضان کے درمیان واقع ہے۔ گویا اسے دو بزرگوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے فضیلت و بزرگی حاصل ہوئی۔ ایسی فضیلت اور کسی دُوسرے مہینے کو نصیب نہیں، اس کے بعد ذوالحجہ، اس لیے کہ اسی میں حج پڑھا جاتا ہے

اور اس کے پہلے دلوں کی ہر رات کی فضیلت لیلۃ القدر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد محرم کو اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا مہینہ ہے اور سن ہجری کا آغاز اسی ماہ سے ہوتا ہے، اور یہ بھی معظم مہینوں سے ایک ہے اور چند وجوہ سے یہ افضل مہینوں سے مقرب بھی ہے۔

ذٰلِكَ ان معین چار مہینوں کی تحریم الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی دین مستقیم ہے۔ یعنی یہی ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کا حکم ہے اور اہل عرب کے یہی دین دراثت میں ملا اور متوارثاً ان معین مہینوں کی تحریم و احکام دین ابراہیمی میں تھے لیکن جاہلیت کے چند بدبختوں نے تاخیر کی بدعت نکالی تو اس وقت سے ان معین مہینوں کی تحریم میں تغیر پیدا ہوگیا۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ پس ان مہینوں کی ہتک اور جن امور سے ممانعت ہے ان کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔

سوال: تبیان میں ہے کہ اثنی عشر گنتی کے لحاظ سے جمع ہے لیکن منھا اربعۃ حرم میں ضمیر واحد کی لائی گئی ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب: اثنا عشر کو کثرۃ کی تاویل میں لے کر مونث واحدہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹائی گئی ہے۔

سوال: فیھن میں ضمیر جمع مونث غائب کی کیوں؟

جواب: چونکہ وہ معین چار ماہ ہیں اور عرب تین اور تین سے اوپر الی غیر نہایۃ کو جمع کہتے ہیں اور دس تک جمع قلت ہوتی ہے اور اس کے بعد الی غیر نہایۃ جمع کثرت اور جمع کثرت کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے تو اکثر واحدہ مونث غائبہ کی ہوتی ہے، اور جمع قلت میں اکثر جمع مونث غائبات کی۔ اسی لیے فلا تظلموا فیھن میں ضمیر جمع مونث اور منھا میں ضمیر واحد مونث لائی گئی ہے تاکہ فرق معلوم ہو کہ اس ضمیر کا مرجع جمع کثرت ہے یا جمع قلت۔

قاعدہ: یہ آیت منسوخ ہے یعنی ان معین مہینوں میں جنگ وجدال کی حرمت منسوخ ہوگئی۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

مسئلہ: ہاں ان معین مہینوں میں معاصی کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے جیسے بحالت احرام اور حرم شریف میں گناہ کرنا نہ صرف کبیرہ بلکہ ایک عظیم ترین جرم ہے۔ ایسے ہی ان معین مہینوں میں گناہ ایک جرم عظیم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم (فلا تظلموا) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لیے جمہور نے فرمایا ہے کہ اگرچہ ان معین مہینوں میں تحریم القتال منسوخ ہے لیکن جرائم کا ارتکاب بھی ظلم عظیم ہے۔

سوال: گناہ کا ارتکاب ہر ماہ میں حرام ہے، پھر ان معین چار مہینوں کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ اشارہ ہو کہ ان معین چار مہینوں کی عزت وعظمت منسوخ نہیں بلکہ ان کے اندر جو مخصوص حکم تھا وہی منسوخ ہوگیا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اور تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

حلِ لغات: کافۃً کفّ کا مصدر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ثلاثی مجرد کے مصادر کبھی فاعلۃ کے وزن پر آتے ہیں جیسے عافیۃ وغیرہ، اور کافۃ بمعنے کل وجمیع، اور وہ منصوب علی الحال ہے۔ وہ قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم سب کے سب ایک دوسرے کے معاون بن کر مشرکین سے جنگ کرو۔

فائدہ: مسلمان بھائی کی معاونت دعا سے بھی کی جاسکتی ہے، بلکہ یہی بہترین ہتھیار ہے اسے عارفین معنوی ہتھیار سے تعبیر

کرتے ہیں جیسے ہم ظاہر ہیں تلوار کو جنگ کا ظاہری ہتھیار سمجھتے ہیں۔
مسئلہ: جو شخص میدانِ جنگ میں نہیں جا سکتا اسے چاہیے کہ وُہ اپنے جنگی بھائیوں کے لیے نہایت خشوع وخضوع سے دُعا مانگے اس لیے کہ اب وہ خاطر جمع رکھتا ہے بخلاف جنگیوں کے کہ اگرچہ وہ افضل الاعمال میں مصروف ہیں لیکن بوجہ میدانِ جنگ میں ہونے کے پراگندہ دل ہیں، اسی لیے جسے جنگ پہ جانا نصیب نہیں ہوا تو اسے دُعا کرنے سے معنیً جنگ کی شمولیت نصیب ہو گی۔ اگرچہ ظاہری طور اسے حاضری نصیب نہیں۔ معناً تو نصیب ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در رہِ عشق مرحلۂ قُرب و بُعد نیست
می بینمت عیاں و دُعا می فرستمت

ترجمہ: عشق میں نہ قرب ہے نہ بُعد، میں آپ کو حاضر دیکھ کر سلام و دعا عرض کرتا ہُوں۔

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ جیسے وہ سارے کافر مجتمع ہو کر تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

فائدہ: ہم نے پہلے جملہ میں لکھا کہ کافۃ، قاتلوا کے فاعل سے حال ہے۔ اس جملہ میں یہ بھی جائز ہے کہ وہ مفعول سے حال ہو اب اسی جملہ کا معنیٰ ہو گا کہ اے مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو، ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑو، جیسے وہ تم سب سے جنگ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

فائدہ: کافۃ جیسے قاتلوا المشرکین میں فاعل اور مفعول سے علیحدہ علیحدہ حال بن سکتا ہے ایسے ہی دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب معنیٰ ہو گا کہ اے تمام مسلمانو! تمام مشرکین سے جنگ کرو۔

قاعدہ: فاعل و مفعول دونوں سے بیک وقت حال واقع ہو سکتا ہے جیسے ضرب زید عمرو اقائمین، یعنی زید نے عمرو کو مارا۔ درانحالیکہ وہ دونوں قایم تھے۔

سوال: کافۃً مصدر واحد ہے اور فاعل و مفعول دونوں جمع کے صیغے حال و ذوالحال میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جواب: کافۃً مصدر ہے اور مصدر مشترک کھاتہ ہے مذکر و مونث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں مستعمل ہوتا ہے۔

فائدہ: کافۃً کو منصوب علی الظرفیہ یعنی مفعول فیہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو گا کہ اے مسلمانو! مشرکین کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت جنگ کرو حرم وغیر حرم اور اشہر الحرام وغیرہ کی تخصیص نہ کرو اور ان سے ہمیشہ تا قیامت لڑتے رہو، اس لیے کہ قیامت تک جہاد جاری رہے گا[1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ یعنی جب وُہ مشرکین د

---

[1] اس سے قادیانی کا رد ہے جس نے برطانیہ کے اشارے پہ جہاد کی فرضیت کا انکار کر کے اپنے لیے اور اپنی تمام جماعت کے لیے جہنم خریدی۔

کفار سے جنگ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

سوال: یہاں عربی قاعدہ کے مطابق "معھم" ہونا چاہیے۔ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یوں لایا گیا ہے۔

جواب ۱: تاکہ معلوم ہو کہ ان کی تعریف و توصیف ان کے تقویٰ و طہارت کی وجہ سے ہے۔

جواب ۲: تاکہ معلوم ہو کہ مجاہدین تقویٰ و طہارت سے موصوف ہوں تو فتح و نصرت ان کے قدم چومتی ہے۔

جواب ۳: تاکہ تقویٰ و طہارت سے جی چرانے والوں کو بھی معلوم ہو کہ جہاد تقویٰ کے بغیر اپنے آپ کو شکست کے منہ میں دینا ہے اگر وہ کریم اپنی مہربانی سے فضل و کرم کرے تو وہ علیحدہ بات ہے ورنہ غیر متقی کو منجانب اللہ کبھی فتح و نصرت نصیب نہیں ہوتی۔
(کذا فی الارشاد)

فائدہ: قاضی نے لکھا کہ تقویٰ و طہارت والوں کو گویا ضمانت دی گئی ہے کہ تم تقویٰ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمہ ہے کہ وہ تمہیں ضرور اور لازماً فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ مجاہدین کا تقویٰ اتنا بڑا کام کر گیا کہ جہاں ہتھیاروں اور خالی دعاؤں نے کام نہ کیا تاریخ کی ورق گردانی سے اس کلیہ کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

تقویٰ کے درجات تقویٰ کا ادنیٰ درجہ کلمہ شہادت پر یقین رکھنا اور اس کا اقرار کرنا ہے۔ اسی ادنیٰ درجہ کی برکت ہے کہ مسلمان کو دنیا میں مال اور اولاد میں حفاظت اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے پھر جب تقویٰ کے شرائط ظاہری و باطنی پورے کئے جائیں تو قلب کو ایک باطنی نور نصیب ہوتا ہے یعنی قلب اوصاف ذمیمہ سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ قلب کی صفائی سے سالک کو تقویٰ السر نصیب ہوتا ہے۔ اور تقوی السر یہ ہے کہ بندہ کا قلب ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے، پھر اسے مقام "من کان للہ کان اللہ لہ بالنصرۃ والامداد" نصیب ہوتا ہے[۱]

تفسیر صوفیانہ تلوار دو قسم کی ہے:
۱۔ ظاہری تلوار
۲۔ باطنی تلوار

ظاہری سے ظاہری جہاد، اور باطنی سے جہاد معنوی مراد ہے۔ ظاہری جہاد سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو فی النار والسقر کیا جاتا ہے، اور باطنی جہاد سے نفس کی اندرونی بغاوتیں اور شرارتیں مٹا کے رکھ دی جاتی ہیں۔ جہاد ظاھری میں اسمائے الٰہیہ کے اسم "الظاھر" کا مظہر یعنی بادشہ اور اس کا لشکر کام کرتا ہے۔ اور جہاد معنوی پر اسم "الباطن" کا

---

[۱] اسی کو علامہ اقبال مرحوم نے یوں بیان فرمایا کہ:
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مظہر ولی اللہ، یعنی قطبِ وقت اور اس کا لشکر مامور ہوتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بادشاہ کو اپنے "ممد و ناصر و معین" کی برکات سے مدد دے۔ اور ہمارے دشمنوں کو اپنے اسماء المنتقم، القہار، ذوالجلال کی برکات سے ذلیل و خوار کرے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دعائے ضعیفاں امیدوار
زبازوئے مردے بر آید بکار

ترجمہ: ضعیف امیدواروں کی دعا مرد کے بازوؤں کو بہت بڑا کام دیتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اعدائے اسلام سے جہاد کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

حدیث شریف: القتل فی سبیل اللہ مصمصہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے سے گناہوں سے صفائی و ستھرائی نصیب ہوتی ہے۔ "مصمصہ" مصمص الاناء سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی برتن میں ڈال کر برتن کو متحرک کیا جائے۔ مضمضہ کا معنیٰ بھی یہی ہے، کلی کرنے میں یہی مفہوم مطلوب ہوتا ہے۔ (کذا فی تاج المصادر)

حدیث شریف: ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ بہشت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔ یعنی جنگ میں مجاہد کی یہ شان ہوتی ہے کہ گویا بہشت کے دروازے اس کے آگے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ مخالفین کی تلواروں کے سائے انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ جنگ سے فرار اختیار کر جائے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے پیشِ نظر قلب کو تھام کر جانبازی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ مرتے ہی فوراً بہشت میں چلا جائے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسلمان مجاہد بوقتِ جہاد بہشت کے بالکل قریب ہوتا ہے۔

فائدہ: سیوف (تلوار) کی قید اتفاقی ہے اس لیے کہ عرب میں اس دور میں عموماً جنگ تلوار سے لڑی جاتی ہے ورنہ اب ہم جنگی سامان میں سے تلوار کی بجائے جس شے کو تعبیر کریں، جائز ہے۔ مثلاً ٹینک، گولی وغیرہ۔

مسئلہ: جنگ کے میدانوں اور محافلِ دعا میں ریاء و سُمعہ (شہرت) سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔

حضرت خسرو دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

غازی اسمی کہ بغارت رود — ہست چو حاجی کہ تجارت رود
آنکہ غزا خوانی و جوئی رضا — گر غرضے ہست نباشد غزا
رو بغزا دل غرض آلودہ وائے — جہد خود است این نہ جہاد خدائے

ترجمہ: نام کا غازی جو جنگ میں جاتا ہے اسے یوں سمجھو جیسے حاجی حج کو تجارت کی غرض سے جائے۔ جس جنگ میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی اور غرض ہو تو اسے تم جنگ کا نام دیتے رہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ

جنگ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ان عدۃ الشھور عند اللہ مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی ازل سے فی کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یوم خلق السموٰت والارض اس دن کہ آسمان اور زمینوں کو پیدا فرمایا منھا اربعۃ حرم ان میں چار ماہ معزز و معظم ہیں۔ یعنی ازل سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے یہ ماہ حرمت والے ہوں۔ یعنی حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ ان مہینوں میں جرائم و معاصی کے ارتکاب کی سزا بہت زیادہ ہو بلکہ بندوں پر لازم کر دیا گیا کہ ان مہینوں میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے عبادت و اطاعت میں زیادہ وقت گزاریں اور اس میں شواغل دنیویہ وحظوظِ نفسانیہ کو بالکل ترک کر دیں۔

دُوسری صوفیانہ تقریر اس میں اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ اپنی زندگی کے اکثر لمحات طلبِ حق میں بسر کرے۔ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو دو تہائی عمر اسی شغل میں گزرے ورنہ نصف زندگی تو نہایت ضروری ہے سالک پر تہائی عمر بھی غیر حق میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ بندہ خسارے میں رہے گا جو تہائی عمر بھی طلبِ حق میں صرف نہیں کرتا۔ ہم نے یہ قیود اس لیے لگائی ہیں کہ بندے پر اپنی آل اولاد اور اہل وعیال کی معاش کے اسباب تلاش کرنا ضروری ہے، ورنہ جو بندہ اہل وعیال سے فارغ ہے اسے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی غیر حق کی طلب میں صرف کرنا حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلک الدین القیم یہی دین مستقیم ہے یعنی جو شخص اپنی زندگی کے لمحات غیر حق کی طلب میں صرف کرتا ہے تو اس کا دین مستقیم نہیں بلکہ جتنی زندگی ضایع کرے گا اتنا ہی اس کا دین ٹیڑھا ہوگا۔ فلا تظلموا فیھن اور طلب میں عمر کا تہائی حصہ بھی ضایع کر کے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو، اس لیے کہ بارہ مہینوں کی تہائی چار ماہ ہے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے اپنی زندگی کا تہائی حصہ طلب حق کے غیر میں صرف کیا تو یقین کرو کہ تم نے اپنے نفسوں پر بہت بڑا ظلم کیا۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک ظلم علی النفس کا معنیٰ یہ ہے کہ صفات وحظوظِ نفس کو قلوب وارواح کی صفات پر غالب کر دینا اور ظاہر ہے کہ دنیوی مشاغل و مصالح میں زندگی کا اکثر حصہ ضایع کرنا اپنے قلوب وارواح کو مجروح کرنا ہے اور مشاغلِ دنیویہ میں منہمک ہونے سے نفس روح وقلب پر غلبہ پاتا ہے اور یہ انسان پر ظلم عظیم ہے اور قاعدہ ہے کہ قلب و روح پر نفس کی صفاتِ ذمیمہ کے غلبہ سے انسان کا جھکاؤ دنیا کی طرف ہو جاتا ہے، اور صوفیاءِ کرام دنیا کی طرف میلان کو عبادت غیر اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور نفس کے پجاریوں کو صوفیاءِ کرام مشرک کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقاتلوا المشرکین کافۃ یعنی اے سالکو! تم اپنے قلوب وارواح کی صفات کو بحال رکھنے کے لیے نفس دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو کما یقاتلونکم کافۃ جیسے سرکش نفوس تمہارے قلوب وارواح اور ان کی صفات کو مذموم بنانے کے لیے سر کی بازی لگاتے ہیں۔

فائدہ: نفسِ امارہ سے جنگ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے ہر ارادہ کی مخالفت کی جائے اور اس کی ہر خواہش کو دبایا جائے اور اس کی جملہ صفات مذمومہ کو ملیا میٹ کیا جائے اور اسے خواہشات سے باز رکھ کر اور اسے ہر وقت طاعت وعبادتِ الٰہی

میں مصروف رکھا جائے اور اسے معاملاتِ روحانیہ وقلبیہ میں لگایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نفس سرکش کا اوصافِ ذمیمہ سے تزکیہ اور اخلاقِ حمیدہ سے تحلیہ ضروری ہے۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین اور یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک متقین سے وہ قلوب وارواح مراد ہیں جو شرک یعنی التفات لغیر اللہ سے پاک ہیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی علامت یہ ہے کہ اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم نہ ہوتا تو ارواح وقلوب کو تقویٰ وطہارت کی توفیق نصیب نہ ہوتی یہ اسی کا کرم ہے کہ یہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ یہ نساہٗ بمعنے اخرہ کا مصدر ہے بروزن فعیل جیسے مسّ کا مصدر مسیسٌ آتا ہے۔ اہل عرب کی جاہلیت میں عادت تھی کہ جب مہینہ حرام آتا اور وہ جنگ میں مصروف ہوتے تو ماہِ حرام میں جنگ جاری رکھتے ہوئے کہتے کہ اس مہینے کے بدلے دوسرا مہینہ حرام کا مقرر کر دیں گے یہاں تک کہ مہینے حرام کے جنگوں میں گزار دیتے۔ پھر اپنی مرضی سے دوسرے مہینے ان کے عوض مقرر کر دیتے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اہلِ جاہلیت کو جنگ وجدال کا بہت شوق تھا۔ لیکن ماہِ حرام میں جنگ وجدال نہیں کرتے تھے مگر جب مسلسل تین ماہ گھر بیٹھے رہتے تو تنگ ہو کر مختلف تجویزیں سوچتے۔ ایک دفعہ قلیس کنانی نے اہلِ عرب کو جمع کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ماہِ صفر تک حرام کے مہینے موخر کر دیے ہیں۔ لوگوں نے اس کی بات پر اعتبار کر کے حرام کے مہینوں میں جنگ وجدال جاری کر دی۔ دوسرے سال کسی دوسرے نے اس سال تمہارے لیے ماہ محرم کو حرام کیا ہے اور صفر میں جنگ حلال کر دی گئی ہے۔ اسی طرح ہر سال اپنی مرضی سے ماہِ حرام کو حلال اور ماہِ حلال کو حرام کر دیتے۔ کبھی مسلسل چار ماہ کو حرام کر دیتے۔ اس طریق سے ماہِ حرام اصلی حالت پہ نہ رہے۔ ان کے نزدیک سال میں صرف چار ماہ حرام تھے خواہ وہ کوئی مقرر کر لیے جائیں۔ اپنے اس طریق کو نسیٔ (تاخیر) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ایک ماہ حرام کو دوسرے ماہ سے موخر کرنا زِیَادَۃٌ زیادتی ہے فِی الْکُفْرِ کفر میں، یعنی حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنا ہے، اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال اور حلال کو حرام کرنا ہے۔ یہ کفر ہے۔ اس طرح سے ان کے کفر معروف کے ساتھ ایک اور کفر کا اضافہ ہوا، یعنی کافر تو تھے ہی، لیکن ایجاد بندہ یعنی بدعتِ سیئہ کے اجرائے سے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر دیا یُضَلُّ بِہٖ گمراہ کیے جاتے ہیں دین میں نئی ایجاد یعنی تاخیر کی وجہ سے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ لوگ جو کافر ہیں اور حقیقۃً سب کا مضل اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ضلال کی تخلیق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب وہ گمراہی کے امور کا ارتکاب کرتے ہیں یا جب ان میں گمراہی کے اسباب پائے جاتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا فرماتا ہے یا گمراہ کرنے والے ان کے لیڈر تھے۔ اس معنیٰ پر الذین اسم موصول سے ان لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں یعنی لیڈروں کی گمراہی کی اتباع میں ان کے متبعین گمراہ ہو جاتے ہیں یا گمراہ کنندہ شیطان ہے اس لیے کہ وہ اسم الٰہی مضل کا مظہر ہے۔

صوفیانہ تقریر: صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان نفس اور گمراہی درحقیقت ایک شے ہے

مختلف اعتبارات کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ نام سے معنون ہوتے ہیں یعنی شریعت والے اس حقیقت کو شیطان سے اور طریقت والے نفس سے اور حقیقت والے ضلال سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ ایک اصطلاح کو دوسری اصطلاح پر استعمال کرنا جائز ہے۔ یہی تقریر صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کی۔ يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا حلال کرتے ہیں ایک سال میں ماہ مؤخر کو یہ ضمیر اس ماہ موخر کی طرف لوٹتی ہے جس پر نسیئ مذکور دلالت کرتا ہے۔ عَامًا سے زندگی کے سالوں میں سے کوئی سال مراد ہے یعنی جو ماہ حرام نہیں تھا اسے اپنی طرف سے حلال ماہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وَيُحَرِّمُوْنَهٗ اور اس ماہ کی حرمت کی محافظت کرتے ہیں۔ اس آنے والے ماہ کو حرام سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ آنے والے سال اسی حلال کردہ ماہ کو حرام قرار دیں گے عَامًا دوسرے سال میں یہ اس وقت ہے جب انہیں اس ماہ کی تحریم سے کوئی غرض متعلق ہو لِّيُوَاطِئُوْا المواطاۃ سے مشتق ہے بمعنی الموافقة یعنی تاکہ اس حکم کی موافقت کرکے عمل کریں عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ان چار ماہ کی گنتی جو اللہ تعالیٰ نے حرام مقرر فرمائی اور وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ جنگ حرام فرمائی ہم نے اس حکم کو پورا کیا فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط باوجود اس کے وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال کرتے تھے یعنی حیلہ سازی کرکے اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کی کوشش کرتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کو حلال بنا لیتے۔ اسی لیے چار ماہ کی گنتی سے تعمیل حکم الٰہی کے بجائے بے فرمانی کے مرتکب ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ ان پر دو امر واجب تھے ایک چار ماہ کی گنتی دوسرا معین ماہ کی حرمت انہوں نے گنتی کے امر کی تعمیل تو کی لیکن حرمت کی تعمیل کی خلاف ورزی کی زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ان کے لیے بُرے اعمال سنگار دیے گئے یعنی وہ اعمال ان کے لیے محبوب و مرغوب تھے جو ان کے نفوس کی خواہش کے مطابق تھے حقیقی مزین اللہ تعالیٰ اور مجازاً شیطان یا نفس ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی انہیں وہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی جو موصل الی المطلوب ہو۔ ہاں انہیں موصل الی المطلوب کا راستہ دکھایا لیکن چونکہ انہوں نے اپنے اختیار سے اس راہ سے ہٹ کر دوسرا غلط راستہ اختیار کیا اسی لیے وہ گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔

فائدہ: ینابیع میں ہے کہ کفار نے چار ماہ اپنے اوپر سے حرام کر رکھا تھا کہ کسی کو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ مسلمانوں نے اپنے اُوپر لازم کر لیا کہ تمام سال کسی کو دُکھ درد نہیں دیں گے نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ ؎

آزار دل خلق مجو بے سببے ۔۔۔ تا برنخشند یار بے نیم شبے
بر مال وجمال خویشتن تکیہ مکن ۔۔۔ کانرا بشبے برند ایں را بہ تبے

ترجمہ: بلا سبب کسی کا دل نہ دکھا تاکہ وہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ سے فریاد نہ کریں۔ اپنے مال وجمال پر بھی سہارا مت کر اس لیے کہ مال ایک سیکنڈ میں ختم ہو سکتا ہے اور جمال بھی۔

احساس زیاں جاتا رہا صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے دور میں غلط کاریوں کی انتہا ہوگئی ہے کہ لوگوں نے آج کل ہر ماہ گناہوں کے ارتکاب کی کوئی کسر باقی نہیں رکھی نہ کسی بابرکت مہینہ

کی شرم وحیا رہی نہ دوسرے عام ہیں غلطیوں میں کمی ہے یہاں تک کہ ماہِ رمضان جیسے مقدس مہینے ہیں کھلے بندوں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہے بعض بے حیا زور بر سر بازار کھانے پینے میں مست رہتے ہیں اور رات کو جب حفاظِ قرآن مجید مساجد میں سُنانے سے ملائکہ کے لیے رشک بنے ہوتے ہیں اور خوش قسمت نمازِ تراویح کی ادائیگی میں مصروف ہوتے ہیں بدبخت رنگ رلیوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ایسے بدمعاشوں کو جب برائیوں سے روکا جاتا ہے تو دست بگریباں ہوتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ دین کی غربت کا وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے رمضان وقرآن و اسلام کی عزت واحترام کا احساس نکل گیا ہے اور وہ انوار و برکات جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مختص فرمائے ان سے آدم زادہ یکسر محروم ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دُعا کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے انوار وتجلیات کے حصول کیلیے شب و روز جدوجہد کرتے ہیں۔

فائدہ: انما النسئ المذکور ہیں حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا ھامۃ ولا صفر۔

شرح الحدیث المذکور: عدوی "اعداء" مصدر کا اسم ہے جیسے دعوی "ادعا" کا اسم ہے بمعنے تجاوز، اور اصطلاح عوام میں ایک آدمی کی بیماری دوسرے کو چمٹنا۔ اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو چمٹ جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کسی طرح سے دخیل نہیں سمجھتے تھے۔ اب لا عدوی کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں چمٹتی۔ اس کا مطلب مفسرین وعلماء شرع یہ بتاتے ہیں کہ اس میں سرایۃ العلۃ والتعدیۃ کی نفی مطلوب نہیں اس لیے کہ یہ تو طب کے قانون کے عین مطابق ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں۔ اور بارہا کا تجربہ ہے کہ بہت سی بیماریاں متعدی ہو کر دوسروں کو چمٹ جاتی ہے بلکہ اس عقیدہ کی نفی ہے کہ اس بیماری کے تجاوز میں اللہ تعالیٰ کو دخیل نہ سمجھنا، حالانکہ یہ کفر ہے۔ اسلام نے اس کے برعکس عقیدہ دیا کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو کبھی چمٹ جاتی ہے تو اس میں بھی تقدیرِ ربانی کو دخل ہے صرف بیماری ایک سبب ہے اصل اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو مانا جائے اور سبب دُوسری شے کو۔ یہی عین اسلام ہے۔ یہی عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہُوا ہے کہ ہم نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء واولیاء کو ان کا سبب اور وسیلہ مانتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ہمارے خلاف لوگ بیان دیتے ہیں ان کے لیے ہم صرف کہیں گے ھذا بُھتان عظیم۔

مزید شرح: اس قاعدہ قانون پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یورد ممرض علی مصحح صاحب ابل الصحیحۃ۔

حلِ لغات: الممرض بمعنے صاحب الابل المریضہ اور المصحح بمعنے صاحب الابل الصحیحۃ۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ بیمار اونٹ تندرست اونٹ کو بیمار نہیں کرتا بلکہ بیمار کو بیماری اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور تندرست کو تندرستی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی یہی سبق دیا گیا ہے کہ ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن

اس کے پیدا کردہ اسباب کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن اسباب سے نقصان ہوتا ہے ان سے بچنا لازمی اور جن سے نفع حاصل ہوتا ہے انہیں اسباب سمجھ کر عمل میں لانا بھی ضروری ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہی طریقہ ہم اہلسنت کو حاصل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آگ کو جلانے اور پانی کو ڈبونے کے لیے پیدا فرمایا ہے تو ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم آگ اور کثیر پانی سے بچنے کی کوشش کریں ایسے ہی جس دیوار کے گرنے کا یقین ہو۔ اس کو ہلاکت کا سبب سمجھ کر ہمیں اس سے بچنا لازمی ہے اسی طرح دُو جملہ اسباب کہ جن سے انسان کو نقصان اور ضرر پہنچتا ہے۔ ان سے دُور رہنا لازم، مثلاً جذام (کوڑھ) کے مریض سے اسی طرح جس شہر یا بستی میں طاعون، وباء کا حملہ ہو ان سے بچ کر رہنا اس معنے پر ضروری ہے کہ یہ ضرر و نقصان کا موجب ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ضرر و نقصان کے لیے پیدا فرمایا ہے اسی لیے دُور رہنا لازم ہے لیکن یہ حکم ضعیف اور کمزور مومن کا ہے کیونکہ اسے جونہی ایسے اسباب سے تکلیف پہنچے گی تو فوراً سمجھے گا کہ انہی اسباب نے نقصان اور ضرر پہنچایا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تخلیق کا خیال تک نہیں آئے گا۔ اس غلطی پر وہ کفر کے گھاٹ اُتر جائے گا ورنہ جو مومن کامل اور ولی اللہ ہے وہ توکل علی اللہ کے عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہے اور اس کا ایمان کسی طریق سے متزلزل نہیں ہو سکتا اس کے لیے ایسے اسباب ضرر رساں نہیں یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک جذامی (کوڑھی) کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، اور کھانے کے آغاز میں فرمایا: بسم اللہ ثقۃ باللہ توکلت علی اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت اور اسی پر بھروسہ اور توکل کر کے کھاتا ہوں۔

حضرت عمر اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی کرامت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے زہرِ قاتل کی شیشی پی لی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق زہر نوش فرمانے کا واقعہ مشہور ہے لیکن ان پر زہر نے کسی قسم کا اثر نہ کیا۔

نکتہ: ان حضرات پر زہر کا اثر ہوتا کیسے جبکہ انہوں نے یہ زہر مقامِ حقیقۃ میں پی لی تھی ان کی نگاہ اس ظاہری زہر پر تھی ہی نہیں۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حقیقۃ سے کون اونچا ہو سکتا ہے ان پر تو زہر کا اثر ہو گیا تھا۔

جواب: اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ آپ نے اپنے اختیار سے مقامِ بشریت میں نزول فرما کر زہر نوش فرمائی تھی وہ اس لیے کہ آپ عالمِ دنیا میں ارشاد و رہبری کے لیے تشریف لائے تھے اور یہ آپ کے لیے عالمِ تنزل تھا اگرچہ آپ کے لیے یہ عالمِ ارواح سے کم نہ تھا بلکہ اسے اعدل المراتب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس عالم کا تنزل بھی ہمارے لیے اختیار فرمایا تھا ورنہ آپ کو عالمِ بالا سے عالمِ تنزل میں نزول کی ضرورت کیا تھی۔ اور یہ بھی ان کی شان تھی کہ عالمِ تنزل میں نزول فرمانے کے باوجود زہر نوش فرمائی تو اس کا اثر بارہ سال کے بعد ہوا۔ یہ بھی آپ کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی اور اس عالمِ تنزل میں زہر پیتا تو فوراً ڈھیر ہو جاتا۔ یہی نکتہ آپ کی موت کے ورود کا ہے کہ آپ پر بھی موت اس وقت طاری ہوئی جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے۔ اسی طرح جب آپ عالمِ تنزل میں تشریف لائے تو پھر زہر نے بھی

اپنا اثر دکھالیا۔

سبق: اس تقریر کو خوب یاد کرلو، اس لیے کہ حضور علیہ السلام ان حالات کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دماغ چکرا گئے (جیسے دیوبند وہابیوں نے ان حالات کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اپنے جیسی بشریت سمجھ لیا اور ان کو اپنا بڑا بھائی تصور کرکے اپنا اور قوم کا بیڑا غرق کیا۔

وَلَا هَامَةَ کی شرح

ہامہ کی میم کو مخفف کرکے پڑھا جائے، اس کی دو تقریریں ہیں:

۱۔ اہلِ عرب ھامۃ کو منحوس سمجھتے تھے، اور ھامہ ایک پرندہ ہے جو دوسرے بعض پرندوں کی طرح رات کے وقت ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ھامہ کا دوسرا نام بُوم ہے۔ یہ پرندہ رات کے وقت جس گھر پہ اترتا تو اہلِ عرب کہتے کہ اس گھر یا ان کے متعلقین پر لازماً موت وارد ہوگی۔ یہی تفسیر مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

۲۔ بعض اہلِ عرب کہتے کہ جس مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی رُوح ھامہ پرندہ کی طرح ہوجاتی، پھر وہ اس مقتول کی قبر پہ چھا دیتا ہے اور کہتا ہے" اسقونی اسقونی من دم قاتلی" مجھے میرے قاتل کا خون پلاؤ۔ جب تک اس کے قاتل سے خون کا بدلہ نہ لیا جاتا تو وہ اس طرح کہتی رہتی جب بدلہ لے لیا جاتا تو وُہ اڑ جاتی۔

۳۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ بعض اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ جب میّت کی ہڈیاں بہت پُرانی ہوجاتی تھیں تو وہ ھامہ پرندے کی شکل اختیار کر جاتیں، اس کو عربی میں الصدی، فارسی میں کوف، اردو میں اُلّو کہتے اور قبر سے نکل کر پھر اسی قبر میں داخل ہوجاتی اور قبر میں جا کر میّت (کی روح) کو اس کے اہل وعیال کے احوال سے آگاہ کرتی ہے۔ اکثر علماء نے اسی تفسیر کو لیا اور یہی مشہور قول ہے۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام نے مطلقاً ھامہ کے عقیدہ سے منع فرمایا ہے خواہ تفسیر اوّل ہو یا دوم یا سوم یا کوئی اور۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کہ جس وقت ھامہ پرندہ بولے اور کسی کے منہ سے نکل جائے کہ ھامہ کا بولنا بتاتا ہے کہ ہم میں سے کوئی مرجائے گا۔ ایسے قائل کو فقہاء کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: جو شخص سفر کو جائے اور صبح کو کوے کے بولنے پر کہے کہ فلاں سفر سے واپس آئے گا تو ایسے قائل کو بھی فقہاء نے کافر کہا ہے۔

ولاصفر کی تشریح: صفر کے متعلق بھی دو تقریریں ہیں:

۱۔ اہلِ جاہلیت کا خیال ہے کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہے، اس کا صفر نام ہے۔ جب وہ انسان کے جگر کو کاٹتا ہے تو اسے بھوک لگتی ہے۔ یہ بھوک اسی صفر نامی سانپ کے کاٹنے کا نام ہے۔

۲۔ صفر کا وُہ مہینہ جو اہلِ جاہلیت محرم کے بجائے جنگ وجدال وغیرہ کے لیے صفر کا مہینہ مقرر کردیتے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے النسئ سے تعبیر فرمایا۔ حدیث شریف میں یہی یا دونوں مراد ہوں اسی لیے کہ اسلام میں صفر کی دونوں

صورتیں باطل ہیں۔ ان کا اسلام میں کوئی نام ونشان نہیں۔

فائدہ: بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت سفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی کہ سفر کے مہینے کو منحوس مت سمجھو۔

حکایت: ایک اعرابی کا سفر کا ارادہ ہوا دل میں خیال کیا کہ اگر محرم کے مہینہ کو جاؤں تو ممکن ہے کہ مقاصد ومطالب سے محروم رہوں اگر صفر میں جاؤں تو ممکن ہے خالی ہاتھ لوٹوں، کیونکہ صفر بمعنی خالی ہے، اسی لیے ربیع الاول میں جاؤں، چنانچہ ربیع الاول کے مہینے میں سفر کو روانہ ہوا تو بیمار ہوگیا اور اپنے مقاصد سے مکمل طور محروم ہوگیا۔ اس پر اس نے کہا کہ میں نے تو ربیع الاول میں اس لیے سفر کا آغاز کیا کہ ربیع بمعنے بہار ہے اور وہ میرے لیے ربیع الریاض ثابت ہوگا لیکن وہ تو ربیع الامراض بن گیا۔

فائدہ: حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگِ صفین کا آغاز ماہ صفر ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ کچھ لوگ اسی مناسبت سے بھی ماہِ صفر کو منحوس سمجھنے لگے۔

فائدہ: روضۃ الاخیار میں ہے کہ بہتر ہے کہ ماہِ صفر میں سفر کے بجائے گھر میں آرام کیا جائے (لیکن یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں صرف خیالی بات ہے) جمہور کا یہی مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خبر دے میں اسے بہشت کی خوشخبری دوں گا۔

ازالۂ وہم: بعض لوگ اسی حدیث کو پیش کر کے صفر کی نحوست کا اثبات کرتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ایک بہترین توجیہ بیان فرماتے ہیں، وہ یہ ہے:

یقول الفقیر هذا الحدیث لا یدل علی مدعاه وهو اولویۃ القعود فی صفر فان النبی علیه السلام انما قال کذلك شغفا بتشیر ولادته و وفاته وجاء لدخوله فان الانبیاء علیهم السلام والاولیاء لیستبشرون بالموت لکونه تحفۃ لهم و ینتظرون زمانه اذ لیس انتقالهم الا الی جوار الله تعالیٰ۔

فقیر یعنی صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفر میں گھر پر بیٹھنا زیادہ اچھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لیے فرمایا تاکہ آپ کی ولادت کے مہینے سے عوام کو محبت ہو اور آپ کو بھی اس سے محبت اسی لیے تھی کہ آپ کا وصال اسی مہینہ میں ہوا اور انبیاء و اولیاء موت سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ موت ان کا تحفہ ہے اسی لیے وہ اس کے منتظر رہتے ہیں کیونکہ انہیں موت کے بعد حق کا قرب نصیب [illegible]۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند کے محاق میں سفر نہ کرو اور نہ ہی ان [illegible] جب چاند

بُرجِ عقرب میں ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دنوں میں سفر اور نکاح مکروہ سمجھتے جب چاند بُرجِ عقرب میں ہوتا۔ صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا،

ل

ھو اسناد صحیح - اس کا اسناد صحیح ہے۔

مسئلہ: حضرت الشیخ الشہیر بافتا زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایام کی نحوست بہ برکت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت سے مرتفع ہوگئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اگر صحیح سند سے ثابت ہے تو ان کے قول ہر ماہ میں سات دن منحوس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نفس و طبیعت منحوس ہیں۔ اسی بناء پر جس کا نفس اور طبیعت بدبخت ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس ہیں اور جس کی طبیعت اور نفس سعید ہیں تو اس کے لیے وہ ایام منحوس نہیں، چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے نفوس و طبائع سے نحوست مرتفع ہو چکی ہے فلہذا ہمارے لیے نہ ایام منحوس ہیں نہ لیالی اور نہ شہور نہ سنین۔

عقد الدر والآلی میں ہے کہ بہت سے جُہال ماہ صفر کو منحوس سمجھ کر اس ماہ میں سفر کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں حالانکہ

ازالۂ توہمات جس طرح بدفالی ہمارے اسلام میں نہیں اسی طرح ماہ صفر کے سفر کی نحوست کا مسئلہ بھی ہمارے ہاں نہیں۔

اسی طرح بعض لوگ بدھ اور موسم سرما کے آخری ایام میں سفر کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے اور بعض لوگ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کو منحوس فعل سمجھتے ہیں۔ یہ بھی زمانۂ جاہلیت کے توہمات سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کسی زمانہ میں شوال کے مہینے میں زبردست طاعون واقع ہُوا۔ اس سے بہت نوجوان دُولھے، دُلہنیں اور دوشیزائیں مر گئیں۔ اس وجہ سے جاہلیت کے لوگ شوال میں نکاح و بیاہ کو منحوس سمجھنے لگے، حالانکہ شرعِ مطہرہ نے اس کی زبردست تردید فرمائی ہے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور بیاہ شوال میں حضرت ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح اور پھر بیاہ شوال میں فرمایا۔ پھر دُنیا جانتی ہے کہ مجھ جیسا خوشگوار معاشرہ دنیا بھر کی کسی عورت کو نصیب نہ ہُوا اور نہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی ماہ، دن اور رات اور سال، جیسے صفر وغیرہ، کو منحوس سمجھنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ فلہذا ان کی نحوست کا خیال رکھنا حرام ہے اس لیے کہ تمام زمانے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں ان میں نحوست کا خیال کرنا دراصل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ل سلسلہ چشتیہ کے بعض مشائخ مثلاً خواجہ غلام فرید قدس سرہ بدھ کے دن سفر کو نہایت منحوس امر سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اس کی عجیب توجیہ اپنے رسالہ "اربعاء" میں عرض کر دی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ
أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ
إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا۟ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ
شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ
ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ثَانِىَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِى ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ إِنَّ
ٱللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُۥ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلسُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ ٱللَّهِ هِىَ ٱلْعُلْيَا ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ ٱنفِرُوا۟
خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَٰهِدُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

(الآیات - القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جنگ کیلئے) نکلو تو تم قلبی بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور دنیا کی زندگی کا ساز و سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت قلیل (بلکہ کچھ بھی نہیں) اگر تم جنگ کے لیے نہیں نکلو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا اور تمہارے بجائے دوسری قوم لائے گا اور تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے! اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ اگر تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد پہلے فرمائی جبکہ کافروں کی شرارت سے آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے جبکہ دو میں سے ایک آپ تھے جب وہ دونوں حضرات غار میں تھے جب اپنے یار غار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھائیے بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کی ان فوجوں سے قوت بخشی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچے ڈالی اور اللہ تعالیٰ کا ہی بول بالا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ جنگ پر نکلو ہلکی جان سے یا بوجھل دل سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر طعن و تشنیع کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں انہی زمانوں کو بنی آدم کے نیک اعمال واقع ہوتے ہیں۔ انہی برکات سے نحوست کے اجتماع کا کیا معنیٰ۔

ہر شب شب قدر است جس وقت میں بندہ نیکی کرے وہی اس کے لیے سعید اور جس گھڑی اس سے گناہ سرزد

ہوتا ہے وہی وقت اس کے لیے منحوس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی زمانہ منحوس نہیں، دراصل منحوس بندے کا اپنا بُرا عمل ہے۔

فائدہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر نحوست ہوتی تو چیزوں کے درمیان ہوتی، یعنی زبان میں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحوست تین چیزوں میں ہے:

① عورت ② دار ③ فرس

شرح الحدیث: عورت وہ منحوس ہے جو بچے نہ جنے۔

دار وہ منحوس ہے جس کا ہمسایہ بُرا ہو، اس لیے کہ بُرے ہمسائے سے اذیت پہنچتی ہے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ:

اَدْفِنُوْا مَوْتَاكُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ -

(اپنے موتیٰ کو نیک اور صالح لوگوں کے درمیان دفنایا کرو۔)

اس لیے کہ:

فَاِنَّ الْمَيِّتَ يتاذى بجار السوء كما يتاذى الحى بجار السوء -

یعنی میت کو بُرے ہمسایہ سے اذیت پہنچتی ہے۔ جیسے زندہ ہمسایہ سے زندہ انسان کو۔

اور فرس یعنی گھوڑے میں یہ نحوست ہے کہ جب اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کیا جائے۔

گھوڑے تین قسم کے ہیں:

① رحمان کے لیے ② انسان کے لیے ③ شیطان کے لیے

رحمٰن کے لیے وُہ ہے کہ جس سے جہاد کیا جائے۔ یعنی اس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔

انسان کے لیے یہ ہے کہ جس کے ذریعے سے روزی کمائی جائے۔

شیطان کے لیے یہ ہے کہ جسے کھیل، تماشہ اور جوا و قمار بازی وغیرہ کے لیے شرط پر دیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ربط) غزوۂ حنین کے بعد غزوۂ تبوک کے متعلق تشریح فرمائی۔

تفسیر عالمانہ ف: تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ پر جنگ لڑی گئی ہے۔ اسی لیے اس جنگ کو غزوۂ تبوک سے موسوم کرتے ہیں، اسے "غزوة العسرة" بھی کہا جاتا ہے۔ اسے "غزوة الفاضحة" بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اس جنگ میں بہت سے منافقین کے حالات کھل کر عوام کے سامنے آ گئے جس سے منافقین کو سخت رُسوائی ہوئی۔ بنابریں اسے فاضحہ (رسوا کرنے والی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کو فتح فرما کر ہوازن و ثقیف، حنین و اوطاس وغیرہ سے جنگ کی، اور پھر طائف کا محاصرہ فرمایا ان تمام غزوات سے

فتحیاب ہوکر جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ لوٹتے فراغت پاکر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حکم فرمایا کہ غزوہ روم کو چلو۔ یہ جنگ رجب سنہ ۹ھ میں واقع ہوئی جبکہ آپ کو خبر پہنچی کہ رومیوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑے جنگی جمع کیے ہیں۔ بلکہ مقام بلقاء تک بھی پہنچ چکے ہیں۔

فائدہ: روم کو بنوالاصفر بھی کہاجاتا ہے اس لیے کہ یہ روم بن العیص بن اسحاق نبی علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، اوران کی اولاد اور روم کو اصفر بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی رنگت زرد تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کے والد کی رنگت کی وجہ سے اس کے بیٹے کو اصفر کہا گیا۔

فائدہ: غزوۂ تبوک ایسے موسم میں ہوا جب لوگوں کی معاشی نہایت تنگ تھی اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ادھر مدینہ طیبہ کی کھجوریں پک کر اپنی جوانی کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا سفر بھی طویل تھا، اس لیے بعض لوگوں کو غزوۂ تبوک پر جانا مشکل سا ہوگیا، ان کی ناخوش طبع کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

یعنی ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے مَا لَكُمْ لفظاً استفہام اور معناً انکار وتوبیخ ہے اِذَا قِيْلَ لَكُمُ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چل کر جہاد کرو یعنی جنگ کے لیے نکلو۔

حل لغات: نفر القوم ینفرون نفرا ونفیرا۔ اس کی گردان ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی کسی مکان کی طرف کسی مصلحت کے پیشِ نظر جائے، اس مکان کی طرف جانے والی قوم کو نفیر کہا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں استنفر الامام الناس لجہاد العدو۔ یعنی امام نے لوگوں کو دشمنوں کے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ اور انہیں برانگیختہ کیا اثَّاقَلْتُمْ دراصل تثاقلتم تھا۔ یہ لفظاً ماضی اور معناً مضارع ہے اس لیے کہ یہ ما لکم سے حال ہے۔ اِلَى الْاَرْضِ یہ اثاقلتم کے متعلق اور میلان واخلاد کے معنے کو متضمن ہے۔ یعنی تمہیں کون سا سبب روکتا ہے اور کون سی غرض تمہیں چمٹی ہے اور کون سی بات تمہارے دل میں بیٹھ گئی ہے کہ جب تمہیں جنگ کے لیے کہا جاتا ہے تو تم دنیا اور شہوات نفس فانیہ کی طرف جھکے جارہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں عارضی اور چندروزہ ہیں۔ اور تم سفر جہاد کی مشقتوں سے بھی گھبرارہے ہو حالانکہ جہاد سے دائمی راحتیں اور مسرتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں الارض سے دنیا اور اس کی شہوات مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر "ملتم الی الاقامۃ بارضکم ودیارکم" فرمائی ہے۔ یعنی تم اپنی زمینوں اور گھروں سے محبت کرتے ہو۔ اَرَضِيْتُمْ یہ استفہام توبیخی ہے۔ یعنی کیا تم راضی اور خوش ہو بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں یعنی باغات کے پھلوں اور سایوں کے ساتھ مِنَ الْاٰخِرَةِ آخرت اور اس کی نعمتوں کے بجائے۔

ف: کلمۂ من بمعنے البدل ہے جیسے جعلنا منکم ملائکۃ میں بمعنے بدل ہے۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا پس نہیں حیوٰۃ دنیا کا سامان یعنی دنیا اور اس کی لذتوں سے نفع اٹھانا نہیں۔ فِي الْاٰخِرَةِ بہ نسبت آخرت کے اِلَّا قَلِيْلٌ ○ مگر تھوڑا یعنی ایسی حقیر و قسیر کہ اسے کسی شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس لیے کہ دنیا کا سامان فانی اور معیوب، اور آخرت کا سامان باقی اور مرغوب ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈبو دے، پھر دیکھے کہ دریا سے انگلی کے پانی کو کیا نسبت ہے۔

اِلَّا یہ دراصل دو کلمے ہیں۔ اِنْ حرف شرط اور لَا نافیہ بمعنے لَوْ۔ تَنْفِرُوْا اگر تم جنگ کے لیے نہ نکلے يُعَذِّبْكُمْ تو تمہیں اللہ عذاب دے گا عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ عذاب دردناک جو تمہارے ابدان و اجسام اور قلوب کو گھیر لے گا۔ یعنی تمہیں بہت بڑی گھبراہٹ سے تباہ و برباد کرے گا، مثلاً کبھی قحط سالیوں سے اور کبھی دشمنوں کے غلبوں سے وَيَسْتَبْدِلْ تمہارے تباہ و برباد کرنے کے بعد تبدیل کرے گا قَوْمًا غَيْرَكُمْ ایسی قوم سے جو تمہاری غیر ہو یعنی تمہارے بجائے یہاں اور ایسے لوگ آجائیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے جو تمہارے ساتھ ان کا کوئی خاندانی رشتہ نہ ہو، نہ آباء سے، نہ امہات سے، مثلاً وہ اہل یمن یا ابنائے فارس ہوں وَلَا تَضُرُّوْهُ اور ترک جہاد سے اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا ضرر نہ دو گے شَيْئًا ۭ معمولی سا بھی، یعنی تمہارا جہاد سے جی چرانا اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں دے گا اس لیے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وہ تمہارے ہلاک کرنے اور تمہارے بجائے دوسری قوم کو لانے پر قادر ہے۔

فائدہ: بیکاری انسان کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ: انسان پر لازم ہے کہ آخرت کے امور یا دنیوی کاروبار میں مشغول رہے اور حلال رزق کے حصول میں جد و جہد کرے حلال رزق سے اعمال صالحہ کا دوہرا بلکہ کئی گنا زاید ثواب نصیب ہوتا ہے اور امور معاش کی جد و جہد سے خوشحالی حاصل ہوتی ہے اگر کوئی شخص نہ دینی امور کا مشغلہ رکھے اور نہ دنیوی کاروبار میں وقت بسر کرے اس کا دل سیاہ اور سخت ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کو تحرک ضروری ہے اس لیے کہ حرکات میں صد برکات ہیں وہ حرکات حضری ہوں یا سفری۔

فائدہ: سفر دو قسم ہے:

۱۔ سفرِ دنیا

۲۔ سفرِ آخرت

پہلے سے دوسرے میں زیادہ مشقت ہے۔

حدیث شریف: السفر قطعة من العذاب۔ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

لطیفہ : بعض مشایخ سے منقول ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے الفاظ کی تبدیلی جائز ہوتی تو میں کہتا: السفر قطعۃ من السقر ۔ سفر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔

نکتہ : حضور علیہ السلام نے سفر کو عذاب کا ٹکڑا فرمایا ہے ورنہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسے موت کا حصہ کہا جاتا لیکن بغور دیکھا جائے تو صحیح فرمایا ہے اس لیے کہ موت سے صرف جسم کو لیکن سفر سے جسم اور دل ہر دونوں کو دکھ اور درد پہنچتا ہے۔

حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ حجاج بن یوسف ظالم کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر مسافر کو گھر کی واپسی کی خوشی کا تصور نہ ہوتا (اس لیے کہ مسافر جب گھر لوٹتا ہے تو اسے سفر کی تمام تکالیف اور پریشانیاں بھول جاتی ہیں) تو میں لوگوں کو قتل کرانے کے بجائے سفر کی مشقتوں میں مبتلا کرتا۔

مسئلہ : دینی سفروں میں سے ایک سفر جہاد بھی ہے۔

حدیث شریف مع شرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لغدوۃ فی سبیل اللہ ۔ غدوۃ یعنے صبح کے وقت کہیں جانا، اور روحۃ یعنے دن کے آخری حصے میں جانا ۔ خیر من الدنیا وما فیہا یعنی جنگ وجہاد کے لیے صبح یا شام کو جانا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی تمام نعمتیں زوال پذیر ہیں اور آخرت کی نعمتیں زوال پذیر نہیں ہیں۔

مسئلہ : جہاد میں نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ذلیل وخوار ہوں اور جہاد میں صرف رضائے الٰہی مدِ نظر ہو اور اثنائے جنگ میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کرنی چاہیے۔ جنگ کے دوران آل اولاد اور اپنی عورتوں اور اپنے گھر، مال، اسباب اور وطن کی باتوں کو دل میں نہ لائے، اس لیے کہ ان کی یاد سے جہاد میں دل نہیں لگتا۔ نصائح مذکورہ کے مطابق جہاد کی مشغولی افضل العبادات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملفوظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غازیوں سے کوئی گناہ ہوجائے تو کوئی حرج نہیں اور سخن چین کی عبادت بیکار ہے، مخنث کی دعا ناقابل قبول ہے (جبکہ غلط کاریوں میں مشغول ہو اور اسی طریقے کی دعا مانگے) شرابی کی دعا بھی مستجاب نہیں ہوتی۔

سبق : عاقل وہ ہے جو اپنی زندگی طاعتِ الٰہی میں بسر کرے اور صرف رضائے الٰہی میں جد وجہد رکھے۔

حدیث شریف : دو ایسی نعمتیں ہیں جن سے لوگوں کو بہت رشک ہونا چاہیے :

۱۔ صحت

۲۔ فراغت

یہ روحانی اسباب، کامیابی اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔

نکتہ : حضور علیہ السلام نے مکلف (عاقل بالغ انسان) کو تاجر سے اور صحت وفراغت کو راس المال فرمایا، اس لیے کہ

یہی روحانی اسباب اور نجات پانے کے موجبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اوامر کی پابندی کی توفیق بخشتا ہے تو اس کو دنیوی زندگی میں تاجر کی طرح بہت نفع نصیب فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم تومنون بالله و رسوله و تجاهدون فی سبیل الله باموالكم و انفسكم۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی رہبری نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور نفسوں سے جہاد کرو۔

مسئلہ: جو شیطان کی اتباع کرتا ہے تو اس کا راس المال ضایع ہو جاتا ہے، اسے نفع حاصل نہ ہوگا بلکہ زندگی کے ضایع ہونے پر بعد کو سخت پچھتائے گا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنے سے انسان کا انجام بخیر ہوتا ہے اگرچہ بظاہر نفس کو اس سے سخت کوفت ہوتی ہے مثلاً جہاد سے نفس سخت گھبراتا ہے لیکن اس کا انجام نہایت اعلیٰ و افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترکِ راحت اور اختیارِ مشقت میں انسان دنیوی اور دینی مقاصد میں کامیاب رہتا ہے لیکن اس میں توفیق ایزدی کا شاملِ حال ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ہر مشقت اٹھانے والے کو یہ مقام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک دنیوی پریشانی اٹھانے والے کو دین سے وافر حصہ حاصل ہوتا ہے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خام را طاقت پروانۂ پُر سوختہ نیست
نازکانرا نرسد شیوۂ جاں افشانی

ترجمہ: کچے عاشق کو پروانے جیسی طاقت نہیں۔ اسے نازبرداری کا کیا پتہ جو جان دینا نہیں جانتا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ایک قوم کو تبدیل کرکے اس کے بجائے دُوسری قوم کو لاتا ہے، ایسے ہی انسان کی بعض صفات کے بجائے دوسری صفات لاتا ہے۔ مثلاً جو شخص شہواتِ نفسانی کی اتباع یعنی اپنی تمام حرکات و سکنات میں خواہش نفسانی کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایسا شخص وادیٔ طبع و نفس میں تباہ و برباد ہوتا ہے اسے رجالِ عالمِ قدس و انس کے مقامات کبھی نصیب نہیں ہوں گے اور نہ ہی اسے ایسے حضرات کے مقالات و مقامات و حالات سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ اس خبیث النفس اور ان پاکبازوں کے مراتب و حالات میں بہت بڑا بُعد ہے۔ اس لیے کہ اس خبیث النفس کی صفات نفس و طبیعت کی صفات ہیں اور ان پاکبازوں کی صفات رُوح اور ان کے اخلاق اخلاقِ الٰہی ہیں۔ ان دونوں صفات کا اجتماع محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی ان صفات کی صورت میں اٹھائے گا جو صفات مذمومہ اس پر غالب ہوں گی، ہاں جسے اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور ستار العیوبی کے طور اپنے لطف و کرم کی چادر میں اسے ڈھانپ لے تو وہ علیحدہ بات ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اگر تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک میں مدد نہ کی فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ تو ان کی

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا جیسے ان کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ مثلاً اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جبکہ انہیں کافروں نے نکالا یعنی جب ان کی ہجرت کے لیے کافر سبب بنے۔

سوال: تم نے ترجمہ کے بعد یہ کہاں سے نکال لیا کہ کافر حضور علیہ السلام کی ہجرت کا سبب بنے۔

جواب: ظاہر ہے کہ ہجرت کا حکم حضور علیہ السلام کو منجانب اللہ تھا اور آپ نے اسی حکم کی تعمیل کی۔ البتہ کفار نے انہی ایام میں حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو سبب بنا کر اپنے محبوب علیہ السلام کو مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ یہ اخرجه کی ہٗ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ آپ دو میں سے ایک تھے، اس میں آپ کو اثنین سے ثانی بایں معنیٰ کہا گیا ہے کہ گویا اثنین میں آپ داخل ہی نہیں تھے۔ یہ عرب کا ایک خاص محاورہ ہے اسے تجرید سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے ثالث ثلاثہ اور رابع اربعه وغیرہ۔ یعنی ان اعداد میں سے اگرچہ وُہ خود بھی داخل ہو پہلے ان اعداد مثلاً اثنین، ثلاثه، اربعه کو مطلق گنتی کے طور تصور میں لا کر گویا بعد کو ثانی، ثالث، رابع لایا گیا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں بالاتفاق حضرت[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ یہ اخرجه سے بدل البعض ہے اس لیے کہ اس سے وسیع زمانہ مراد ہے الغار سے وہ گڑھا مراد ہے، جو ثور کے اوپر والے حصے میں ہے۔ ثور ایک پہاڑ ہے جو مکہ معظمہ کی دائیں جانب تھوڑی مسافت پر واقع ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ تخمیناً دو فرسخ یعنی چھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ اسے ثور اطحل بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل پہاڑ کا نام اطحل ہے چونکہ اس پر ثور بن عبد مناة مقیم ہوا اسی بناء پر اسے ثور اطحل سے موسوم کیا گیا۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے صرف ثور کے نام سے مشہور ہُوا۔

ف: انسان العیون میں لکھا ہے کہ اسے ثور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی شکل بیل سے ملتی ہے اور عربی میں بیل کو ثور کہتے ہیں۔

ہجرت کیوں مکہ معظمہ میں جب مسلمانوں کو کفار نے بہت تنگ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت کی اجازت بخشی، لیکن جگہ کے تعین کے بغیر فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہاری ہجرت گاہ کا وہ علاقہ ہے جہاں بہت سی کھجوریں ہیں، اور وُہ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت بخشے گا۔ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: هل ترجو بابی و امی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ بھی ہجرت کی امید رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی ہو گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[1] اس کے متعلق شیعہ کتب کے حوالوں سے بھرپور مضمون فقیر کی کتاب "آئینۂ شیعہ نما" کا مطالعہ کریں۔ اویسی غفرلہ

کفار کی اذیتیں سر پر اٹھالیں لیکن ہجرت کا مصمم ارادہ یوں کیا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے میں ان کی خدمت کرتا جاؤں گا، یعنی ان کی معیت و رفاقت میں ہجرت کروں گا، رسول علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہایت ناموزوں ہے۔[1]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت کا سنتے ہی مکہ معظمہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر و حضرت علی و حضرت صہیب اور دیگر وہ صحابہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے جو کفار کی قید میں تھے یا بیمار تھے یا ہجرت کرنے کی فرصت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی خوشخبری سنتے ہی آٹھ سو درہم میں دو اونٹنیاں خرید لیں۔[2] یہ ہجرت سے تین ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے کہ آپ نے ہجرت کا اذنِ عام ماہِ ذوالحج میں فرمایا اور خود ربیع الاول میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشق دیکھیے کہ تین ماہ پہلے دو اونٹنیاں خرید کر انہیں خوب موٹا تازہ کر رہے ہیں، انہیں عمدہ گھاس ڈالنے کے علاوہ خصوصیت[3] سے آٹا وغیرہ درختوں کے پتوں میں ملا کر خوب کھلاتے۔ قریشِ مکہ یعنی مشرکین نے جب دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ظاہری روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ قبائل کے قبائل اور اطراف و اکناف کے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ اوس اور خزرج کے لوگ نہ صرف اسلام میں داخل ہوئے بلکہ ہر قسم کی معاونت کا اعلان کر دیا۔ اسی لیے انہیں انصار کے لقب سے نوازا گیا۔ اس سے مشرکینِ مکہ کو خوف ہوا کہ اگر اسلام کے اثرات اسی طرح پھیلتے گئے تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اسی لیے بطور حفظِ ماتقدم آپس میں مشورہ کیا اور دار الندوہ میں بیٹھ کر تہیہ کر لیا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے وہ اسلام کو آگے نہ پھیلا سکیں۔

ف : پہلا مکان جو مکہ معظمہ میں تیار ہوا، وہ یہی دار الندوہ ہے۔ یہ دراصل قصی بن کلاب کا گھر تھا، جو حجرِ اسود کی جانب مقامِ حنفی کے نزدیک واقع ہے اس کا ایک دروازہ مسجد حرام کی طرف تھا، اسے دار الندوہ اس لیے کہتے کہ یہاں مشورہ کے لیے جماعتیں جمع ہوتیں اور الندوہ بمعنے جماعت ہے اس دن اس کا نام دار الزحمۃ رکھا گیا۔ الزحمۃ بمعنے ہجوم۔ اسی مشورہ میں قریش کے تمام قبائل مثلاً بنی عبدشمس اور بنی نوفل و بنی عبدالدار و بنی اسد و بنی مخزوم وغیرہ وغیرہ کے تمام بڑے بڑے لیڈر جن کی عقل و فکر بلند تھی، کوئی ایک بھی ان میں سے غیر حاضر نہ تھا سب اسی مشورے میں شریک ہوئے انکا یہ مشورہ ہفتہ کے دن تھا۔

---

[1] یہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی ایک دلیل ہے اگر کوئی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو رہ گئے تھے۔ جواب: وہ ہجرت کی تمنا میں نہیں بلکہ وہ چونکہ حضور علیہ السلام کی تربیت گھریلو خدمات پر متعین تھے اسی لیے، ورنہ ان میں بھی عشق تھا لیکن اولیت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوئی۔ ۱۲ فافہم

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوسرا نمونہ ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہیں لیکن وہ تصورِ یار میں۔

[3] یہ ہے عشق کی تڑپ جو صرف صدیق کو نصیب ہوئی۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہفتہ کے دن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ، وہ مکر و فریب کا دن ہے ۔ عرض کی گئی ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ کیسے ؟ آپ نے فرمایا کہ قریشِ مکہ نے اس دن مکر و فریب کی سوچ و بچار کی ۔ چنانچہ ان کی مشاورتی کمیٹی میں ابلیس (شیطان) ، شیخ نجدی کی شکل میں شامل ہُوا ، اور کہا کہ میں نجدی ہُوں ۔ شیطان کو اپنے تعارف میں نجدی کہنے کی ضرورت اس لیے پیش ہُوئی کہ قریشِ مکہ نے پابندی لگا رکھی تھی کہ تہامہ کے لوگوں میں سے کوئی ایک فرد بھی ہماری اس کمیٹی میں داخل نہ ہونے پائے ۔ اس لیے کہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ لوگ اندرونی طور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سٹے ہُوئے ہیں ۔ لیکن نجدیوں پر تو انہیں یقین تھا کہ وہ ان کی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی دشمن ہیں ۔ اسی لیے جب ابلیس نے کہا کہ میں نجدی ہُوں تو تمام مشرکین نے کہا کہ اس کے شریک ہونے سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ۔ اگر کہ کا ہاشمی ہوتا تو ضرور خطرے والی بات تھی ۔ مشورہ میں کسی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کر لو ۔ دوسرا بولا کہ انہیں شہر بدر کر دو ۔ چنانچہ اسی واقعہ کو تفصیل طور سورۂ انفال کی آیت " و اذ یمکر بك الذین " میں ہم نے بیان کر دیا ہے ۔ جتنی صورتیں اس وقت بیان ہُوئیں سب کو ابلیس شیخ نجدی نے رد کر دیا ۔ اس کے بعد ایک بات ابوجہل نے کی جس پر تمام آراء کا اتفاق ہو گیا ۔ ابوجہل نے کہا : ہر قبیلہ کا ایک فرد حضرت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کر کے (نعوذ باللہ) قتل کر دے ۔ اگر ان کا بدلہ دینا پڑا تو ہر قبیلہ پر ان کی دیت تقسیم ہو جائے گی ، اور بنو عبد مناف کے لوگ یعنی حضور علیہ السلام کے ورثاء تمام قبائل سے تو نہیں لڑ سکتے ، لامحالہ دیت پر راضی ہو جائیں گے ۔ اور دیت کی ادائیگی ہمارے لیے مشکل نہیں ۔ اس مشورہ کی شیخ نجدی نے بھی تائید کی ۔ اس مشورہ پر اتفاق کر کے تمام مشرکین متفرق ہو گئے ۔ حضور علیہ السلام کو رات کے وقت جبریل علیہ السلام نے قریشِ مکہ کی تمام کارروائی بیان کر دی اور مشورہ دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر کو چھوڑ کر چلے جائیں ۔ آپ کو جب یقین ہو گیا کہ آج رات کو قریشِ مکہ نے شرارت کرنی ہے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آج رات آپ میری حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جائیے ۔ لیکن یاد رکھیو کہ قریشِ مکہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے ۔ آپ اطمینان سے سوتے رہنا[1]

فائدہ : یہ حضرمی چادر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر پہنا کرتے تھے ۔ اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور ایک بالشت تھی ۔

ف : یہ چادر سبز تھی یا سُرخ ۔ دوسرے قول کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے موقعہ پر سُرخ رنگ کی چادر پہنا کرتے تھے ، اسی طرح جمعہ میں بھی ۔ اور سیرۃ الحافظ

---

[1] اس واقعہ کو شیعہ بغلیں بجا کر بیان کرتے ہیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری مسلّم لیکن اس واقعہ سے ان کی بہادری ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ انہیں حضور علیہ السلام نے تسلی دے دی ۔ بہادری درحقیقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے عین حملہ کے وقت کاندھے پر اٹھا کر دشمنوں کے سامنے سے لے گئے ۔ ۱۲ فافہم

الدمیاطی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میری سُرخ چادر اوڑھ کر سو جائیے۔
ف : حضرمی حضرموت کی طرف منسوب ہے۔ اس سے اسی قبیلہ یا یمن کے شہر کی چادر مراد ہے۔ اس لیے کہ آپ حضرمی چادر یمن سے منگوایا کرتے تھے اور آرام فرمانے وقت وہی یمنی چادر اوڑھتے تھے۔

نکتہ : حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کے لیے اس لیے حکم فرمایا کہ مشرکین کو بستر پر آرام فرمانے والے سے التباس پڑے گا، وہ اس طرف آئیں گے اتنی دیر آپ اپنے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر ہجرت کی طرف چل دیں۔
چنانچہ ایسے ہی ہُوا کہ جونہی رات کا تہائی حصہ گزرا، مشرکین نے حسبِ مشورہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گھیر لیا اور وہ ایک سوا فراد تھے اور دروازے کے باہر اس تاک میں تھے کہ کس وقت حضور علیہ السلام آرام فرماتے ہیں تاکہ ان کا (معاذ اللہ) سر قلم کریں۔ ان لوگوں کے دروازہ پر موجود ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "یٰسین والقرآن الحکیم الیٰ قولہ تعالیٰ فاغشیناھم فھم لا یبصرون" پڑھتے ہوئے گزر گئے۔ مگر وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔

سورۂ یٰسین کے فضائل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کے فضائل میں فرمایا کہ : خوف زدہ پڑھے تو اس کا خوف دُور ہو گا۔ اگر بھُوکا پڑھے تو اسے کھانا ملے گا۔ ننگا پڑھے تو اسے کپڑے ملیں گے۔ پیاسا پڑھے تو اسے پانی ملے گا۔ بیمار پڑھے تو شفایاب ہو گا۔

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضور علیہ السلام جب اپنے گھر کے دروازے سے باہر نکلے تو آپ نے مٹی کی مٹھی بھر کر ان مشرکوں کافروں کے سر پر پھینکی اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ان منتظر مشرکوں کے پاس کوئی آیا اور کہا : کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اس نے کہا : اللہ تعالیٰ تمہیں خائب و خاسر کرے۔ بخدا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تو تمہارے سامنے سے چلے گئے، بلکہ اُلٹا تمہارے سروں پر مٹی ڈال گئے ہیں۔ چنانچہ سب نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو واقعی اُن کے سروں پر مٹی تھی۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گھر چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پُوچھا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : مجھے کیا معلوم، یہاں سے تو وہ باہر چلے گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارا بلند حضرت جبریل علیہ السلام کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا : چلیے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : کیا مجھے آپ ساتھ لے چلیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہاں۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو گرنے لگے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

ورد الکتاب من الحبیب بانہ   سیزورنی فاستعبرت اجفانی

هجم السرور علی حتی انہ ۔۔۔ من فرط ما قد سرنی ابکانی

یاعین صار الدمع عندك عادۃ ۔۔۔ تبکین من فرح و من احزان

ترجمہ: محبوب کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ میں عنقریب تمہارے ہاں آؤں گا اس خوشی میں میری پلکیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور مجھے سرور و مستی سے اتنا غلبہ ہوا کہ رونے پر مجبور ہوگیا اے میری آنکھو! تم بھی عجیب ہو کہ غم اور خوشی ہر دونوں وقتوں میں روتی ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں اونٹنیاں لے کر حاضر ہوگئے اور عرض کی، اس میں ایک آپ چن لیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی قیمت لیجئے۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب جانتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اونٹنی صرف انہی کے لیے پال رکھی ہے پھر قیمت کا کیا مطلب؟

جواب: تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت مال سے بھی ہو، جیسے نفس سے ہجرت فرمارہے تھے ایسے ہی اپنے مال کے ساتھ بھی ہجرت کا ارادہ فرمایا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری کے نمونے

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار، ایک روایت میں چالیس لاکھ دینار خرچ فرمائے، یہ وہی اونٹنی تھی جو قصویٰ یا الجدعاء کے نام سے مشہور تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فوت ہوئی۔

حضور علیہ السلام کی ایک اونٹنی غضباء نامی تھی، اسی پر قیامت میں بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سوار ہوں گی۔

اعجوبہ ہجرت کی روانگی کے وقت بنو ۔۔۔ کے قبیلہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو مزدوری پر لیا، اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا، تاکہ وہ مدینہ کے راستہ کی رہبری کرے۔ اور وہ عبداللہ قریشِ مکہ کے دین پر تھا۔ آپ نے اپنی اونٹنیاں اس کو دے کر فرمایا کہ تیسرے روز صبح سویرے غارِ ثور میں لانا۔ وہ رات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہ گزاری۔ دوسری رات کو غار کی طرف روانگی ہوئی۔ راستہ طے کرتے وقت کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کی: آگے ہوتا ہوں تاکہ دشمنوں کو دیکھوں کہ کہیں لڑنے کے لیے تو نہیں چھپے بیٹھے، اور پیچھے ہو جاتا ہوں کہ شاید دشمن آجائیں تو پہلے میں آپ پر فدا ہوں[1]۔ حضور علیہ السلام اس رات پاؤں کی انگلیوں کے کناروں پر چلتے تھے تاکہ آپ کے قدموں کے

---

[1] یہ ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشق ۱۲

نشانات ظاہر نہ ہوں، یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔ حضور علیہ السلام کی یہ کیفیت جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھی تو آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر غارِ ثور تک پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ پہاڑی راستے کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے ورنہ اتنا لمبا سفر تو تھا نہیں کہ بُعدِ مسافت سے آپ کے قدم مبارک زخمی ہو جاتے۔ ممکن ہے بُعد مسافت سے ہوں کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ راستہ بھول گئے۔ اس لیے ساری رات چلتے رہے۔ اسی وجہ سے آپ کے قدموں پر چھالے پڑ گئے۔

دو عاشقوں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سانپ) کا مقابلہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی شب پہلے جبل حنین پر تشریف لے گئے تو حنین نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن تلاش کر رہے ہیں خدانخواستہ اگر وہ آپ کو شہید کر دیں تو میں مارا جاؤں فلہٰذا میرے ہاں سے چلے جائیے۔ حنین کی یہ بات سُن کر جبلِ ثور نے آواز دی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس غلام کو سرفراز فرمائیے، میرے ہاں تشریف لائیے۔ ثور کی غار موذی کیڑوں مکوڑوں کا خزانہ مشہور تھی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عرض کی[۱]: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ٹھہریئے، میں اسے صاف کر لوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں گھس گئے اور اپنے کپڑے پھاڑ کر غار کے سوراخوں کو بند کرتے گئے اس خطرہ سے کہ کہیں کوئی شے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ دے۔ غار کا ایک سوراخ بچ گیا جس سے سانپ کی آمد و رفت تھی۔ اس جگہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں کا گٹا دبا دیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندر تشریف لا کر آرام فرما ہوئے۔ سانپ چونکہ حضور علیہ السلام کی زیارت کا مشتاق تھا اس لیے اس نے اپنے سوراخ سے حضرت صدیقِ اکبر کو ڈسا اور خوب ڈنگ لگائے۔ لیکن صدیق جیسا عاشق سوراخ سے پاؤں کب ہٹاتا تھا۔ سانپ کے ڈنگ کے سخت اثرات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو[۲] بہہ نکلے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈسے ہوئے مقام پر لُعابِ دہن لگایا تو فوراً شفاء ملی۔

عجمی شیعوں کا کمینہ پن عجمی شیعہ خوشی سے اپنے سروں پر سونے کے رنگ کا سر پر ایک تاج پگڑی میں باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی سانپ کی یاد میں ہم ایسا کرتے ہیں اس لیے کہ اس نے (معاذ اللہ) ہمارے دشمن کو ڈسا تھا۔

اعجوبہ جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف لے گئے تو غار کے منہ پر اللہ تعالیٰ نے فوراً کانٹے دار درخت بعض نے کہا کہ کیکر کا درخت پیدا فرمایا جس کی ٹہنیاں غار کے منہ پر چھا گئیں اور اس کا قد انسان کے قد کے برابر ہو گیا۔ بعض روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمامہ درخت پر گندھا ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

---

۱ یہ ہے عشقِ صدیق رضی اللہ عنہ ۱۲ ۲ ایضاً ۳ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عشق کی یہ داستان قابلِ رشک ہے ۱۲

اسے ساتھ لے جانا چاہیے۔ چونکہ وہ ضعیف اور نہایت چھوٹا ہوتا ہے، جو غار کے منہ کے برابر تھا، اسی لیے غار کے منہ پر ڈال دیا گیا اس کے اوپر مکڑی نے تانا تنا اور اتنا گہرا کہ چار سال کا تنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

ظنوا الحمام و ظنوا العنکبوت علی

خیر البریۃ لم تنسج و لم تحم

ترجمہ مع شرح: یعنی کافروں نے گمان کیا کہ اگر حضور علیہ السلام اس غار کے اندر ہوتے تو مکڑی یہاں پر تانا نہ تنتی اور نہ ہی اس کے گرد پھرتی یا غار کے منہ میں جانے سے تانا ٹوٹ جاتا۔

لم تحم ای تطف بہ حام حولہ سے ہے بمعنی طاف و دار بہ علفتھا تبناً وماءً بارداً کے قبیل سے ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا:

شد دو سہ تارے کہ عنکبوت تنید
بر در آں غار پردہ دار محمدؐ

ترجمہ: مکڑی کی تاریں غار پر حضور علیہ السلام کی غلامی میں کھڑی ہو گئیں۔

فائدہ: ایسے ہی مکڑی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی تانا تنا تھا، جب وہ جالوت کے خطرے سے غار میں چھپے تھے۔

اسی طرح سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے ستر پر بھی مکڑی نے تانا تنا تھا۔

حضرت زید بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف اور ان کا دردناک واقعہ یہ زید حضرت امام باقر کے بھائی اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے چچا ہیں۔ انہیں یوسف بن عمر ثقفی امیر العراقین منجانب ہشام بن عبدالملک نے سُولی پہ چڑھایا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بادشاہی کے خلاف علم بلند فرمایا تو اس بدبخت نے آپ کو ننگا کر کے سُولی پر چڑھا دیا۔ یہ سنہ ۱۲۶ھ کا واقعہ ہے آپ اسی حالت میں چار یا پانچ سال سُولی پہ کھڑے رہے لیکن اس اثناء میں آپ کا ستر کسی کو نظر نہ آیا۔ بعض کہتے ہیں مکڑی نے تانا تنا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کے پیٹ کا گوشت آپ کے ستر پر پھیل گیا تھا، ممکن ہے دونوں معاملے ہوں،

اعجوبہ آپ کو سُولی چڑھاتے وقت قبلہ کی جانب سے آپ کا چہرہ پھیرا گیا لیکن جونہی روح نے پرواز کی، آپ کا چہرہ قبلہ کی طرف پھر گیا۔ پانچ سال پر چڑھائے رکھنے کے بعد آپ کا جسم اطہر سُولی کی لکڑیوں سمیت آگ سے جلایا گیا۔

مکڑی کے فضائل مکڑی کی سب سے بڑی فضیلت اور شرافت یہی ہے کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غار پر تانا تننے کا شرف نصیب ہوا، اسی وقت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی کو قتل کرنے سے روکا اور فرمایا:

"انھا جند من جنود اللہ" یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں سے ایک لشکر ہے۔
مثنوی شریف میں ہے؎

جملہ ذرات زمین و آسماں
لشکر حق اند گاہ امتحاں

ترجمہ: زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے:
"العنکبوت شیطان فاقتلوہ" مکڑی شیطان ہے اسے قتل کر دو۔

ایک روایت میں ہے:
"العنکبوت شیطان مسخہ اللہ فاقتلوہ" مکڑی شیطان ہے اسے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے مکڑی کی صورت میں بنایا ہے فلہذا اسے قتل کر دو۔

ان دو روایات سے معلوم ہوا کہ مکڑی بہت برا جانور ہے اور تم اس کی فضیلت کے قائل ہو۔

جواب: دونوں روایات مذکورہ صحیح نہیں۔ اگر صحیح ہوں تو آپ نے واقعہ ہجرت سے پہلے اس کی مذمت فرمائی۔ اس کے بعد آپ اس کی تعریف فرماتے۔ فلہذا ہمارے نزدیک بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس معنی پہ مذکورہ بالا دونوں اور اسی طرح کی اور روایات منسوخ ہیں۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا:
"طہروا بیوتکم من نسج العنکبوت فان ترکہ فی البیوت یورث الفقر" اپنے گھروں کو مکڑی کے تانے سے صاف رکھو۔ اس لیے کہ مکڑی کا تانا گھر میں ہو تو اس سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مکڑی قابلِ ستائش نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔

جواب: شے کی شرافت، بزرگی اور شے ہے اور اس کے متعلقات میں نحوست یا بے برکتی کا ہونا اور شے۔ مگر اس طرح سے کسی شے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی شرافت اور بزرگی میں فرق پڑتا ہے۔

حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ مکڑی کا تانا مکڑی کے جسم کے خارجی حصے سے نکلتا ہے نہ کہ پیٹ سے۔

زخموں کا علاج اس کے خواص میں سے ہے کہ اگر جسم کے خون بہنے والے زخموں پر مکڑی کا تانا رکھا جائے تو خون بھی رک جاتا ہے اور یہ زخموں پر ورم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ویسے جہاں سے خون بہہ رہا ہو تو اس پر تانا رکھا جائے تو بہنے والا خون رک جاتا ہے۔

بخار کا علاج مکڑی کا وہ تانا جو ٹٹی خانوں اور جانوروں کے گوبر خانوں میں ہوتا ہے اگر اسے توڑ کر بخار والے کے

ے میں لٹکایا جائے تو بخار کا آرام ہو جاتا ہے۔ (کذا قال ابن الزبیر)

کبوتری کے انڈے جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے تو کڑی کے تانے پر کبوتری نے انڈے دے دیے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے کبوتروں کو دعا فرمائی اور یہیں رہنے کی اجازت بھی بخشی۔

فائدہ: حرم شریف کے یہی کبوتر اسی کبوتری کی اولاد ہیں یا کوئی اور۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اور ہیں۔ اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے کبوتر کو کشتی سے بھیجا کہ زمین پر حالات دریافت کرے، وہ اڑ کر حرم کی وادی میں پہنچا جہاں اب کعبہ مکرمہ موجود ہے۔ یہاں پانی خشک ہو چکا تھا اور یہاں کی کیچڑ سرخ تھی۔ کبوتر نیچے اترا تو اس جگہ کا گارہ پاؤں سے چمٹ گیا۔ اسی وجہ سے کبوتر کے پاؤں کے بال سرخ ہوتے ہیں۔ کبوتر نے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی تو آپ نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا اور خصوصی طوق پہنایا۔ کبوتر کے گلے کا طوق اور پاؤں کی سرخی اسی روز سے ہے اسی روز سے حضرت نوح علیہ السلام نے حرم شریف میں رہنے کی اجازت بخشی اور اس کے لیے برکت کی دعا بھی فرمائی۔
بعض روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن کبوتر نے سایہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

اعجوبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کبوتروں کی طرح بھولے ہو جاؤ۔ اس لیے کہ کبوتر سے زیادہ بھولا اور کوئی پرندہ نہیں۔ اس لیے کہ اس کے گھونسلے سے اس کے سامنے اس کے بچے پکڑ کر ذبح کر دو اور اسے وہاں سے بھگا دو تو بھی واپس اسی گھونسلے میں آئے گا۔ پھر اسی جگہ پر بچے دے گا اور رہے گا۔ کبوتر کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ اپنے گھونسلے کو نہیں چھوڑتا اگرچہ ہزاروں میل تک دور جائے تب بھی اپنے گھونسلے میں واپس آجاتا ہے۔ دور دراز کی خبریں آن کی آن میں پہنچاتا ہے۔ (کذا فی المغرب)

فائدہ: عراق و شام میں کبوتر بہت مہنگی قیمت میں بکتے ہیں۔ بہت دور کی خبریں لاتا ہے۔ اس کے گلے میں خطوط ڈال دیے جاتے ہیں ان کے جوابات واپس پہنچاتا ہے۔ اگر کبوتر نہ ہوتے تو بصرہ والوں کو پتہ نہ چلتا کہ کوفہ میں کیا ہو رہا ہے، اور نہ ہی ایک دن میں ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے۔ اسی طرف فصحاء بلغاء کے اشعار میں بھی اشارات ملتے ہیں۔
حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

رقعہ بر پرِ مرغ دوختے
پر مرغ از تف رقعہ سوختے

ترجمہ: میں نے کبوتر کے پَر پر خط لکھا، خط کے دردناک احوال سے کبوتر کے پَر جل گئے۔
حضرت سلطان سلیم اول یعنی فاتح مصر نے لکھا کہ: ؎

مرغ چشم من کہ پروازش بجز سوئے تو نیست
بستہ ام از اشک صد جا نامۂ شوقش ببال

ترجمہ: میری آنکھ کے پرندے کو تیری جانب کے سوا اور کہیں پرواز نہیں۔ اسی لیے میں نے شوق سے اس کے ہر بال میں عریضہ باندھ دیا ہے۔

مسئلہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ انڈے نکالنے اور بچے حاصل کرنے اور صرف انس اور خطوط پہنچانے کے لیے کبوتر پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ: کبوتروں سے کھیلنا اور اڑانا اور دوڑانا، بعض فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، اس لیے کہ کبوتروں سے جنگ میں خطوط پہنچانے کا کام لیا جاتا ہے، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ کبوتر پالنا اور اپنے گھروں میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: کبوتروں کے ساتھ جُوا قمار کھیلنا مکروہ ہے اور ایسے شخص کی گواہی ناقابل قبول ہے۔

ہجرت کے واقعہ کا باقی حصّہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام کو نہ پایا، شہر کا کونہ کونہ چھان ڈالا، انہیں الٹا اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تو سراغ رسانوں کا سہارا ڈھونڈا۔ یعنی ایسے لوگ بلوائے جو قدموں کی رفتار سے جانے والوں کا پتہ چلاتے ہیں۔ آپ کے قدموں سے علقمہ بن کرز نے خبر دی کہ حضور علیہ السلام کا جانا غارِ ثور تک ثابت ہوتا ہے اس کے بعد نہ معلوم کہاں تشریف لے گئے۔ (یہ علقمہ بن کرز فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

فائدہ: حضور علیہ السلام شثن الکفین والقدمین تھے۔ شثن ششنت کفہ ششنا و ششونۃ بمعنی خشنت وغلظت فھو ششن الاصابع بالفتح۔ (کذا فی القاموس) مکہ کے نوجوان پُرجوش تھے، لکڑیاں کلہاڑیاں اٹھا کر ادھر ادھر گشت لگا رہے تھے اور کہتے جہاں بھی (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) مل گئے انہیں (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے گا۔ ہر وادی ہر پہاڑی، ہر غار کو جھانک کر اور نہایت غور وخوض سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ غارِ ثور کے منہ پر پہنچے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ غار کے اندر ہوں گے۔ امیہ بن خلف نے کہا کہ اس میں کیسے جا سکتے ہیں جب کہ اس کے منہ پر مکڑی نے تانا تنا ہے اور میں اس غار کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے اسی طرح دیکھتا چلا آ رہا ہوں۔ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا تانا کب بچ سکتا تھا اور نہ ہی کبوتری کے انڈے باقی رہتے۔ غار کے گرد گھومنے والوں کو دیکھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خاطر گھبرائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ یَقُوْلُ یہ دوسرا بدل یا دوسری ظرف ہے یعنی جب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لِصَاحِبِہٖ اپنے ساتھی سے۔ اس سے بالاتفاق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

ردِّ شیعہ: تمام امت کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کا منکر کافر ہے، اس لیے کہ وہ کلامِ الٰہی

کا انکار کرتا ہے۔

مسئلہ: روافض اسی لیے کافر ہیں کہ وہ شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) انہیں لعنتی اور کافر کہتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان پر فضیلت دینا بدعتِ سیئہ ہے۔

مسئلہ: بدعتِ سیئہ گناہِ کبیرہ ہے۔ (کذا فی ہدیۃ المھدیین)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گریہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام و تابعین کی جماعت سے فرمایا کہ تم میں کوئی سورۂ توبہ پڑھ کر سنائے۔ ایک شخص نے کہا میں سناتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سورۂ توبہ پڑھنا شروع کی۔ جب "اذیقول لصاحبہ" تک وہ شخص پہنچا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا:

بخدا لصاحبہ سے یہی بندۂ عاجز مراد ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ اور غم نہ کھائیے۔

سوال: آپ نے لا تخف کیوں نہ فرمایا؟

جواب: خوف کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ خائف پہلے اپنے نفس کا خیال رکھتا ہے پھر دوسرے کا۔ اور حزن میں اپنا تصور دل سے ختم ہو جاتا ہے جب اس سے دوسرا مطلوب ہو۔

ردِّ شیعہ: شیعہ شنیعہ سمجھتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے ناراض ہوا تو حضور علیہ السلام نے اسے غصے سے فرمایا: لا تحزن۔

ایک جواب تو ہم نے پہلے عرض کر دیا کہ لا تحزن میں جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا تصور نہیں تھا تو پھر ناراضگی کیسی۔ دوسرا حضور علیہ السلام نے لا تحزن فرما کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مانوس فرمایا اور اسے خوشخبری سے نوازا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ولا یحزنک قولھم فرما کر مانوس فرمایا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بہت بلند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس طرح تسلیاں اور خوشخبریاں سنائیں جیسے انہیں ان کا رب تعالیٰ حزن و ملال کے وقت تسلیاں و خوشخبریاں سناتا ہے۔ تیسرا اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نیکی سمجھ کر حزن و ملال کر رہے تھے تو حضور علیہ السلام کا روکنا بے سود ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم نیکی سے روکتے نہیں بلکہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی غم اور حزن تھا نہیں اس لیے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے لیے غم اور حزن نہیں کر رہے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر رہے تھے اسی لیے ماننا پڑا کہ یہ نہی انس اور بشارت کی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی معنیٰ بنتا ہی نہیں۔ (کذا فی انسان العیون) إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہی ہماری مدد فرمائے گا اور وہی ہمیں بچائے گا۔

ف: یہاں معیت سے ایسی ولایت دوستی مراد ہے کہ جس میں حزن و ملال کا شائبہ تک نہ ہوا وہ خصوصیت جو متبوع سے تابع کو

نصیب ہوتی ہے یا وہی معیت مقصود ہے جو تابعداری سے تابع کو فضائل وکمالات حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کلیم خدا علیہ السلام پر اسی لیے ہے کہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کما قال ان اللہ معنا۔ اور کلیم علیہ السلام نے پہلے اپنا نام لیا کما قال ان معی ربی بے شک میرے ساتھ میرا رب تعالیٰ ہے۔

معجزہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تشریف فرما تھے تو کفار و مشرکین غار کے اُوپر سے اندر جھانک کر دیکھنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہُوا کہ اگر ان کمینوں نے ہمیں دیکھ لیا تو حضور علیہ السلام کو سخت تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لیے حضور علیہ السلام سے عرض کی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندۂ خدا! ڈر کاہے کا، ہم دو ہیں تو تیسرا ہمارے ساتھ ہمارا خداوند قدوس ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تسلی ہُوئی اور کافروں مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا بنا دیا کہ اگرچہ غار کے اندر جھانکتے رہے لیکن انہیں نہ حضور علیہ السلام نظر آئے اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

دوسرا معجزہ اور غار کے اندر سرکار دوعالم نے ابوبکر کو دونوں طرف سے سڑک دکھائی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اب کیا ہوگا جبکہ کفار ومشرکین سر پہ آگئے ہیں اور غار کے اوپر سے پھر رہے ہیں، اگر وہ نیچے نگاہ ڈالیں تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ اس طرح وہ ہمیں گرفتار کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوجاؤنا من ھٰھنا لذھبنا من ھٰھنا۔ اگر وہ ہمارے ہاں ادھر آئیں گے تو ہم اسی غار کے اندر سے ہی اُدھر نکل جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے غار کے اندر جس طرف اشارہ فرمایا اس طرف سے غار پھٹ گئی اور ہیں نے دیکھا کہ اس طرف ایک بڑا دریا ہے اور اس کے ساتھ کشتی پار جانے کو تیار کھڑی ہے۔ ابنِ کثیر نے کہا:

وھٰذا لیس بمنکر من القدرۃ العظیمۃ[عہ]۔ اور قدرت الٰہی سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دریا کو دیکھنا اور غار کا پھٹ جانا حق ہے[۱]۔

فضائل صدیق اور رد شیعہ زندیق آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بلند مرتبہ ثابت ہُوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہُوا کہ آپ کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جیسے غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ثانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ نصیب ہُوا ایسے ہی ازل سے عالم ارواح میں بھی آپ ثانی ہیں اس لیے کہ عالم عدم سے عالم وجود میں جب ارواح لائے گئے تو اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک کے دوسرے نمبر پر

عہ روح البیان ج ۱، ص ۹۰۳ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا۔

۱ لکن الوھابیۃ والرافضۃ قوم لا یعقلون ۱۲۔ اس لیے کہ یہ دونوں گروہ اس واقعہ کے منکر ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رُوحِ اقدس تھی۔ اسی لیے آپ ہجرت میں ثانی ہیں تو غار میں بھی ثانی، خلافت میں ثانی تو مزار میں بھی ثانی۔ اسی طرح جب میدانِ محشر کے لیے مزار شریف شق ہوگی تو صدیق اکبر حضور علیہ السلام کے ثانی، اسی طرح دخول جنت میں بھی ثانی۔ کما قال علیہ السلام:

اما انک یا ابا بکر اول من یدخل الجنۃ من امتی۔ — اے ابوبکر! قیامت میں تم میرے ساتھ میری امت سے سب سے پہلے بہشت میں داخل ہو۔

خصوصی جلوہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر سے فرمایا:

الا ابشرک قال بلیٰ بابی انت وامی قال ان اللہ عزوجل یتجلی للخلائق یوم القیٰمۃ و یتجلی لک خاصۃ۔ — اے ابوبکر! میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں، قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جلوہ دکھائے گا لیکن تجھے خاص جلوہ سے نوازے گا۔

غار میں صدیق اکبر کو بہشتی شرابًا طہورا مروی ہے کہ غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ غار سے باہر جائیے وہاں سے پی لیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں ایسا پانی نوش فرمایا جو شہد سے زیادہ میٹھا اور دودھ سے سفید تر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہار جنت کے مدبر فرشتہ سے فرمایا کہ جنت الفردوس سے ایک نہر کھود کر غار کے کنارے تک پہنچا دو تاکہ میرے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پی کر بجھائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا اتنا مرتبہ ہے۔ حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تیرے سا بغض وکینہ رکھنے والا بہشت میں ہرگز نہیں جائے گا، اگرچہ اس کے اعمالِ صالحہ ستر انبیاء علیہم السلام کے برابر ہوں[ل]۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ پس اللہ تعالیٰ نے سکینہ اتاری۔

ف: سکینہ ہر وہ خصوصی چین کہ جس سے قلوب کو اطمینان و قرار نصیب ہوتا ہے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے وہ رحمت مراد ہے جس سے قلوب آرام اور چین پاتے ہیں۔ عَلَیْہِ حضور علیہ السلام پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ایسی رحمت نازل فرمائی کہ جس سے خوف کا معمولی شائبہ بھی آپ کے دل میں نہ رہا۔ یا اس سے حضرت ابوبکر مراد ہیں۔ اور صحیح تر یہی ہے، اس لیے کہ خوف اور حزن و ملال تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تھا ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت

[ل] اس سے شیعہ گروہ کو سوچنا لازم ہے کہ محض مرثیہ خوانوں اور ذاکروں کے کہے اور غلط تواریخ کے من گھڑت حوالوں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت کر کے اپنا بیڑا غرق کرتے ہیں ۱۲۔

اطمینان و قرار تھا ۔ اسی دوسرے قول کی طرف حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا: ؎

خواجۂ اول کہ اول یار اوست

ثانی اثنین اذ ھما فی الغار است

ترجمہ: سید اولیں کا یار بھی اس کا پہلا خلیفہ ہے ۔ ثانی اثنین اذہما انہی کے حق میں ہے ۔

چوں سکینہ شد ز حق منزل برو

گشت مشکلہائے عالم حل برو

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل ہوئی تو ان کی تمام مشکلیں حل ہوگئیں ۔

سعدی چلپی المفتی نے فرمایا کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ السلام ہیں ۔ اور یہی موزوں تر ہے ۔ اور یہ ضروری نہیں کہ نزول سکینہ صرف حزن و ملال کی وجہ سے بلکہ مزید اطمینان و سکون کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ سکینہ کا مورد صرف اپنے حبیب علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے اور فاء تعقیب ذکری کے لیے ہے ۔

ف: مصحف حفصہ میں "فانزل اللہ سکینتہ علیہما" ہے (لیکن قرآن مجید مصاحف کا نام نہیں بلکہ اصل لوحِ محفوظ کے مطابق کا نام قرآن مجید ہے ۔ اسی لیے ہم شیعہ کے مصاحف فاطمہ و مصاحف علی کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم مصاحف ابن مسعود و حفصہ وغیرہم کے قائل ہیں ۔

وَاَیَّدَہٗ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تقویت بخشی ۔ **بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا** ایسے لشکر سے جسے تم دیکھ نہیں سکتے تھے ۔ اس سے وُہ ملائکہ کرام مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کی مدد کے لیے بدر، احزاب اور حنین میں تشریف لائے تاکہ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ ہو ۔ اس کا عطف نصرہ اللہ پر ہے ۔ **وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ط** اور کافروں کے کلمہ کو نیچے کرے یعنی شرک کو قیامت یعنی ابدالآباد تک مقہور و مغلوب کرے ۔ یا کلمۂ سفلیٰ سے کفار کی دعوت کفر مراد ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعوت کفر کو ذلیل و خوار فرمانے ۔ **وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ** اس سے توحید کا کلمہ یا دعوت الی الاسلام مراد ہے اور یہ مرفوع بالابتداء ہے یعنی اور اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید یا دعوتِ اسلام ۔ **ھِیَ** ضمیر فصل کی ہے دفع توہم کے لیے لائی گئی وہ وہم یہ تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کلمۃ اللہ کے علاوہ اور کوئی کلمہ بھی بلند و بالا ہوگا ۔ ضمیر فصل میں چونکہ حصر کے لیے ہوتی ہے اسی لیے اب وُہ وہم دفع ہوگیا ۔ **الْعُلْیَا** بلند ہے ۔ یعنی ابدالآباد تک یہ مبتدا کی خبر ہے اور کلمۂ توحید کو اس طرح بلند فرمایا کہ کافروں سے ہی نبی علیہ السلام کو اپنے کلمۂ توحید کے اعلان کے لیے مبعوث فرمایا ۔

ف: یعقوب قاری نے کلمۃ اللہ کو منصوب پڑھا ہے اس کا عطف کلمۃ الذین پر ڈالا ہے لیکن اس کا یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس سے ثابت ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ پہلے نیچے تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بلند فرمایا حالانکہ یہ بالکل

غلط ہے اس لیے کہ اس کا کلمہ ابتداءً ہی بلند ہے کسی کے بلند کرنے سے بلند نہیں ہوا۔

مسئلہ: مناظرات المکی میں ہے کہ اگر کوئی مدا "وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللّٰہ" پڑھ کر وقف کرکے اسے کلمۃ اللہ ھی العلیاء سے نہ ملائے تو وہ کافر ہوجائے گا۔

وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور اہلِ توحید کو غالب فرماتا ہے حَکِیْمٌ ○ اپنے امور اور اپنی جملہ تدابیر اور تمام احکامات میں حکمت والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ اہل کفر کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے اور اسے ان کی ذلت و خواری کی حکمت معلوم ہے۔

رابط: غزوۂ تبوک کے درمیان واقعہ غار کو ذکر کرنے میں جہاد سے نفرت و کراہت کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت نہیں کروگے تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں اس لیے کہ میں خود احکم الحاکمین ان کا حامی و مددگار ہوں۔ مثلاً جبکہ ہجرت کے وقت ایک فرد بھی ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا اور پھر قریشِ مکہ کا ایک ایک فرد ان کی جان کا پیاسا ہوگیا تھا لیکن میں نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں سے انہیں بچاکر بامن وسلامت مدینہ طیبہ پہنچایا۔ فتح و نصرت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں جس کو کوئی مدد ملتی ہے تو وہ میری طرف سے ہوتی ہے۔ اسہ

یاری از وے جوئے نہ ز خیل و سپاہ — راز با من گوی نے با امیر و شاہ

ہر کرا یاری کنم بر تر شود — ہر کرا دور افگنم ابتر شود

ترجمہ: مدد سپاہ و لشکر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے تلاش کرو۔ اپنے راز بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ امیر و بادشاہ کو نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام یاریاں برباد ہوجاتی ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے دور فرمادے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

غارِ ثور کے بعد کیا ہوا جب قریشِ مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش سے عاجز ہوئے تو گرد و نواح میں بہت بڑے ظالم خونخوار آدمیوں کو مقرر کرکے اعلان کیا کہ جو بھی کوئی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرکے یا انہیں قید کرکے لائے تو منہ مانگا انعام پائے یعنی اسے ایک سو اونٹنی، ایک روایت میں دو سو اونٹنیاں دی جائیں گی۔ ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور شریف میں تین راتیں بسر کرکے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور عبد اللہ بن ابی بکر اس وقت چھوٹے تھے۔ دن کو مکہ میں رہتے، رات کو حضور علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوکر مکہ والوں کے حالات سناتے، پھر اندھیرے میں نکل کر صبح سویرے مکہ معظمہ پہنچ جاتے۔ مشرکوں کو ایسے محسوس ہوتا کہ گویا وہ رات کو اپنے گھر پر رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکریاں چراتا تھا۔ رات کے وقت ان بکریوں کا دودھ دوہ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پہنچاتا تھا اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کو کھانا پکاکر پہنچاتی تھیں۔ جب مکمل تین راتیں ختم ہوئیں تو جس

عبداللہ کو مزدوری کے لیے مقرر فرما کر آئے تھے وہ صبح سویرے دونوں اُونٹنیاں لے کر حاضر ہو گیا اور دونوں حضرات اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے ان کے ساتھ حضرت فہیرہ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہو گئے۔ اس روانگی کے وقت "وقل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا" نازل ہُوئی۔

فائدہ: حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت میں مدخل صدق سے مدینہ طیبہ اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ، اور سلطانا نصیرا سے انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

مکہ معظمہ حضور علیہ السلام کی جدائی سے رو پڑا مروی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہُوئے تو حضور علیہ السلام کی جدائی سے مکہ معظمہ کی در و دیوار کی چیخیں نکل گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کے شہر کو مخاطب ہو کر فرمایا: بخدا میں تجھ سے ہرگز جدا نہ ہوتا مجھے تیرے مکینوں نے یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بخدا اے مکہ! تو مجھے تمام شہروں سے محبوب ترین اور مکرم ترین ہے۔ اگر مجھے مکہ والے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔

مسئلہ: اسی روایت کو لے کر محدثین نے فیصلہ فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ تمام شہروں سے افضل ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مکہ کی گرمی پر گھڑی بھر صبر کیا تو اس سے سو سال کی مسافت تک جہنم کی آگ دُور رہے گی اور مکہ معظمہ کی ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

شانِ رسالت کی ایک جھلک زمین کے جس حصہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر آرام فرما ہے وہ تمام مکانات یہاں تک کہ عرش معلیٰ اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام سے یہی حصہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس لحاظ سے یہ ٹکڑا بھی درحقیقت مکہ مکرمہ (کعبہ اقدس) کا ہے۔

سراقہ کو زمین نے نگل لیا جب سراقہ بن مالک بن جعشم الکنانی نے سُنا کہ جو شخص حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے یا انہیں قید کر کے لائے اسے ایک سو اُونٹ انعام ملے گا۔ وہ لالچ سے حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں چل نکلا، یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو ساحل کے کنارے پا لیا اور دُور سے للکار کر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آج آپ کو میری گرفت سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے میرا رب جبار واحد قہار بچائے گا۔ اندریں اثناء حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ کے تابع فرما دیا ہے آپ اسے جو حکم دیں گے وہ بجا لائے گی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو نگل لے۔ زمین نے سراقہ کو

گھوڑے سمیت گھٹنوں تک نگل لیا۔ اس پر سراقہ نے حضور علیہ السلام سے امان چاہی۔ آپ نے زمین سے فرمایا کہ سراقہ کو چھوڑ دے۔ چنانچہ زمین نے سراقہ کو اچھلا۔ بعض روایات میں ہے کہ سراقہ کے ساتھ اسی طرح سات بار ہوا کہ جب وہ معاہدہ توڑتا تو زمین اسے پکڑ لیتی۔ جب وُہ پناہ مانگتا تو اسے چھوڑ دیتی۔ جب ساتویں بار اس نے صدقِ دل سے توبہ کی تو گھر کو لوٹا اور اسے جو کافر بھی حضور علیہ السلام کی طلب کے لیے ملتا اسے واپس کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے خوب چھان بین کی مجھے اس راستہ پر کوئی نہیں ملا۔ ہجرت کے تفصیلی واقعات کتبِ سیر میں موجود ہیں۔

اِنْفِرُوْا اے مومنو! غزوۂ تبوک کی طرف حضور علیہ السلام کے ساتھ چلو۔

ف: تاج المصادر میں ہے النفیر والنفور یعنے سفر کے لیے باہر جانا۔

خِفَافًا وَّ ثِقَالًا خفیف وثقیل ہو کر یعنے درانحالیکہ تم نوجوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا غنی، سوار ہو یا پیدل، تندرست ہو یا مریض، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، محض اعلانِ جنگ سنتے ہی جلد تر تیار ہو کر نکلنے والے یا سوچ بچار کے بعد جنگی ہتھیار تیار ہیں یا نہیں، سامانِ جنگ تھوڑا ہے یا بہت، زیادہ خوش ہو کر یا غمگین ہو کر تمہارے لیے جنگ پر جانا آسانی ہے یا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ مشاغل میں مصروف ہو یا غیر مصروف، کمزور ہو یا موٹے تازے، قوی ہو یا ضعیف، گھر بار والے ہو یا یک سر دو گوش۔

ف: اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہر معاملہ بالمقابل کا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غزوہ تبوک پر جانے کی ہر اہل اسلام کو تاکید تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالسعود نے فرمایا کہ اے مسلمانو! جس حال میں ہو غزوۂ تبوک کو جاؤ۔ دولت مندی کی تخصیص نہیں، ہر امیر غریب جائے۔ تندرستی کی بھی تخصیص نہیں، ہر تندرست اور بیمار جائے۔ اور نہ ہی فارغ البال کی تخصیص ہے کوئی یک سر دو گوش ہے یا کوئی عیال دار اور کنبہ دار ہے تو بھی جائے۔ اسبابِ جنگ حاصل ہیں یا نہیں، ہر حالت میں جانا پڑے گا۔

ف: یہ حکم سنکر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کیا میں بھی جنگ پر چلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تم بھی چلو۔ گھر واپس آئے تو جنگ کا کوئی سامان بھی میسر نہ آیا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تاکہ سامان کے نہ ہونے کی معذرت کریں۔ یہ ابھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، لیس علی الاعمی حرج۔ نابینا پر کوئی حرج نہیں اگر وہ جنگ پر نہ جائیں تو۔

قاعدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت ہذا لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ (الآیہ) سے منسوخ ہے۔

سُلمیؒ نے فرمایا کہ خفافا سے عبادت میں چست چالاک اور ثقالا سے عبادت سے جی چرانے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرتؒ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خفافا سے بند شہود ماسوی اللہ سے آزاد حضرات۔ اور ثقالا سے قیدِ تعلقات سے مقید لوگ مراد ہیں۔

بحر الحقائق میں ہے کہ انفروا اے طالبانِ حق! حق کی طلب میں چلو۔ خفافا علائق اولاد و اہل سے مجرد اور عوائق املاک و اموال سے منقطع ہوکر، وثقالا اور متمول (اہل مال) متاہل (اہل عیال والے) ہوکر۔

نیز خفافا مجذوبین بالعنایۃ ہوکر و ثقالا اور سالکین بالہدایۃ ہوکر۔ یعنی خفاف سے وہ مجذوب مراد ہیں جو راہِ سلوک پر عنایت الٰہی کی کشش سے چلتے ہیں اور ثقال سے وہ سالک مراد ہے جو پرورشِ حق سے جذبۂ حقانی کی طرف متوجہ ہے اور یہ دونوں حضرات ابھی راستہ طے کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا کشش کے پر دان سے اڑ رہا ہے دوسرا مشاہدہ ما سوی اللہ کے ساتھ پرواز کر رہا ہے۔ ؎

مرد عارف چوں بداں مے پرد   در دمے از نہ فلک مے بگذرد
سیر زاہد در دمے یک روزہ راہ   سیر عارف ہر زماں تا بہ تخت شاہ

ترجمہ، عارف مرد جب حق کی طرف پرواز کرتا ہے وہ نو آسمانوں سے بھی گزر جاتا ہے زاہد کی پرواز ایک دن کی راہ کے برابر ہوتی ہے اور عارف کی سیر ایک آن میں بادشاہ کے تخت تک ہوتی ہے۔

وَجَاهِدُوْا اور جہاد کرو۔ جہاد اصطلاح شریعت میں دین کو مضبوط کرنے کے لیے کفار کو قتل کرنا۔ کذا فی شرح الترغیب للمنذری خالصۃ الحقائق میں لکھا ہے کہ اہل حکمت کہتے ہیں اپنی جد وجہد کو صرف کرنا اور سرکشوں کو قتل کرنا صرف اس لیے کہ وہ اسلام قبول کریں اور اصنام پرستی سے باز آجائیں۔

اعدائے اسلام کے اوہام کا ازالہ بعض کیمونسٹ اور دشمنانِ اسلام جہاد کو رحمتِ نبوی کے منافی قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد سے روکتے ہیں، حالانکہ جہاد رحمتِ نبوی کے عین مطابق ہے اس لیے کہ جہاد کا حکم ارحم الراحمین رب کریم کا حکم ہے اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کریم کے حکم کی تعمیل فرماتے ہیں۔ نیز اُمم سابقہ جب اپنے نبی علیہ السلام کے خلاف چلتے تو فوراً عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجاتے بخلاف ہمارے رحمۃ للعالمین نبی کریم علیہ السلام کے کہ آپ نے اپنے مخالفین کو صرف تلوار کا ڈر سنایا تو بہت سے خوش قسمت کفر کی لعنت سے بچ کر اسلام کی آغوش رحمت میں آگئے امم سابقہ مخالفتِ نبوت پر فوراً تباہ و برباد ہوئیں بخلاف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کہ اسے بجائے نیست و نابود کرنے کے اسلام کی دعوت دی گئی اور اسے تلوار کا ڈر سنایا گیا اگر قبول کر لیا تو زندگی کے مزے بھی لیے اور مرنے کے بعد آخرت کی دائمی نعمتوں سے بھی اسے نوازا گیا۔ یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کا صدقہ ہے۔ یہی جواب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عربوں کو پہلے کئی سال سمجھا گئے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بعض اہلِ عرب نے آپ سے سوال کیا کہ افنانا السیف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی تلوار نے ہمیں فنا کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا: ذلك ابقی لاٰخرکم یہ تلوار تو تمہاری بقا کے لیے ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں سے یعنی وہ مال جس سے تم جہاد کا زادِ راہ اور ہتھیار خریدو۔ وَاَنْفُسِكُمْ اور اپنے نفسوں سے

یعنی وہ پیاری جانیں تم راہِ حق میں قربان کر دلیعنی جہاد ان دونوں سے ہو۔ اگر دونوں ناممکن ہوں تو ان میں سے ایک سے یعنی مال یا جان سے۔ یعنی جو جنگ میں مال اور جان دونوں خرچ کرے تو یہی طریقہ افضل و اعلیٰ ہے۔ ورنہ اگر مال ہے تو مال خرچ کرو، ورنہ جان دے دو۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اموال کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ نفوس کو راہِ حق میں صرف کرے۔ لیکن اس میں صفات مذمومہ موجود ہوں تو ایسے نفوس راہِ حق میں قربان کرنے کے لائق نہیں۔ مثلاً نفوس میں دنیا کی حرص اور بخل باقی ہو تو وہ نفوس راہِ حق میں قربان ہوئے تو کیا فائدہ۔ اسی لیے اموال کی تقدیم میں اشارہ فرمایا ہے کہ پہلے نفوس کے صفات مذمومہ کو مٹاؤ۔ اور وہ یہی ہے کہ اموال کو راہِ حق میں لٹا کر پورے تارک الدنیا ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے تعس عبد الدینار و عبد الدرھم۔ تعس بفتح العین وکسرہا بمعنے عثر او ھلك ولزمہ الشر او سقط لوجھہ او انتکب اس سے بد دعا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دراہم و دنانیر کے پجاری کو تباہ و برباد کرے وہ اس لیے کہ اسے حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر دنیا و دولت کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کرنے سے جی چراتا ہے اور ایسا انسان متاع دنیا فانی کا عاشق اور آخرت کی نعمتوں کے حصول سے دور بھاگنے والا ہوتا ہے

حضرت سلطان ولد قدس سرہٗ نے فرمایا ؛ شعر

بگذار جہاں را کہ جہان آں تو نیست ویں دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست

گر مال جہاں جمع کنی شاد مشو ور تکیہ بجان کنی جان تو آں نیست

ترجمہ ؛ جہان دنیا کو ترک کر دے کہ یہ جہانِ دنیا تیرا نہیں بلکہ یہ سانس جو تیرے سینہ سے نکل رہا ہے یہ بھی تیرے ہاتھ میں نہیں۔

تمام جہان کا مال جمع کر کے خوش نہ ہو اگر اپنی جان پر سہارا کرتا ہے تو غلط ہے اس لیے کہ یہ جان تیرے قبضے میں نہیں۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ لفظ عام ہے۔ ہر وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے، اور اس سے تقرب الی اللہ مقصود ہو وہ فرائض ہوں یا نوافل اسی طرح کے اور عبادات کے انواع کی ادائیگی کو فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا اکثر اطلاق جہاد پر ہوتا ہے۔ پھر جہاد پر کثرتِ استعمال کی وجہ سے فی سبیل اللہ کا اطلاق صرف جہاد پر مقصود ہوتا ہے۔ (کذا فی شرح الترغیب)

ف ؛ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ بمعنی وہ راستہ جو موصل الی الجنۃ و القربۃ والرضیٰ ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں کسی قسم کا لالچ اور غرض نہ ہو نہ دنیوی نہ اخروی یہاں تک دخول بہشت کا تصور بھی نہ ہو۔ (کذا فی المفاتیح۔)

حکایت حضرت یوسف بن اسباط جو متقدمین صوفیاً سے ہیں اُن سے کسی نے سوال کیا کہ میرا نفس کے ساتھ جنگ پہ جانے کا جھگڑا چل رہا ہے میں چاہتا ہُوں کہ جنگ پہ جاؤں لیکن نفس روکتا ہُوں۔ آپ نے اسے کہا کہ نفس کی خواہش پُوری نہ کرنا جنگ پہ جانے سے افضل ہے خواہ جنگ پہ جاکر کسی کو قتل کر دیا شہید ہو جاؤ یعنی جنگ پہ جاؤ یا نہ جاؤ لیکن نفس کی خواہشات کو دباؤ۔

حکایت منقول ہے کہ قتیبہ بن مسلم جب بخارا کو فتح کرنے کے لیے دریائے جیحوں کے قریب پہنچا تو کفار نے کشتیاں اڑا لیں تاکہ مسلمان ان پر سوار ہو کر دریا کو عبور کر کے انہیں شکست نہ دے قتیبہ دریا کے کنارے ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے: اے الٰہ العلمین! اگر میں تیری رضا اور تیرے دین کے اعزاز کے لیے آیا ہُوں تو مجھے اس دریا میں غرق نہ کرنا۔ اگر اس کے برعکس میرا ارادہ ہو تو مجھے اس دریا میں غرق کر دے یہ کہہ کر اپنی سواری دریا میں ڈال دی اس کے پیچھے اس کا لشکر بھی دریا میں لیکن بفضلہ تعالیٰ بسلامت وعافیت دریا کے کنارے پہنچے۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نے ابلیس کو دیکھا کہ اس کا جسم نہایت کمزور، رنگ زرد اور آنکھیں رونے سے سُوجی ہوئی، اور پیٹھ ٹیڑھی، اس نے شیطان سے وجہ پُوچھی تو اس نے کہا کہ جب غازیوں کے گھوڑے جنگ پہ جاتے ہُوئے ہنہناتے ہیں تو اس سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے حالانکہ میں چاہتا تھا ان سواریوں اور سواروں کو میں اپنے کام میں لگاتا لیکن وہ اسلام کے کام آئے۔ اس غم سے میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے اور میرا رنگ زرد لوگوں کے دینی امور میں ایک دوسرے کی معاونت کے غم سے ہے۔ حالانکہ مجھے ان سے امید تھی کہ وہ میرے کہنے پر برائیوں پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے لیکن اس کے بجائے وہ نیکیوں میں مصروف ہیں، ان کے اس طریقۂ کار سے مجھے درد ہے، اس لیے بدن کا رنگ زرد ہو گیا ہے اور آنکھیں رو رو کر اسی لیے سُوج گئی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجاج حج کرنے جا رہے ہیں اور اس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ میرے لیے یہ سودا مہنگا پڑے گا حالانکہ میرا ارادہ تھا کہ میں ان کو گندے عزائم میں پھنسا کر ان کا سودا سستا کر دوں گا لیکن وہ نیک نصیب والے ہیں، اسی لیے میں نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا دی ہیں۔

حدیث شریف: صحیحین میں ہے حضرت ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ افضل الناس کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ مُومن جو اپنے نفس و مال سے جہاد کرتا ہے۔ عرض کیا گیا: اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا: نیکی کا کوئی ایک شعبہ مثلاً اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے ڈرائے۔

ذٰلِكُمْ وہ مذکورہ بالا حکم یعنی جہاد اور اس کی تیاری **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لیے جنگ پہ جانے سے جہاد بہتر ہے۔

سوال: خیر افعل التفضیل کا صیغہ ہے: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ جہاد جائز ہے۔ حالانکہ ظاہر ترکِ جہاد گناہ ہے۔

جواب: اس حکم میں خیریت مطلوب نہیں بلکہ جزا و ثواب مطلوب ہے یعنی ترکِ جہاد راحت و استراحت اور آرام و عیش حاصل ہوگا۔ اس سے آخرت کا ثواب اور بہشت کی نعمتیں افضل و برتر ہیں۔ (کذا فی البحر)

نیز دنیا میں بہتری نصیب ہوگی کہ جہاد سے دشمنوں پر غلبہ اور فتح و نصرت کے علاوہ مالِ غنیمت اور دشمنوں کے شہروں پر قبضہ بھی حاصل ہوگا، علاوہ ازیں آخرت کا اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی (کذا قال سعد الچلپی)

اور ترکِ جہاد میں صرف راحت اور وہ مذکورہ بالا جہاد کی خیریت سے کم درجہ پر ہے ان کنتم تعلمون اگر تم جانتے ہو کہ جہاد میں خیر ہی خیر ہے۔ اس لیے کہ اس میں دارین کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور ترکِ جہاد کے مفاسد سب کو معلوم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں ہے کہ طلب حق میں تمہارے لیے نفس اور دنیا سے تمہارے لیے ترکِ دنیا اور نفس کو قربان کرنا بہتر ہے اگر تم طلبِ حق کی قدر و منزلت جانتے ہو اور اگر تمہیں معلوم ہے کہ سیر الی اللہ کے کیا فائدے ہیں تو تم جہادِ نفس اور ترکِ دنیا کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ اس لیے کہ طلبِ مال و نفس میں وبال اور گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں اور طلبِ حق میں وصل و وصال نصیب ہوتا ہے۔

صحابی کے جذبۂ جہاد کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ نے سورۂ براۃ پڑھی جب آیت انفروا خفافا وثقالا پر پہنچے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے لیے جنگی سامان تیار کر دو میں جنگ پہ جاتا ہوں۔ سب نے عرض کی کہ آپ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ لڑیں یہاں تک کہ ان کا وصال ہوا ان کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں ہر اسلامی جنگ میں شریک رہے اب بھی آپ کا جہاد سے جی نہیں بھرا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اب آپ آرام فرمائیے ہم آپ کی طرف سے جنگ پہ جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوطلحہ نے فرمایا: جلدی کرو، میرے لیے جنگی سامان تیار کرو، میں جنگ پر ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ آپ تیار ہو کر جنگ پر چلے گئے اور دریا میں فوت ہو گئے۔ چونکہ دریائی سفر میں کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جہاں انہیں دفن کیا جائے۔ سات دن بلا دفن رہے مگر آپ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر یا بدبو نہ ہوئی۔ سات دن کے بعد مدفون ہوئے۔ (کذا فی زبدۃ التفاسیر)

حیٰوۃ الانبیاء والاولیاء کے منکرین کے منہ پر طمانچہ روح البیان دو صدی پہلے کی تفسیر ہے لیکن موجودہ دور کے مسئلہ کو واضح فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

وذلك لان اجساد الانبياء والاولياء والشهداء لا تبلى ولا تتغير لما ان الله تعالیٰ	انبیاء، اولیاء، شہداء کے اجسام طاہرہ زمین میں متبدل و متغیر نہیں ہوتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجساد طاہر

قد نقی ابدانھم من العفونۃ الموجبۃ للتفسخ و برکۃ الروح المقدس الی البدن کالاکسیر۔

کو عفونت سے پاک فرمایا جس کی وجہ سے وہ اجسام نہیں پھٹتے اور ان کے ابدان میں ان کی روح اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

فائدہ: لوگ دو قسم کے ہیں:

۱۔ صاحبِ رخصت

۲۔ صاحبِ عزیمت۔ اور یہ صاحبِ عزیمت ہر نیکی میں سبقت و سرعت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اسے سالک تم انھی صاحبانِ عزیمت کے طریقہ پر چلو۔

فائدہ صوفیانہ: آیت کریمہ میں تنبیہ ہے کہ نفس شرارتی ہے اسی لیے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ اس لیے کہ نفس ہمیشہ مال کی محبت میں گرفتار رہتا ہے اور مال خرچ کرنے سے اس کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ تمام گندی عادات سے پاک اور صاف ہوجاتا ہے جسے یقین ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ اور دولت مندی اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر یقین رکھتا ہے اور اس پر مال خرچ کرنا بھی آسان ہوتا ہے اور وہ مال بقدرِ ضرورت اپنے پاس رکھ کر باقی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے جیسے کسی کو معلوم ہو کہ میں عنقریب مرجاؤں گا تو وہ اپنی دولت اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ اسے خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ظاہر ہے موت کا ایک وقت ہے، وقت سے پہلے کسی کو موت نہیں آئے گی اس لیے سمجھدار دشمنانِ اسلام کے مقابلہ سے نہیں بھاگتا اور نہ ہی مال خرچ کرنے سے ڈرتا ہے۔

مسئلہ: مال ضرورت کے لیے محفوظ رکھنا جائز ہے اور ضرورت سے زائد مال جمع کرنا اور ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن عمر کا غلام حضرت نافع جو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہم کے استاذ مکرم بھی تھے بوقت فوتید گی ایک جگہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اسے کھودو۔ اسے کھودا گیا تو وہاں سے بیس ہزار درہم ایک بند گھڑے میں ملے۔ آپ نے فرمایا: میرے جنازہ سے فراغت پاکر یہی بیس ہزار درہم کسی مفلس فقیر کو دے دینا۔ عرض کی گئی: یا حضرت! یہ دراہم آپ نے کیوں چھپا کے رکھ چھوڑے تھے؟ آپ نے فرمایا: اسی تنگ وقت کے لیے میں نے چھپائے تھے جبکہ میرے اوپر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوئی اور زندگی بھر اہل و عیال کے حقوق بھی پورے کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنی خواہش کو پورا نہ کیا، بلکہ جب کسی چیز کے لیے میرا نفس کچھ مطالبہ کرتا تھا تو میں اتنی مقدار اس گھڑے میں رکھ چھوڑتا تھا اس ارادہ پر کہ اگر ضرورت شدید محسوس ہو تو کہیں سے سوال نہ کرنا پڑے۔ (کذا فی شرح الشہاب)

فوائد و مسائل: اس حکایت سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ دینی مقتدائے امت کو لائق نہیں کہ وہ کسی حرص یا طمع و لالچ کے پیشِ نظر دنیا و دولت جمع کرے، اس لیے کہ "الناس علی دین ملوکھم" کا مقولہ مشہور ہے اور مقتدایانِ امت بھی بمنزلہ بادشاہوں کے ہوتے ہیں اسی لیے صوفیۂ کرام

(باقی بر صفحہ ۲۱۷)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَ
سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ (٤٢) عَفَا اللَّهُ عَنكَ ۚ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ
تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ (٤٣) لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (٤٤) إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ (٤٥) وَلَوْ أَرَادُوا
الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ
الْقَاعِدِينَ (٤٦) لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ
الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (٤٧) لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ
مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ (٤٨) وَ
مِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ
لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (٤٩)

ترجمہ: اگر کوئی قریبی مال یا درمیانہ سفر ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ چلتے لیکن ان پر تو مشقت بھرا رستہ دور دراز محسوس ہوا اور عنقریب اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہمیں جانی مالی قوت ہوتی تو ضرور ہم تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک وہ لوگ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے آپ نے انہیں کیوں اجازت دی جب تک آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹے لوگوں کو معلوم کر لیتے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے میں آپ سے رخصت نہیں مانگیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ اور آپ سے وہ لوگ رخصت مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑ گئے اور وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔ اور اگر وہ لوگ جنگ پہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ تو ساز و سامان تیار کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اپنے گھروں سے اٹھنا ہی ناپسند ہوا تو ان میں کاہلی بھر دی اور کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ لوگ تمہارے ہمراہ شامل ہو کر جنگ پہ نکلتے تو وہ تمہیں سوائے نقصان کے اور کچھ نہ بڑھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ و فساد برپا کرنے کی فکر میں دوڑے پھرتے اور تمہارے میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے بیشک انہوں نے پہلے سے ہی فتنہ پردازی کا ارادہ کیا ہوا تھا اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر

کرتے رہے یہاں تک کہ حق آیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہُوا اور یہ ان کو ناگوار تھا اور بعض ان میں ایسے ہیں جو آپ سے عرض کرتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ سُن لو کہ بے شک وہ فتنہ میں پڑ چکے اور آخرت (میں) بیشک جہنم کافروں کو گھیر لے گی۔

فرماتے ہیں کہ جس پیر و مرشد میں دنیا و دولت جمع کرنے کا شوق ہو اس کا مرید نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ صوفیاء کرام کا مسلم قاعدہ ہے کہ دنیا و دولت سے پیار رکھنے والے کو کبھی دیدار نصیب نہیں ہوتا۔

۲۔ جسے نفس کی خواہش کا غلبہ ہو وہ اس کے خلاف مال و دولت خرچ کرنے کے بجائے کسی کارِ خیر میں مال و دولت خرچ کرے تو وہی حقیقی مجاہد بالنفس والطبیعت ہے نفس سے تو اس لیے کہ اس کی طلب کا مال اس سے روک کر کسی کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کیا اور طبیعت سے اس لیے کہ جو وہ چاہتی تھی اس کے برعکس معاملہ کر دیا۔ اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں جہادِ اکبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۳۔ کمینے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنا دیانت مذموم ہے شرعاً بھی اور طریقۃً بھی۔ اسی لیے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو لیکن اپنی محتاجی کو بتائے بغیر رجوع الی اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سال بھر رزق کی کشادگی فرماتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شکایۃ الحبیب الی الحبیب عن التوحید والی غیرہ شرک۔ محب اگر محبوب کو شکایت سُنائے تو یہ عین توحید ہے اگر غیر کو بتانے تو صوفیاء کے نزدیک عین شرک ہے اور شرک کی جتنی وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ اسی کو لائق ہوں گی۔

سبق: دانا وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کے طریقے پر چلتا ہے اس لیے انہوں نے مال و دولت حاصل کرنے کے بجائے راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کر دیں اس لیے وہی حق کے قریب تر تھے اگر مکمل طور ان کے طریقے نصیب نہیں ہو سکتے تو جتنا ہو سکے عمل میں لائے۔ "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" یعنی بزرگوں کا فرمان ہے کہ کل شے کا حصول ناممکن ہے تو سالم کو بھی ترک نہ کرنا چاہیے۔

قاعدہ: شریعت نے بھی طاعت کا حکم اتنی مقدار پہ دیا ہے جتنی انسان کی طاقت ہے۔ اس سے زاید کا حکم نہیں دیا۔ اور یہی حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں طاعتِ حق میں جان و مال خرچ کرنے کی توفیق بخشے اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے نہ دیجائے۔ بلکہ اپنی جناب تک پہنچنے کے اسباب بنائے کیونکہ ہمارا اصلی مطلوب و مقصود وہی ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

شانِ نزول: منقول ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو اصحاب کے تین گروہ ہو گئے۔ اصحاب کبار مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو حکم سنتے ہی جنگ کے لیے فوراً حاضر ہو گئے۔ ضعیف و کمزور ایمان والے لوگ پس و پیش کرنے لگے اور منافقین نے صراحۃً انکار کرتے ہوئے جنگ پہ جانے سے معذرت چاہی اور غیر معقول اعذار کئے۔ اس آخری گروہ یعنی منافقین کے حق میں یہ آیت نازل

ہوئی، لَوْ كَانَ یعنی اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جس کے لیے آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں اگر ہوتا اس معنی پر کان کا اسم محذوف ہے اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے عَرَضًا قَرِيبًا عرض بمعنٰی اسباب دنیا کے منافع جو انسان کو حاصل ہوں یعنی اگر مالِ غنیمت قریب اور آسان طریقہ سے حاصل ہونے والا ہوتا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا قاصد بمعنٰی ذوقصد یعنی وہ درمیانی شے جو قریب و لبعید کے مابین واقع ہو اس تقریر پر قاصد بمعنٰی ذو قصد ہے جیسے لابن بمعنٰی ذولبن اور تامر بمعنٰی ذوتمر اور سفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ سفر بمعنٰی کشف اور سفر انسان کے اخلاق و عادات کو ظاہر کرتا ہے یعنی اور اگر ان کا سفر درمیانہ ہوتا لَّاتَّبَعُوْكَ تو وہ جنگ کے لیے آپ کی اتباع کرتے صرف مال کے لالچ و لالچ میں منافقین کی اتباع کو دونوں امروں سے متعلق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اتباع کا عدم تحقق وجوہ بالا کے فقدان کی وجہ سے ہے وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ط لیکن چونکہ ان کی مسافت پُرمشقت ہے اسی لیے جنگ سے کترا رہے ہیں وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ یہ سین استقبالیہ ہے یعنی جب آپ جنگ سے فراغت پاکر واپس تشریف لائیں گے تو یہی لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے چنانچہ منافقین نے ویسے کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے خبر دی۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فهو من جملة المعجزات النبويه" پس یہ بھی نبی علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ ہے کہ قبل از وقوع آپ نے منافقین کا حال بتا دیا[1]۔

لَوِاسْتَطَعْنَا یعنی جھوٹی قسمیں کھانے کے بعد کہیں گے کہ اگر ہمارے ہاں جنگ کے اسباب یا ہمیں صحت و عافیت یا دونوں یعنی اسبابِ جنگ اور صحت و عافیت میسر ہوتی لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ج تو ہم آپ کے ساتھ جنگ کے لیے چل پڑتے باللہ، سیحلفون کے متعلق ہے لخرجنا معکم قسم کا جواب اور شرط کی جزاء ہر دو کے قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ لواستطعنا سے قسم کا مفہوم خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ج یہ سیحلفون باللہ سے بدل ہے، اس لیے کہ جو بھی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے وہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی قسمیں علاقہ جات کو ویران کر دیتی ہیں۔

ف: حدیث مذکور میں لفظ بلاقع واقع ہوا ہے وہ بلقع کی جمع ہے اور بلقعہ ہر وہ زمین جو نہایت ویران اور غیر آباد ہو۔ اسی طرح البلقعہ ہر اس عورت کو کہا جاتا ہے جس میں خیر و برکت بالکل نہ ہو یعنی جو شخص دنیا اور مال کے اضافہ کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہے یا اپنے مرتبہ کو بحال رکھنے کے لیے۔ تو اسے ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑے گا کہ نہ اس کے پاس مال باقی رہے گا اور نہ ہی جاہ و جلال۔ اس وجہ سے وہ خود ذلیل و تباہ اور اس کی دار بھی خراب و ویران اور برباد۔

---

[1] لیکن وہابیوں دیوبندیوں کے تعصب و نبوت دشمنی کا کمال ہے کہ اس آیت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے عفا الله عنك پیش کر کے عوام کو بہکاتے ہیں۔ اس کی تفصیل آتی ہے۔

حدیث شریف : جھوٹی قسم مال واسباب کو بظاہر رواج اور چالو بنا دیتی ہے وہ بھی قسم کھانے والے کے اندازہ کے مطابق ورنہ اور کاروبار کی برکات کو ختم کرنے والی ہے یعنی جو کچھ کمائے گا وہ تا دیر نہیں رہے گا اور جو کچھ خرچ کرے گا اسے اس کا اخروی نفع نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی دنیوی نفع کی اسے برکت حاصل ہوگی اگر اس کے پاس وہ با اس کا نفع باقی بھی رہے گا یا اس کے ورثاد کو ملے گا تو وہ مال حرام کا ہوگا اور حرام کا مال ہر طرح سے مذموم وغیر محمود ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ○ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک وہ منافقین جھوٹے ہیں - یعنی اس دعویٰ میں کہ کہا تھا کہ اگر ہمیں جنگ پہ جانے کی استطاعت ہوتی۔ حالانکہ انہیں جنگ پہ جانے کے ہر قسم کے اسباب میسر تھے اور دنیوی فارغ البالی کے علاوہ تندرست بھی تھے لیکن نہ گئے، صرف اسی لیے کہ ان کے دل کے اندر منافقت کی بیماری ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ - لم اور لهم کی لام اذنت کے متعلق ہیں اور یہ دونوں لام معناً بھی

تفسیر عالمانہ مختلف ہیں مثلاً پہلی تعلیل اور دوسری تبلیغ کے لیے ہے اور ھُمْ ضمیر مجرور تمام مستأذنین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے انہیں جنگ پہ نہ جانے کی کیوں اجازت دے دی جبکہ انہوں نے آپ کو نہ جانے کے لیے مختلف علتیں اور معذرتیں کیں۔

سوال : لوکان عرضا قریبا وسفرا قاصدا الاتبعوک سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض افراد نے جنگ کے معاملہ میں حضور علیہ السلام کی اتباع سے روگردانی کی اس لیے کہ لو کا قاعدہ ہے کہ بوجہ انتفائے جواب کی نفی سے شرط کی نفی ہو جاتی ہے اور عفا اللہ عنک الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا جنگ پہ نہ جانا حضور علیہ السلام کی اجازت سے ہوا۔ اور یہ غلطی گویا (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تبھی تو اللہ تعالیٰ نے عفا اللہ عنک فرمایا، اور خطاء عصمت نبوت کے منافی ہے۔

جواب : حضور علیہ السلام کا منافقین کو جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشنا از قبیل خطا نہیں اور اسے خطا کہنا خود خطا میں مبتلا ہونا ہے یا اسے گناہ سے تعبیر کرنا خود بڑا گناہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے ترکِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں اور خلافِ اولیٰ شرعاً گناہ یا خطا نہیں وہ اس طرح کہ منافقین کو اجازت بخشنے کے بجائے حضور علیہ السلام کو تاخیر و توقف کرنا چاہیے تھا تاکہ منافقین کا معاملہ زیادہ منکشف اور واضح ہو جاتا۔

فائدہ : لم اذنت لھم عفو کا بیان ہے جس کا عفا اللہ عنک میں اشارہ ہے۔

نکتہ : عفا اللہ عنک کی تقدیم میں لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیغفر اللہ ما تقدم وما تاخر کی خوشخبری سے نوازا تو عفا اللہ عنک میں اس کی تصدیق و توثیق فرمائی اب مطلب واضح ہو گیا کہ اے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نے منافقین کو اجازت بخش کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب فرمایا ہے جسے عوام دو ہابی وغیرہ عتاب یا غلطی سے تعبیر کرتے ہیں تو کیا ہوا آپ تسلی فرمائیے کہ جب میں نے آپ سے پہلے وعدہ کر رکھا ہے

کہ آپ کے گزشتہ اور آیندہ امور اگرچہ خلاف اولیٰ ہوں تمام بخش دیے ہیں۔

ردِّ وہابیہ و دیوبند

وہابی، مودودی، دیوبندی یہ آیت پڑھ کر عوام کو بہکاتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا ہے، جھڑک دی ہے۔ (معاذاللہ)

صاحبِ رُوح البیان ان کی اس غلطی کا ازالہ صدیوں پہلے فرما گئے کما قال،

وقوله لم اذنت لهم ما كان على وجه العتاب حقيقة بل كان على اظهار لطفه به وكمال رافته فى حقه۔ (كذا فى التاويلات النجميه)

لم اذنت لهم بطور عتاب نہیں بلکہ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال شفقت و محبت کا اظہار فرمایا ہے۔

اور فرمایا:

قال سفيان بن عيينه انظروا الى هذا اللطف بداء بالعفو قبل ذكر العفو ولقد اخطاء واساء الادب وبئسما فعل فيما قال وكتب من[1] زعم الكلام كناية عن الجناية وان معناه اخطاءت وبئسما فعلت كذا فى الارشاد۔

(روح البیان ص ۹۰۷ ج ۱ تحت آیت ہذا)

سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ لطف و کرم فرمایا کہ خطا کے اظہار کے بغیر عفو کا اظہار فرمایا اور اس شخص سے بہت غلطی ہوئی جو لکھتا ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا گیا ہے۔

اور فرمایا:

ويجوز ان يكون انشاء كما قال الكاشفى فى تفسيره عفا الله عنك دعا له است حق سبحانہ وتعالیٰ پیغمبر خود را می فرماید کہ عفو کناد از تو خدائے و عادت مردم می باشد کہ دعا کند کسے را بعفو و رحمت ومغفرت بے وقوع خطائے از وے چنانچہ مثلاً تشنہ را

ممکن ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہو جیسا کہ کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ عفا اللہ عنک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشفقانہ طور پر دعا دی ہے لوگوں کی عام عادت ہے کہ جرم و قصور کے صدور کے بغیر دعائیں دیتے ہیں مثلاً کسی کو کوئی پانی

---

[1] اس زعم سے مراد صاحبِ روح البیان نے دَور کے لوگوں کے علاوہ دورِ حاضر کے وہابی، دیوبندی، مودودی، پرویزی اور چکڑالوی وغیرہ وغیرہ بھی ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ السلام کو جھڑکا ہے۔ ۱۲

آب دہد و او در جواب می گوید غفر اللہ لک یا در جواب عاطس می گوید یرحمك الله۔ (ایضاً)

پلاٹے تو وہ اسے کہتا ہے غفر اللہ لک۔ اسی طرح چھینک دینے والے کو کہا جاتا ہے یرحمك الله۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حوالہ جات لکھ کر آخر میں تحریر فرمایا کہ:

صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ

اقول ولقد اصاب فی تفسیرہ و اجاد فی تقریرہ فان خطاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسہوہ ونسیانہ لیس من قبیل خطاء الامۃ وسہوھم ونسیانہم فالاولی التأدب ان یسکت عالیشین بحالہ او لا یلیق بکمالہ۔ [1] (ایضاً)

بہترین قول وہ ہے جس نے لکھا کہ نبوت کے خطاء و نسیان کو امت کے خطاء و نسیان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اسی لیے ہمیں ایسے مقامات پہ خاموش رہنا بہتر ہے۔

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا یہاں تک کہ تمہارے لیے سچے لوگوں کے حالات پورے طور پر واضح ہو جاتے جبکہ انہوں نے مالی یا بدنی یا دونوں کی کمزوری کا عذر پیش کیا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ ○ اور جھوٹے لوگوں کو بھی جان لیتے کہ ان کا عذر مذکور غلط اور سراسر جھوٹ ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا دونوں گروہوں کا معاملہ اسی طرح فرماتے جس طرح کے وُہ مستحق ہیں۔

ف: خلاف اولیٰ کے بعد اب اولیٰ و افضل کا ذکر فرمایا۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین وغیرہ کی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت بخشی کے بجائے توقف فرمانا آپ کے لیے اولیٰ و افضل تھا اور حتّٰی کا متعلق محذوف ہے جیسا کہ اس پر کلام مذکور دلالت کرتا ہے۔ یہ عبارت دراصل یُوں تھی لما سارعت الی الاذن لہم وھلا اخرتھم وتأنیت الی ان تبین الامر وینجلی او لیتبین کما ھو قضیۃ الجرم۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ان کی اجازت بخشی میں کیوں جلدی فرمائی آپ اس معاملہ میں دیر فرماتے، یہاں تک کہ معاملہ خود بخود کھل جاتا یا یہاں تک کہ ان کے جُرم کا ماجرا خود بخود منکشف ہو جاتا۔

ف: اس تقریر پر حتّٰی بمعنے الیٰ یا بمعنے لام ہے۔ لفظ حتّٰی کا تعلق اذنت سے نہیں اس لیے کہ ان کے اذن کا موجب یہی غایۃ ہوگی اور ان کا اذن تبین کے لیے تھا اور یہ دونوں امر عتاب کے موجب نہیں اور کلام سے عتاب یعنے اظہار خلاف اولیٰ مطلوب ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ جو دنیا اور اس کی زینت کا طالب ہے تو اسے دنیا کے اسباب وافر در وافر بلکہ ہر شئے

---

[1] یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے اور اسلام نبوت کے آداب سکھاتا ہے نہ کہ نبوت پر حرف گیری اور کفار کی طرح اعتراضات۔

فراوان حاصل ہوگی اور جو طالبِ حق اور وصالِ الٰہی کا عاشق ہے تو اسے پہلے تو دنیوی اسباب راس نہیں آئیں گے۔ اگر کچھ میسر ہوں گے تو نہایت تنگ اور بہت تھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

حفت الجنۃ بمکروھاتنا

حفت النیران من شھواتنا

ترجمہ: بہشت کو دُکھ اور درد محیط ہیں اور دوزخ کو شہواتِ نفس و دنیا گھیرے ہوئے ہیں۔

یعنی جنت ان اعمال کی ادائیگی پر موقوف رکھی گئی ہے جن کی ادائیگی سے ہمارے نفوس کو مکروہ یعنی گراں محسوس ہوتی ہیں اور جہنم ان امور پر واجب کر دی گئی ہے جو ہمارے نفوس کو محبوب و مرغوب ہیں اور ظاہر ہے کہ محبوب و مرغوب اشیاء کا حصول انکے چھوڑنے سے آسان نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لوگ ہزاروں روپے ضایع کر کے بھی جہنم میں داخل ہو رہے ہیں لیکن ایک درم دے کر بہشت کا داخلہ قبول نہیں کرتے۔

فائدہ: آیت اخیرہ میں اشارہ ہے کہ جملہ امور میں سوچ بچار ضروری ہے یعنی کام سے پہلے سوچنا لازمی ہے۔

حدیث شریف [۱]: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ کام کرنے سے پہلے تدبر ضروری ہے اگر تدبر کے بعد اس کا نتیجہ اچھا نکلے تو اس پر عمل کرو اگر اس کا انجام غلط محسوس ہو تو اسے چھوڑ دینا لازمی ہے اس لیے کہ عجلت شیطان کی صفت ہے۔

حدیث شریف [۲]: مروی ہے کہ شیطان نے جب آدم علیہ السلام کا مٹی کا ڈھانچہ دیکھا جبکہ ابھی اس میں رُوح نہ پھونکا گیا تھا، تو عجلت کرتے ہوئے کہا کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر افضل اور بہتر بنایا تو میں اس کی اطاعت نہیں کروں گا۔ اگر مجھے اس پر افضل و برتر بنایا گیا تو میں اسے ذلیل و خوار کروں گا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کے ڈھانچے میں روح پھونکی گئی اور ملائکہ اور ابلیس کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو ابلیس نے عجلت کرتے ہوئے عداوت کا اظہار کر کے سجدہ سے انکار کر دیا اور ساتھ اپنا عزم بھی ظاہر کر دیا کہ میں آدم علیہ السلام کو ہلاک کروں گا۔ اس میں اسے تدبر کرنا ضروری تھا اور انجام پر نظر رکھ کر توقف کے بعد اسے یقین ہو جاتا کہ سجدۂ آدم میں اس کا فائدہ ہے۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ تدبر کے بعد عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں چھ دن لگانے میں بھی یہی حکمت ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام کائنات کو پیدا فرما دیتا۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنے ہر امر میں تدبر و تفکر کرے اور وہ افضل و برتر فعل پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے زندگی بھر اس کا یہی معمول رہتا ہے وہ اس لیے کہ ان متعلفین (منافقین) میں اس کا اندراج نہ ہو۔

ملفوظ حضرت شقیق حضرت شقیق بلخی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ بخشا ہے تو صرف جہاد کی برکت سے جو شخص اپنے زمانہ میں جہاد میں کسی حیثیت سے حصہ لیتا ہے تو گویا اس نے اپنے سے

پہلے تمام مجاہدین کے جہاد میں شرکت حاصل کی اگر وُہ اپنے زمانہ میں جہاد کے کسی شعبہ سے محروم رہا تو وہ گویا متخلفین (منافقین) میں شامل ہو گیا یاد رہے کہ جہاد سے سستی اور غفلت ہر وُہ شخص کرتا ہے جس کے بدن میں طبعی غفلت کا غلبہ ہو اور جس کی روحانیت تازہ ہو وُہ جہاد میں چستی اور چالاکی دکھاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر گرانی و کسل خود از تنست

جان ز خفت جملہ در پر بدنست

ترجمہ: یہ سستی و کاہلی بدن کی روح کی خفت بدن کی خرابی سے ہوتی ہے۔

اے اللہ! دینی امور کی سستی سے ہمیں بچا بلکہ ان کی ادائیگی میں ہماری مدد فرما۔ اس لیے کہ تو ہمارا ہر کام میں مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ آپ سے وُہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اس بارہ میں کہ وُہ اپنے اموال اور نفوس جہاد میں صرف کریں بلکہ ان کے مخلصین بلا توقف اذن سے پہلے ہی جان کی بازی لگا دیتے ہیں وہ تو جنگ پہ نہ جانے کی اجازت کا نام تک نہیں لیتے اور دوسروں کا اجازت طلب کرنا نہ صرف ان کے ایمان کی ضعف کی دلیل ہے بلکہ ایسے لوگوں کی منافقت کا بیّن ثبوت ہے۔

قاعدہ: جیسے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت کی طلب بے ایمانی کو علت بنایا گیا ہے ایسے ہی اجازت نہ طلب کرنا ایمان خالص کی علت بن سکتی ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ کسی حکم کو کسی وصف سے معلق کرنا اسی وصف کو اسی حکم کی علت بناتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جانتا ہے یعنی اہل ایمان کے مخلصانہ طور جنگ کی تیاری پر اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا جنگ کے لیے ہر وقت مستعد ہونا ان کے متقین ہونے کی علت ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ بے شک جنگ پہ نہ جانے کی اجازت آپ سے وہ لوگ طلب کرتے ہیں الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

فائدہ: جنگ پہ نہ جانا دورِ نبوت میں منافقت کی علامت بن گئی تھی[1]۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جنگ پہ جانے کے لیے انتالیس مردوں نے اجازت طلب کی تھی۔

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے دل شک میں ہیں اس کا عطف صلہ یعنی لا یؤمنون الخ پر ہے اور ماضی کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں بدمذہبی کی ایک علامت ہوا کرتی ہے جیسے آجکل "یارسول اللہ"، گیارھویں شریف، اعراس و دیگر مسائل معروفہ کا انکار وہابیت، دیوبندیت، نجدیت کی علامت بن گیا ہے۔

صیغہ میں اشارہ ہے کہ ان کے دل میں ریب (شک) راسخ ہو چکا ہے۔

فائدہ: الریب ھو اضطراب القلب ——— قلب کے اضطراب کو ریب سے تعبیر کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ ضروریاتِ دین میں شک و ریب کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔

فَهُمْ پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ فِيْ رَيْبِهِمْ شک میں (جو ان کے قلوب میں راسخ ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ حیران پھرتے ہیں۔ تردد متحیر کی عادت ہوتی ہے، جیسے ثابت قدمی دانشمند کی عادت ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منافقین نے جنگ پر نہ جانے میں معذرت کے طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا جنگ پر جانے کا ارادہ تو تھا لیکن ہم جنگ کی تیاری نہیں کر سکے۔ اب جنگ پر جانے کا وقت قریب ہے اس لیے ہمارے لیے ناممکن ہو گیا کہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پر چل سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ منافقین غزوۂ تبوک کی جنگ پر دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے تو لَاَعَدُّوْا لَهٗ وقت پر نہ نکلنے کے لیے تیاری کر لیتے۔ عُدَّةً سامان مثلاً زادِ راہ اور ہتھیار اور دیگر وہ اشیاء جو سفر کے لیے ضرورت پڑتی ہیں وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تیاری سے کراہت کی، یعنی جنگ پر چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے متعلق نہیں تھا اس لیے کہ ان کا جنگ پر چلنا بجائے خود صد مفاسد کو متضمن تھا۔ الانبعاث بمعنی برانگیختہ شدن۔ (کذا فی تاج المصادر) لفظ لٰکن جملہ متقدمہ سے استدراک کے لیے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر لفظ لٰکن محض تاکید کے لیے ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی چلپی) فَثَبَّطَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں سستی اور بزدلی میں گرفتار فرمایا اسی لیے جنگ سے سستی کر کے اس کی تیاری نہ کر سکے التثبیط صرف الانسان عن الفعل الذی یھم بہ انسان کا اس فعل سے ارادہ بدل لینا کہ جس کا پہلے اسے ارادہ تھا اسے عربی میں "تثبیط" سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ اور انہیں کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یعنی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھو جن کے لیے عموماً گھروں میں بیٹھنا ضروری ہے جیسے لنجے لنگڑے، مریض، اندھے، عورتیں اور بچے۔

ف: اس میں جنگ پر نہ جانے کی معذرت کرنے والوں کی مذمت اور "انفروا خفافا و ثقالا" کی کھلی مخالفت کا بیان ہے۔ اسی بنا پر مفسرین نے کہا کہ یہ مضمون بطور تشبیہ و تمثیل ہے مثلاً امر آمر کے بعد ان کے دلوں میں کراہت ڈالے جانے کو گھروں میں بیٹھنے والوں کے بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے اس کے بعد ان کے جنگ پر جانے کی خود اللہ تعالیٰ نے کراہت کی وجہ بیان فرمائی کہ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ اگر تمہارے ساتھ ان کا جنگ کے لیے خروج ہوتا۔ یعنی وہ جنگ پر تمہارے ساتھ مل کر چلتے۔ مَّا زَادُوْكُمْ تو تمہارے میں نہ بڑھاتے یعنی تمہیں کسی شے کا وارث بنا کر نہ چھوڑتے۔ اِلَّا خَبَالًا مگر شر اور فساد کو مثلاً بزدل ہو جانا اور کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈرانا اور اہل ایمان کی باتیں سن کر کفار کو جا کر بتانا (یعنی چغلخوری کرنا) ... نے درمیان میں فساد برپا کرنا اور ایک دوسرے کو لڑانا ان کے بعض کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور ان کے بعض کو

گھٹیا ظاہر کرنا تاکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا کر دیں اس سے دوسرے لوگ بھی جنگ پہ نہ جا سکیں اس طرح سے وہ دین کو ضعف پہنچاتے۔

ف : عام الاعم یعنی الشیٔ سے مستثنیٰ مفرغ ہے۔

بعض شیعہ الزام لگاتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام بھی منافقین کے ہمنوا ہونا چاہتے تھے۔ شیعوں کا یہ الزام غلط ہے

ردِّ شیعہ اس لیے کہ صحابہ کرام میں کسی ایک کو بھی یہ خیال فاسد نہ ہوا اور نہ ان سے شر و فساد کی توقع کی جا سکتی ہے البتہ لفظ زیادہ سے مطلوب وہی منافقین ہیں جو ایک دوسرے کے شر و فساد کے اضافہ کے سبب بنتے تھے۔ یہ استثنا بھی اعم العام سے ہے نہ بایں معنی کہ وہی قبائح و منکرات جو ان میں تھے ان سے استثناء ہے۔ اس طرح سے استثنا الشیٔ عن الشیٔ لازم آتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس جنگ میں منافقین بکثرت تھے اور ان میں اپنے ایمان اور اسلامی امور میں تو شک تھا ہی اس لیے کہ اگر وہ جنگ کے لیے نکلتے بھی تو موجب صد شر و فساد ہوتا۔

وَلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ اور البتہ وہ کوشش کرتے اور عداوت بر انگیختہ کرنے میں عجلت کرتے یا ایسے اسباب بناتے جس سے شکست لازماً ہوتی۔

حل لغات : اَلْاِیْضَاعُ بمعنے تَهْیِیْجُ الْمَرْكُوْبِ وَحَمْلُهٗ عَلَى الْاِسْرَاعِ سواری کو برانگیختہ کرنا اور اسے تیز دوڑنے پر ابھارنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے وضع البعیر وضعا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ تیز دوڑے۔ اور کہا جاتا ہے اوضعته انا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو تیز دوڑنے کے لیے برانگیختہ کرے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ وہ تمہارے مابین سواریوں کے دوڑانے میں عجلت کرتے ہیں۔ مرکانتکم لاوضعوا کا مفعول محذوف ہے اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ وہ منافقین تمہارے ساتھ جنگ پہ چلتے تو تمہاری باتیں کفار کو پہنچانے میں جد و جہد کرتے اور انہیں جنگ میں سوائے چغلخوری کے اور کوئی کام نہ ہوتا اور انہیں سواریوں کی تیز رفتاری سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ چلنے والے سے سوار تیزی سے کام کرتا ہے اور الخلال خلل کی جمع ہے بمعنی الفرجه یعنی دو چیزوں کے درمیان کا سوراخ، جسے ہم نے بینکم سے تعبیر کیا ہے اور وہ لاوضعوا کے مفعول فیہ (ظرف) ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ج یہ اوضعو کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ تمہارے لیے فتنہ کی طلب کرتے یعنی یہی لوگ کلمۂ حق کے افتراق کے موجب بنتے وَفِیْكُمْ اور تمہارے درمیان ہیں سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ط ان کے چغلخور جو تمہاری باتیں سن کر انہیں جا کر سناتے ہیں اس معنے پر لام تعلیل کی ہوگی یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے وہ لوگ کمزور دل والے ہیں کہ منافقین کی باتیں سن کر ان کی اطاعت کرتے اس معنے پر لام عمل کی تقویت کے لیے ہے اس لیے کہ یہ عامل یعنے سَمّٰعُوْن عمل میں اصل نہیں بلکہ فرع ہے جیسے فعال لما یرید میں لام تقویت عمل کے لیے ہے وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ

ظالموں کو خوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے۔ وہ ہر ایک کے ظواہر و بواطن کو خوب جانتا ہے اور اسے ہر ایک کے ماضی اور حال و مستقبل کے احوال و افعال و اعمال کو جانتا ہے۔ یہ جملہ سمّٰعون و قاعدون دونوں گروہوں کو شامل ہے۔ لَقَدِ ابْتَغَوُا البتہ بے شک منافقین نے طلب کیا ہے الْفِتْنَةَ فتنہ، یعنی منافقین چاہتے ہیں کہ جملہ حالات بگڑ جائیں اور آپ کے اصحاب سے علیحدہ ہو جائیں مِنْ قَبْلُ اس غزوہ تبوک سے پہلے یعنی انہوں نے غزوہ احد میں اسی طرح کا کردار ادا کیا چنانچہ عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین اپنے تین سو ساتھیوں کو ورغلا کر جنگِ اُحد سے بھاگ نکلا تھا۔ اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سات سو خالص مومن مجاہد باقی رہ گئے تھے۔ اور یہی ابی بن سلول غزوۂ تبوک میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روانگی کے بعد اپنے ساتھیوں سمیت مقام ذی جدہ سے لوٹا تھا۔ یہ ثنیۃ الوداع (وادی) کی نچلی جانب واقع ہے اسی طرح خندق میں بھی انہوں نے یہی کھیل کھیلا تھا، چنانچہ انہوں نے بیانگِ دہل اعلان کیا:

یا اھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا۔ اے یثرب والو! جنگ سے واپس چلو کیونکہ کفار کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے۔

ایسے ہی لیلۃ العقبہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام کی اونٹنی کے پاؤں میں کوئی شے پھینکی جس سے اونٹنی ڈر گئی، یہاں تک کہ حضور علیہ السلام اونٹنی سے گرنے کے قریب ہو گئے۔ لیلۃ العقبہ میں ثنیۃ الوداع کے موقعہ پر بارہ منافقین نے حضور علیہ السلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مطلع فرمادیا۔ اس طرح سے حضور علیہ السلام ان کی شرارت سے محفوظ ہو گئے۔

ف: الفتك بمعنٰی ان یاتی الرجل علی صاحبه وهو غار غافل حتی لیشتد علیه فیقتله، یعنی کسی کے ساتھ غفلت میں دھوکے کا کوئی طریقہ بنا کر پھر اسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ (تقلیب الامر) بمعنٰی تعریفه الی وجه وتردیده لاجل التدبیر والاجتهاد فی المکر والحیلة یعنی مکر و فریب اور دھوکہ دہی کے لیے کسی شے کو پھیرنا۔ اسی لیے ہر وہ شخص جو مکر و فریب کا ماہر ہو اس کے لیے اہلِ عرب کہتے ہیں: حوّل قلب۔ دل پھیرا۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ منافقین نے آپ کے لیے طرح طرح کے حیلے کر کے آپ کے امورِ دینیہ مٹانے کی قسم و قسم کی آرا زنی کی۔

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ یہاں تک کہ حق یعنی نصرت و تائید الٰہی آئی۔ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا امر ظاہر ہوا، یعنی اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہوا اور اس کی شرافت بلند ہوئی۔ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○ حالانکہ منافقین دین کی سربلندی اور نصرت الٰہی آپ کے لیے نہیں چاہتے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس لیے منافقین کا نہ چاہنا نقصان دہ نہ ہوا۔ سہ

چوں ترا اندر حریمِ قربِ خود رہ دادہ شاہ ‎ ‎ از تغیر پردہ دار و طعن دربان غم مخور

ترجمہ: جب تجھے اپنے حریم خاص نے اللہ تعالیٰ نے جگہ دی دشمن کی دشمنی اور دربان کی زجر سے غم نہ کھا۔
سبق: آیت میں منافقین کی مذمت و مذلت کی گئی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہر زمانہ میں مخلصین و منافقین ہوتے ہیں، اور دونوں مل کر گزارتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن جس کی نیت نیک اور ارادہ سچا ہوتا ہے تو وہ تمام اہلِ ہوا اور اہلِ ریاء سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اس لیے غیر جنس کی صحبت سے دینی امور میں تشویش اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے، بلکہ اہلِ یقین کے عزائم میں ایسی صحبتوں سے سستی ہوجاتی ہے اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ اپنے غیر جنسوں کی صحبتوں سے دُور بھاگے ان کے قریب بیٹھنا تو درکنار، انہیں دیکھنا بھی گناہِ عظیم سمجھے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

چوں بہ بندی تو سر کوزہ تہی ۔۔۔ درمیان حوض و یا جوئی تہی
تاقیامت آں فرود آید بہ پست ۔۔۔ کہ دلش خالیست در وے بادہست
میل بادش چوں سوئے بالا بود ۔۔۔ ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد
باز آں جانہا کہ جنس انبیاء ست ۔۔۔ سوئے ایشاں کش کش چوں سایہ ہاست
جاں ہامان جاذب قبطی شدہ ۔۔۔ جان موسٰی جاذب سبطی شدہ
معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب ۔۔۔ معدۂ آدم جذوب گندم آب

ترجمہ: جب تم کوزے کا سر بند کر کے حوض اور دریا میں ڈالو تو وہ قیامت تک خالی رہے گا بلکہ اسے اٹھا کرو گے تو اسے خالی پاؤ گے اور وہ اس خالی ہونے کی وجہ سے جتنا ڈبوؤ گے اُوپر کو اُبھرے گا، ہاں جن کی رُوحیں انبیاء علیہم السلام سے تعلق رکھتی ہیں تو وہ ان کے پیچھے سایہ کی طرح لگی رہتی ہیں۔ ہامان کی رُوح نے قبطی کو کھینچ لیا اور موسٰی علیہ السلام کی روح نے سبطی کو اپنے ساتھ ملایا۔ گدھے کا معدہ گندگی چاہتا ہے، آدم علیہ السلام کا معدہ گندم نفیس شے چاہتا ہے۔

چغلخور کی مذمت آیت میں چغلخور کی مذمت کی گئی ہے، چغلخوری کو عربی میں النمیمہ کہا جاتا ہے وھی کشف ما یکرہ کشفہ یعنی جس کا اظہار نہ چاہے اسے ظاہر کرنے کا نام النمیمہ (چغلخوری) ہے۔ مروی ہے کہ قبر کا تہائی عذاب چغلخوری سے ہوگا۔

ولد الزنا کی علامت حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولد الزنا بات کو نہیں چھپا سکتا۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بات سن کر بجائے پوشیدہ رکھنے کے اسے دوسروں تک فتنہ و فساد پھیلانے کی نیت سے پہنچاتا ہے تو یقین کر کہ وہ ولد الزنا ہے۔

چغلخور جہنم میں بندروں کی شکل میں حدیثِ معراج میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نے جہنم کے دارونغے سے کہا کہ مجھے جہنم دکھائیے۔ اس نے عرض کی، آپ کا کام نہیں۔ آپ نے فرمایا: کچھ تو دکھائیے اگرچہ سُوئی کے ناکہ کے برابر۔ آپ نے فرمایا: جونہی دوزخ کو میں نے دیکھا تو اس میں مجھے ایک قوم بندروں کی صورت میں نظر آئی، میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی، یہ چغلخور ہیں۔

نمام وقتات میں فرق نمام ہر وُہ شخص جو شر و فساد پھیلانے والوں کے ساتھ باتوں میں شریک ہو۔ قتات وُہ ہے جو ایسی قوم کو شر و فساد کے لیے ایسی باتیں جا کر سُنائے جس کو ان باتوں کا علم نہ ہو، لیکن جونہی اس کی باتیں سُنیں تو شر و فساد کے لیے تُل جائیں۔

چغلخور حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کے حضور میں ایک شخص حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میں نے فلاں سے آپ کی مذمت سُنی۔ آپ نے اس سے فرمایا: کب؟ اس نے کہا: آج۔ آپ نے فرمایا: کہاں؟ اس نے کہا: اس کے گھر میں۔ آپ نے فرمایا: تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟ عرض کی: اس کی مہانی تھی۔ اُس نے کیا کھلایا؟ اُس نے آٹھ کھانے گن سنائے۔ حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: اے بیوقوف! اُس نے تیرا پیٹ آٹھ کھانوں سے پُر کیا تُو نے اس کی بات بھی نہ پچائی، اُٹھ کھڑا ہو میری مجلس سے اے بدبخت[1]!

سبق: اس میں اشارہ ہے کہ چغلخوری کی دوستی اچھی نہیں اور نہ ہی اس کی بات کا اعتبار کیا جائے۔

پُر حکمت حکایت ایک حکیم کے ہاں ایک شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ فلاں آپ کی مذمت کر رہا تھا۔ حکیم نے اسے فرمایا: کاش! تُو مجھے ملنے نہ آتا، اس لیے کہ تُو نے آتے ہی تین خرابیاں پیدا کیں:

۱۔ میرے دوست کو میرا مبغوض فرمایا۔
۲۔ میرے فارغ دل کو تشویش میں ڈالا۔
۳۔ میرے سے اپنا وقار کھویا۔

(کذا فی الروضۃ والاحیاء)

سبق: آجکل ہمارے بھائیوں میں چغلخوری کی عام عادت ہے اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ زبان بند رکھے اور بُری عادات و رسوم سے بچے بلکہ تمام گناہوں سے کنارہ کشی کرے اس لیے کہ کل قیامت کو آنکھ، زبان اور کان بلکہ ہر عضو سے سوال ہوگا۔

---

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی عادت کریمہ میرے استاذ مکرم حضرت مولانا سردار احمد لائلپوری قدس سرہٗ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں بعض وہ ہیں مَّنْ يَّقُوْلُ جو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے عرض کرتے ہیں ائْذَنْ لِّيْ ہمیں غزوۂ تبوک پہ نہ جانے کی اجازت بخشیے۔ وَلَا تَفْتِنِّيْ اور ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہ فَتَنَ، يَفْتِنُ، سے مشتق ہے بمعنے اوقعه فی الفتنة یعنی فلاں نے اسے فتنہ میں ڈالا۔ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فتنه فتوا انتنه (کذا فی تاج المصادر) اور فُتُوْن و فِتْنٌ مصدر ہے بمعنی فتنہ میں ڈالنا اور فتنہ میں ہونا۔ اب آیت کا معنیٰ ہوگا کہ منافقین کہتے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیے۔ یہاں پہ فتنہ بمعنے گناہ ہے۔ اس سے منافقین کی غرض یہ تھی کہ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں اجازت دیں یا نہ دیں ہم غزوۂ تبوک کے لیے آپ کے ساتھ نہیں چل سکتے اگر ہم چلیں تو فتنہ وغیرہ میں پڑیں گے یا فتنہ بمعنے ہلاکت ہے، اب معنیٰ ہوگا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اگر آپ اپنے ساتھ لے گئے تو ہمارے اہل و عیال ہلاک ہوں گے اس لیے کہ ان کا ہمارے سوا اور کوئی سہارا نہیں۔ اَلَا خبردار جان لو فِي الْفِتْنَةِ فتنہ میں مکمل طور سَقَطُوْا گرے یعنی ان کا جنگ پہ نہ جانا ایک عظیم جرم ہے، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی، تیسرے ان کی منافقت کا کھل جانا یعنی ان کا خیال ہے کہ جنگ پہ نہ جانے سے فتنہ سے بچاؤ ہوگا حالانکہ جنگ پہ نہ جانے سے ایک نہیں متعدد فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس طرح سے وہ فتنہ سے بچنے کے بجائے متعدد فتنوں میں گرے حالانکہ ان کے لیے لازم تھا کہ جونہی جنگ کا حکم ہوتا فوراً اس کے لیے لبیک پکارتے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ اور جہنم کافروں کو محیط ہے اس کا جملہ سابقہ پر عطف اور مذکورہ بالا تنبیہ میں داخل ہے یعنی جہنم قیامت میں منافقین و کافرین کو ہر طرف سے گھیرے گی نتیجۃً یہ منافقین جہنم میں لازماً داخل ہوں گے اس لیے کہ جہنم جسے گھیرتی ہے اُسے ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے (کذا فی الحدادی) یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جہنم اب بھی کفار کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے، اس لیے کہ وہ لوگ جہنم کے تمام اسباب یعنی کفر و معاصی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ آج جہنم ان اعمال کفر و معصیت کی شکل میں متشکل ہے جو بھی ان اعمال سیئہ کا ارتکاب کرتا ہے گویا وہ جہنم کی لپیٹ میں ہے لیکن اس کا ظہور عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ کا حال ہے کہ جو اعمال صالحہ اور ایمان سے مزین ہے وہ گویا بہشت میں ہے لیکن اس کا ظہور عالمِ آخرت میں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شہید کا خون قیامت میں عطر و مشک اور کستوری میں متشکل ہوگا یعنی شہید کے خون سے مشک و کستوری کی خوشبو آئے گی۔ (کذا فی الشرع)

شانِ نزول یہ آیت جد بن قیس منافق کے حق میں نازل ہوئی جبکہ اسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے بلایا اور اسے جہاد کی رغبت دلائی اور فرمایا، اے لوگو! بنی الاصفر کی لمبے قد والی عورتیں چاہتی ہیں کہ ان میں بعض کو تم خدمت گزار اور بعض کو اپنی لونڈیاں بناؤ۔ جد بن قیس نے کہا کہ مجھے گھر رہنے دیجئے مجھے جنگ پر لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیے اس لیے کہ روم کی عورتیں حسین و جمیل ہیں اور میں ان کو دیکھ کر ان کے حسن و جمال میں مبتلا ہو جاؤں گا، قبل تقسیم ممکن ہے کہ میں ان عورتوں پہ فریفتہ ہو کر کوئی غلطی کر بیٹھوں، اس لیے کہ میں عورتوں کی محبت و عشق میں مشہور ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس کا عذر مسموع فرما کر ارشاد فرمایا میں نے تو تجھے اجازت دے دی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جد بن قیس کا عذر قبول نہیں فرمایا۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ وہ بہت بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گیا اس لیے کہ اس نے نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی ہے۔

ف: بنی الاصفر سے رومی لوگ مراد ہیں اور وہ روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اور روم کو بنی الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں روم کے بادشاہ فوت ہوتے چلے گئے ان کے خاندان میں صرف ایک عورت بچ گئی، ہر ایک چاہتا تھا کہ اس سے نکاح کرلے تاکہ روم کی بادشاہی ہاتھ آ جائے۔ اس معاملہ پر بہت بڑا شور اٹھا۔ بالآخر طے پایا کہ ایک جگہ بیٹھ جاؤ جو سب سے پہلے ہماری اس مجلس میں باہر سے آئے گا وہی ہمارا بادشاہ ہوگا اور اس شہزادی کا نکاح اس سے کر دیں گے۔ چنانچہ یہ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ یمن سے ایک شخص اپنے غلام کو لے کر روم آ رہا تھا کہ راستہ میں وہ غلام بھاگا اور رومیوں کی مجلس سے گزرا، سب نے اسے دیکھ کر کہا کہ ایک مصیبت سے چھوٹے تو دوسری میں پڑ گئے۔ اب فیصلے سے پھرنا اچھا نہیں۔ اسی شہزادی کا نکاح اسی حبشی سیاہ کالے غلام سے کر دیا گیا۔ اسی غلام سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اصفر رکھا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد اس غلام کا مالک تلاش کرتا ہوا آیا تو کہا: یہ تمہارا بادشاہ میرا غلام ہے اس کے غلام نے بھی تصدیق کی۔ چونکہ رومی غلام کو اپنا بادشاہ بنا چکے تھے اس لیے انہیں اس کے مالک کو راضی کرنا پڑا، اور وہ راضی ہو گیا۔ اور انہیں بنو الاصفر سے بھی اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ اس حبشی اور شہزادی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ رنگ کا زرد تھا اس لیے کہ شہزادی سفید اور اس کا شوہر سیاہ رنگ کا تھا، ان دونوں کی وجہ سے بچہ درمیانے رنگ کا یعنی زرد پیدا ہوا۔

ف: بعض مفسرین نے کہا کہ چونکہ ان کا دادا عیصو بن اسحاق علیہ السلام پیلے رنگ کے تھے ان کی وجہ سے ان سب کو بنو الاصفر کہا گیا اور بعض کے نزدیک خود روم بن عیصو بن اسحاق علیہ السلام کا رنگ پیلا تھا اور اسی روم بن عیصو کی والدہ کا نام نسمۃ بنت اسماعیل علیہ السلام تھا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ سب رومی بنو الاصفر نہیں اس لیے کہ ان کے گمان پر روم اول یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام تھا۔

ف: بعض نے کہا کہ انہیں بنو الاصفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے جد روم بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا، اس سے جو لڑکا پیدا ہوا، والد کے سفید رنگ اور والدہ کے سیاہ رنگ کی وجہ سے سیاہی سفیدی کی ملاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ ایسے رنگ کو وہ اصفر سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس کی تمام اولاد کا یہی رنگ تھا۔

ف: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حبشی بادشاہ رومیوں پر غالب ہوا تو اس نے ان کی عورتوں سے (نکاح کر کے) وطی کی تو

ان کی سفیدی میں اس کی سیاہی ملی تو اس رنگ والے پیدا ہوئے تو ان کا نام بنو الاصفر پڑ گیا۔

اعجوبۂ خواب اور اس کی عجیب تعبیر کسی بزرگ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کی کہ میرا ارادہ روم میں جانے کا ہے۔ آپ نے فرمایا، الروم لا یدخلہ المعصوم۔ روم میں معصوم داخل نہیں ہوتے۔ اس سے اس بزرگ کو پریشانی ہوئی کہ گویا روم تمام فاسقوں کا ملک ہے حالانکہ یہ عقل اور تجربہ کے خلاف تھا اس لیے کہ وہاں بہت بڑے علماء ومشائخ واولیاء کرام رہتے چلے آئے اور اس وقت بھی بے شمار ایسی ہستیاں موجود تھیں۔ بڑی سوچ کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی مستقل اقامت نہیں رہی اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ تمام ابحاث انوار المشارق سے لیے گئے ہیں۔

حدیث شریف اور علم ما فی الغد صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا سوائے روم کے ملک کے۔

ف: حالانکہ اس وقت اس ملک میں کفار کی کثرت تھی۔ لیکن نگاہِ نبوت نے قیامت کے قرب تک کی خبر دے دی۔

ف: جنگ پہ نہ جانا یہ بھی انسان کے بخل کی دلیل ہے اور بخل انسان کی مذموم ترین صفت ہے۔

ملفوظ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بخل سے بچو۔ عرض کی گئی: بخل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، دنیا والوں کے نزدیک بخل مالی ہے کہ مال کو خرچ نہ کیا جائے۔ اور آخرت والوں کے نزدیک بخل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان نہ خرچ کرنا۔

قاعدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام کا قاعدہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ پہ جان دیتا ہے اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ ہدایت کے واردات وارد فرماکر اسے تقویٰ کی دولت سے نوازتا ہے اور اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اسے عقل راجح اور وقار وعلم نصیب ہوتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ جان ومال اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔ یہی جہاد اصغر واکبر ہے اسی سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے اور جُود انسان کی بہترین صفت ہے۔

بے نظیر ہمدردی کی کہانی ابی جہم بن حذیفہ نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کی جنگ میں میں اپنے چچا کی تلاش میں نکلا۔ میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا، ایک جگہ انہیں دیکھا کہ حالتِ نزع میں ہیں اور پانی پلانے سے ان کی جان بچ جانے کا امکان تھا، میں نے وہی پانی ان کے قریب کیا تو ایک طرف سے آواز آئی، العطش۔ پانی کی پیاس ہے۔ میرے چچا نے سر کے اشارے سے اسی طرف جانے کا حکم فرمایا۔ میں نے دیکھا وہ ہشام بن العاص تھے۔ میں نے ان سے عرض کی: آپ کو پانی پلاؤں۔ وہ بھی نزع میں تھے اگر پانی پلا یا جاتا تو ممکن تھا ان کی جان بچ جاتی۔ لیکن میں نے جونہی پانی پیش کیا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾

(ان آیات کی تفسیر اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ترجمہ: اگر آپ کو بھلائی پہنچے تو انہیں بُرا لگتا ہے اور اگر آپ کو مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے سے احتیاطی تدبیریں بنا لی تھیں اور خوشیاں مناتے ہوئے پھر جاتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ ہمیں صرف وہی تکلیف پہنچے گی جو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمائی ہے وہی ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ پر اہلِ ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ تم ہماری دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو اور ہم تمہارے لیے اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں عذاب پہنچائے۔ پس تم انتظار کرو۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوش ہو کر تم سے ہرگز (کوئی عمل) قبول نہ ہوگا بیشک تم فاسق لوگ ہو۔ اور ان کی خیر خیرات قبول نہ ہونے کی بندش صرف اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری سے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

؎ تو ایک کونے سے پانی مانگنے والے کی آواز آئی تو انہوں نے مجھے اس طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ میں وہاں پہنچا تو وہ پانی مانگنے والا مر چکا تھا۔ پھر واپس تمام کی طرف پانی لایا تو وہ سب فوت ہو چکے تھے بالآخر چچا کے ہاں آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔
(کذا فی خالصۃ الحقایق)

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کارِ عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس کہ ہم اپنی عمر و مال کو دوست پر قربان نہ کیا کہ عشق کی کارروائی مجھے نصیب نہ ہوئی۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنچہ بخشی بری

ترجمہ: اگرچہ قارون کا خزانہ بھی تیرے ہاتھ لگ جائے وہ تیرے کام کا نہیں بلکہ تیرے کام کا وہ مال ہے جو تُو نے راہِ خدا پہ لٹایا۔

تفسیر عالمانہ اِنْ تُصِبْكَ اگر تمہیں بعض جنگوں میں پہنچی حَسَنَةٌ فتح و نصرت اور مالِ غنیمت جیسے غزوۂ بدر میں تَسُؤْهُمْ تو انہیں بُرا لگتا ہے یعنی آپ کی فتح و نصرت سے منافقین کا دل دُکھتا ہے اور وُہ چونکہ آپ سے عداوت اور حسد رکھتے ہیں اس لیے وہ آپ کی ہر کامیابی سے غمگین و حزیں ہوتے ہیں وَاِنْ تُصِبْكَ اور آپ کو بعض غزوات میں پہنچتی ہے مُصِيْبَةٌ زخم یا کوئی اور تکلیف، جیسے غزوۂ اُحد میں ہُوا یا صحابہ کرام کا شہید ہونا اور شکست۔

ف: اس خطاب سے اہلِ ایمان مراد ہیں جیسے کہ آنے والے ضمائر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں جمع متکلم کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔

ادب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطاب اہلِ ایمان کو اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ نبی علیہ السلام کو شکست ہُوئی تو اسے توبہ لازم ہے اگر توبہ سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے اور حضور علیہ السلام ہر نقص اور عیب سے پاک ہیں ان کے لیے شکست کا کیا معنیٰ۔ اس لیے شکست وہ کھاتا ہے جو جنگی تدبیروں سے ناواقف ہو، اور حضور علیہ السلام ہر معاملہ میں بصیرتِ تامہ کے مالک تھے بلکہ آپ کے لیے ہر معاملہ عین الیقین کے درجہ پر تھا[1] اور آپ ہر غلطی سے معصوم تھے۔ (کذا فی ہدیۃ المہدیین عن القاضی عبد اللہ بن المرابط رحمہ اللہ تعالیٰ)

يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا منافقین کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے معاملات میں احتیاط سے کام لیا ہے مِنْ قَبْلُ شکست اور زخم وغیرہ کھانے سے پہلے یعنی منافقین کہتے ہیں کہ یہ ہماری دُور اندیشی کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم جنگ پہ نہیں گئے۔ ورنہ جیسے مسلمانوں کو تکالیف وغیرہ پہنچی ہیں ہم بھی ان میں مبتلا ہوتے۔ وَيَتَوَلَّوْا اور مجلس اجتماع اہل اسلام اور باصلاحیت لوگوں کی گفتگو کرنے سے کتراتے ہیں وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ اور وُہ اپنی کارکردگی مثلاً مسلمانوں سے علیحدگی اور جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہیں اور یہ جملہ یقولوا اور یتولوا کی ضمیر سے حال ہے نہ صرف یتولوا کی ضمیر سے اس لیے کہ ان کی خوشی کا تعلق دونوں فعلوں سے ہے قُلْ منافقین نے جس عقیدہ سے اپنی خوشی کا اظہار کیا ان کے عقیدہ کے بطلان کو بیان فرمایا

---

[1] یہ تھا اسلاف کا طریقہ۔ لیکن آجکل تو نبوت کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسی باتوں کو بیان کرنا عین اسلام سمجھا جا رہا ہے۔

[2] لیکن اشرف علی تھانوی نے کہا کہ دنیوی کاموں میں بعض انسان نبی علیہ السلام سے فائق ہوتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "دیوبندی بریلوی فرق" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

گیا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ لَنْ يُّصِيْبَنَا ہمیں ہیشہ تک ہرگز نہیں پہنچے گا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھا لَنَا یہ لام تعلیل کی ہے یعنی لوحِ محفوظ جس میں ہمارے لیے خیر و شر اور شدۃ و فرحت لکھی گئی ہے اس میں ہرگز تغیر نہیں ہوگا تم موافقت کرو یا مخالفت، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسی طرح ہوگا کیونکہ اس کا لکھا ہوا مضبوط اور محکم و مبرم ہے هُوَ مَوْلٰنَا وہی ہمارا حامی و ناصر اور ہمارے جملہ امور کا متولی ہے وَعَلَى اللّٰهِ یہ مامور بہ کلام کا تتمہ ہے لیکن ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ اہلِ ایمان کو توکل کرنا چاہیے التوکل تفویض الامر الی اللہ تعالیٰ والرضی بما فعلہ اللہ تعالیٰ کی طرف جملہ امور سپرد کرنے اور اس کے ہر فعل پر راضی ہونے کا نام توکل ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ پر توکل کرے اور اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی رہے اور اعتقاد رکھے کہ کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں لکھا ہو لازماً ہوگا۔ ؎

پیرِ ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: میرے شیخ نے فرمایا کہ قلم تقدیر کو خطا نہیں نظر پاک پر آفرین خدا کرے کہ وہ میری خطا پوشی فرمائے۔

حدیث شریف: بندہ کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک عقیدہ نہ رکھے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور پہنچے گا اور جو کچھ نہیں لکھا وہ ہرگز نہیں پہنچے گا۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین کو فرمایئے هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ "التربص المکث مع انتظار مجئ شئ خیرا کان اوشرا" کسی شے (خیر ہو یا شر) کے آنے کے انتظار میں ٹھہرنے کو تربص کہا جاتا ہے اور بنا کی باء تعدیۃ کی ہے اور تربصون میں ایک تاء محذوف ہے۔ یہ دراصل تتربصون تھا، یعنی تم ہمارے لیے انتظار نہیں کرتے اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ دو نیکیوں میں سے ایک کا یعنی دو انجاموں میں سے ایک کا جو کہ ان دونوں میں ہر ایک کا اچھا نتیجہ ہوگا یعنی مدد یا شہادت، جواب اول میں جو بات مبہم تھی یہ اسی نوع کا بیان ہے اس میں منافقین کے گمان کی حقیقت حال کو واضح کیا گیا جبکہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ جنگ پر جانے سے مسلمانوں نے نقصان اٹھایا حالانکہ جنگ پر جانے پر انہیں دو بہتر انجاموں سے ایک بہتر شے نصیب ہوگی یعنی مددِ الٰہی سے غنیمت یا شہادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے منافقو! تم نہیں خوش ہو رہے مگر اس بہتر انجام سے جو ہمیں نصیب ہوگا اور تم اس سے محروم ہو گئے۔ پھر تمہاری سمجھداری کہاں گئی اور تمہارے گھر میں بیٹھنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔

حدیث شریف: جو شخص ایمان خالص سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے پیشِ نظر گھر سے جنگ کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل فرمائے گا یا اگر وہ بسلامت گھر لوٹے گا تو اسے اجر و ثواب اور

غنیمت سے نوازے گا۔ ؎

دولت اگر مدد دہد دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشد زہے شرف

ترجمہ: اگر دولت میری مدد کرے تو میں اسے ہاتھ میں لوں گا، اگر وہ میرے ساتھ رہے تو خوشی ہے اگر بھاگے تو بھی خوشی ہے۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اور ہم تمہارے بُرے انجام کے منتظر ہیں اَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ یہ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ پہنچائے بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اپنی طرف سے عذاب جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل کر کے انہیں تباہ و برباد کیا مثلاً انہیں سخت آواز یا زلزلہ یا زمین میں دھنسا دیا گیا بعذاب من عندہ میں اشارہ ہے کہ عذاب بھیجنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس میں بندوں کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اَوْ یا تمہیں عذاب ہو بِاَيْدِيْنَا ہمارے ذریعے سے مثلاً تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں قتل کرنا فَتَرَبَّصُوْٓا فا فصیحیہ ہے یعنی جب معاملہ یُوں ہے تو تم ہمارے انجام کا انتظار کرو اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○ ہم تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر جب ہمیں یا تمہیں جو کچھ پہنچے گا تو تم ہماری تکالیف کو دیکھ کر خوشیاں مناؤ گے اور ہم تمہاری تکالیف کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

حدیث شریف: مومن کی مثال اس بالی کی طرح ہے کہ کسی وقت ہوا کے جھونکوں سے کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی گر جاتی ہے اور منافق اور کافر کی مثال اس مضبوط تنے کی ہے کہ وہ کسی وقت بھی نہیں ہلتا مگر اس وقت کہ اسے جڑ سے کاٹا جائے۔ بعض نے کہا کہ اس درخت سے مراد وہ ہے جو صنوبر کے مشابہ ہو وُہ شام اور ارمن کے علاقوں میں ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس سے خود صنوبر مراد ہے۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ اکثر اوقات غم میں مبتلا رہتا ہے اگر اسے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو پھر بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اکثر اوقات اُس کے پریشانی میں بسر ہوتے ہیں اور کافر و منافق اکثر خوش و خرم ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔

ولی اللہ کی شان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے کسی ولی کی بے عزتی کرتا ہے وہ میرا مقابلہ کرتا ہے۔ ولی سے مومن فرمانبردار مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے جو اس بندے سے دشمنی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس معنے پر ولی اللہ کا دشمن درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور ولی اللہ کی بے عزتی کرنے والا کافر یا منافق ہے اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ولی اللہ کا دشمن ہلاک اور برباد ہوگا۔ ؎

قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست ۔۔۔ تا بدانی کہ انبیاء را نازکیست
ایں نشانِ خسف و قذف و صاعقہ ۔۔۔ شد بیان عز نفس ناطقہ

جملہ حیوان را پے انسان بکش   جملہ انسان را بکش از بہر ہش

ہش چہ باشد عقل کل ہوشمند   ہوش جزئی ہش بود اما نژند

ترجمہ: عاد و ثمود کے قصے کس لیے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں نزاکت ہے۔ خسف و قذف و صاعقہ کے نشانات صرف نفس کے غرور کو توڑنے کے لیے نہیں تمام حیوانات کو نفس کے لیے مار اور تمام انسانوں کو ہوش کے لیے ہوش ہے زندیک عقل کل ہوشمند (ولی کامل) ہے۔ یہ ہوش اسی ہوش کل کا ظل ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو باتوں کی وجہ سے مذمت فرمائی ہے:

۱۔ وہ ایک حال پہ نہیں رہتے۔

۲۔ ان کا حال ان کے قال کے مطابق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف: مومن مستقیم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو اور دل مستقیم نہیں ہو سکتا جبکہ اس کی زبان استقامت پذیر نہ ہو۔

حدیث شریف: اس بندے کو مبارک ہو جس کی کمائی حلال کی اور جس کا دل صحیح اور ظاہر اچھا ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

حدیث شریف: لوگوں میں شریر ترین وہ ہے جو دو منہ رکھتا ہے یعنی منافق کہ وہ نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا۔ اور جو دنیا میں دو منہ رکھتا ہے اس کے لیے جہنم کی دو لگامیں ہوں گی۔ (کذا فی ابکار الافکار)

قُلْ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم! جد بن قیس کے جواب میں فرمائیے جبکہ اس نے غزوہ میں غیر حاضری کی معذرت کر کے اجازت چاہی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مالی امداد بھجواؤں گا اَنْفِقُوْا اے منافقو! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرو۔ طَوْعًا درانحالیکہ اس میں تمہارے نفوس خوشی میں ہوں اَوْ كَرْهًا یا خوفِ قتل سے کراہت کرتے ہوں۔ (کذا فی الحدادی)

ف: الارشاد میں لکھا ہے کہ طوعًا بمعنے من غیر الزام من جهة علیه السلام ولا رغبة من جهتكم او هو فرض لتوسیع الدائرة، یعنی خود بخود خرچ کرو اس میں حضور علیہ السلام کی طرف سے تمہارے اوپر الزام نہ ہوگا اگرچہ تمہیں اس خرچ کرنے کی کوئی رغبت نہ ہو یا فرضی طور انہیں کہا گیا ہے کیونکہ فرضی باتوں کا دائرہ وسیع ہے۔ اس معنے پر یہ "ولا ینفقون الا وهم كرهون" کے منافی نہیں ہے

لَنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ تمہارا کوئی خرچ قبول نہ ہوگا یعنی حضور علیہ السلام تمہارے دیے ہوئے مال کو قبول نہیں فرمائیں گے یا اگرچہ خرچ کرو اور اسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبول بھی فرمالیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیگا

اور نہ ہی اس پر اجر و ثواب عنایت فرمائے گا۔

ف : انفقوا بمعنے خبر یعنی انفقتم ہے اس لیے کہ لن یتقبل امر کے حقیقی معنے کو قبول نہیں کرتا اس لیے کہ یہ فضول بات ہے کہ پہلے کسی کو حکم دیا جائے کہ فلاں کام کرو پھر اس کے لیے خبر دی جائے کہ وہ قابل قبول نہیں۔

جب منافق مذکور یعنی جد بن قیس نے جنگ پر جانے کی معذرت کی تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اعجوبہ کہا کہ آپ کی یہ معذرت آپ کی منافقت پر دلالت کرتی ہے دیکھ لینا تمہاری اس منافقت پر قرآنی آیت کا نزول ہوگا جد بن قیس نے اپنے لڑکے کے منہ پر جوتا مارا۔ پھر جب یہی آیت نازل ہوئی تو جد بن قیس کے لڑکے نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ کی منافقت کے اظہار میں قرآنی آیت کا نزول ہوگا۔ اس پر جد بن قیس نے اپنے لڑکے سے کہا اسکت یا لکع فواللہ لانت اشد علی من محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش اے بدبخت! بخدا تم میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سخت ہو۔

ربط : آنے والے جملہ میں بتایا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کیوں قبول نہیں کرتا، کما قال اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ اس لیے کہ تم فاسق یعنی کافر ہو۔ فسق سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور اس کا فرد کامل کفر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ بے شک تم اے منافقو! دائرۂ اسلام سے خارج ہو۔ اور ظاہر ہے دائرۂ اسلام سے خارج کافر ہوتا ہے اور کافر کا کوئی خرچ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ کا اور انھم کفروا باللہ کا ایک مطلب ہے یعنی ان کے انفاق کی عدم قبولیت کی علت ان کا اپنا کفر ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جد بن قیس نے منافقت (کفر) سے مکمل طور توبہ کی اور مسلمان ہو کر اسلام پر قائم ہوا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بحالت اسلام فوت ہوا

جد بن قیس مسلمان ہوگیا

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ یہ اعم الاشیاء سے مستثنیٰ ہے یعنی ان کے نفقات کی قبولیت کو کسی شے نے نہیں روکا مگر ان کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نے۔ اس معنے پر مستثنیٰ مفرغ مرفوع المحل ہے اس لیے کہ منع کا فاعل ہے اور ان تقبل نزع الخافض کے بعد اس کا دوسرا مفعول ہے یا بلا نزع الخافض بلا واسطہ مفعول ہے اس لیے کہ منع کبھی دو مفعول چاہتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے : "منعت الشئ ومنعت فلانا حقه ومنعته من حقه" میں نے فلاں کو اس کے حق سے روکا۔

ف : ابوالبقاء نے کہا کہ ان تقبل محلا منصوب ہے اس لیے کہ منعھم کے مفعول سے بدل ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اور نماز باجماعت میں نہیں آتے۔ اس کا کفر دا پر عطف ہے۔ اِلَّا وَھُمْ كُسَالٰى مگر آتے ہیں اس حال میں کہ وہ سستی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی نماز باجماعت کی حاضری انہیں بوجھ نظر آتی ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ نماز باجماعت کی حاضری ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہے اس لیے اس کی حاضری سے کراہت کرتے ہیں کیونکہ انہیں نماز سے سچی ارادت نہیں اور الکسالی کسلان کی جمع ہے جیسے سکران کی جمع سکری ہے۔

سوال: بغوی نے لکھا کہ ان کے لیے الکسل فی الصلوٰۃ کا ذکر کیا جبکہ سرے سے ان کی نماز ہی نہیں۔

جواب: اس سے دراصل ان کے کفر کی مذمت ہے کہ کفر کی وجہ سے ہی انہیں نماز میں سستی ہوتی ہے اسی لیے مقولہ مشہور ہے: "الکفر مکسل والایمان منشط" کفر سستی پیدا کرتا ہے اور ایمان نشاط، یعنی چستی اور پھرتی۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ كٰرِھُوْنَ ○ اور وہ خرچ نہیں کرتے مگر حالانکہ وہ ہیں کراہت کرنے والے۔

نکتہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ ادائے عبادات میں رغبت اور نشاط ثواب کی امید پر ہوتا ہے اور اس کے ترک پر خوف عقاب اور رجا اس وقت نصیب ہوتے ہیں جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر ایمان ہو اور منافق اس دولت سے کورا ہے اس لیے نہ اسے آخرت کے ثواب کی امید ہے نہ عذاب کا خطرہ۔ اس لیے اسے ادائیگی نماز میں سستی اور مال خرچ کرنے میں کراہت ہوتی ہے اس لیے کہ خوف ورجا سے خالی ہو کر لامحالہ نماز پہ جانے سے بدنی تکلیف اور مال خرچ کرنے میں تضیع مال تصور کریں گے۔

ف: آیت میں سستی کی مذمت کی گئی ہے، اسی لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے: من دام کسلہ خاب املہ۔ جو سستی کا شکار ہو وہ مطالب ومقاصد کے حصول سے محروم ہے۔

حضرت ابوبکر الخوارزمی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

لا تصحب الكسلان في حالاته	كم صالح بفساد آخر يفسد
عدوى البليد الى الجليد سريعة	والجمر يوضع في الرماد فيخمد

ترجمہ: کسی حالت میں بھی سست لوگوں کے ساتھ نہ رہو۔ بہت سے نیک لوگ فسادیوں کے ساتھ بیٹھنے سے فسادی بن بیٹھے۔ احمق کی حماقت عقلمند پر جلد اثر انداز ہوتی ہے۔ انگارہ راکھ میں پڑتا ہے تو فوراً بجھ جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر ہزاراں طالبند و یک ملول	از رسالت باز می ماند رسول
کے رسانند آں امانت را بتو	تا نباشی پیش شان راکع دوتو

ترجمہ: اگر ہزاروں طالب ہوں اور ایک ان میں بیکار ہو تو اس کے سمجھانے کے لیے رسول باز رہتا ہے۔ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ امانت تجھے نصیب نہ ہو گی جب تک تم ان کے آگے عاجزی وانکساری نہیں کرو گے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ
قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ
يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝

ترجمہ: پس آپ کو ان کے اموال اور اولاد سے تعجب نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کو ان کی وجہ سے دنیوی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور اُن کی جانیں کفر کی حالت میں نکل جائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ لوگ ڈرپوک ہیں وہ لوگ اگر کوئی پناہ یا غار یا گھسنے کی جگہ پائیں تو منہ موڑ کر ادھر ادھر بھاگ جائیں گے اور بعض ان میں وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعن کرتے ہیں اگر ان میں سے انہیں کچھ نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور کیا اچھا ہوتا کہ وہ اس پر راضی ہوتے جو انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے بیشک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تُعْجِبْكَ الاعجاب بمعنی الاستحسان علی وجہ التعجب من حسنہ اپنے فعل کے حسن پر تعجب کرکے اسے اچھا سمجھنا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔

یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے، یعنی اے مومنو! تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں اَمْوَالُهُمْ منافقین کے مال وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اور نہ ان کی اولاد اس لیے مال اور اولاد الٹا ان کے لیے قیامت میں وبال ثابت ہوں گے یہ صرف دنیا میں چند روز انہیں دیے گئے کما قال اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بیشک اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انہیں انہی مال و اسباب کے ذریعے حیٰوۃ دنیا میں عذاب پہنچائے۔

ف: ھا ضمیر کا مرجع صرف اموال ہے اس لیے کہ دنیا میں اسے جمع کرنے میں مشقت اٹھاتے اور ان کی نگرانی میں دکھ پاتے اور ان کے خرچ کرنے میں کراہت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے اموال و اولاد دونوں مراد ہوں وہ اس لیے کہ انسان کو جس طرح اموال کے متعلق تکالیف و پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں ایسے ہی اولاد کے متعلق بھی، مثلاً ان کی

پرورش وتربیت کا دُکھ اوران کے معاشں کے اسباب کی تیاری اوران کے کھانے پینے اور لباس ودیگر ضروریات، اگر وہ چھوٹے ہوکرمریں توان کی جدائی وفراق کادرد اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہواس کی جدائی پہ بہت بڑا درد پہنچتا ہے۔
سوال: صاحب روح البیان نے لکھا کہ مذکورہ بالا وجوہ میں مومن وکافر تمام برابر ہیں۔ پھران میں کافر کی تخصیص کیوں؟
جواب: مومن کو ایمان کی برکت سے انکا درد بہت کم ہوتا ہے اس لیے کہ اسے آخرت کے ثواب کی امید ہوتی ہے اور شدائد پرصبر سے اجر کا منتظر ہوتا ہے اس بناء پر وہ بہ نسبت کافر کے بہت کم دُکھ اور درد پاتا ہے۔
وَتَزْهَقَ الزهوق بمعنے خروج الشئ بصعوبة کسی شے کا بمشکل نکلنا۔ اور نکلیں گے اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ ان کے نفوس درانحالیکہ وہ کافر ہوں گے یعنی وہ کافر ہوکرمریں گے انہیں عاقبت کی طرف اس لیے توجہ نہیں ہوگی کہ وہ مال واولاد سے نفع اٹھانے میں مصروف رہیں گے پھر مرتے وقت وہ مال واولاد اس کے لیے نعمت کے بجائے عذاب بن جائیں گے اس لیے کہ نزع روح کے وقت نہ اسے مال بچا سکتا ہے اور نہ اولاد۔
مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ شریر النفس اور موذی کے کفر اور اسی پر اس کی موت پر خوش ہونا جائز ہے اگر وہ اپنے کیے کی سزا پائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا تاکہ ان سے ان کے کفر کا انتقام لیا جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہٖ کفر کو مستحسن سمجھا جائے یا اس کے ارتکاب کی اجازت دی جائے۔
مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر ظالم کو بددعا کے طور پر کہے اماتك الله على الكفر یا اسے کہے سلب الله منك الايمان یا اسے فارسی الفاظ میں بددعا دے کہ "خدا جان بکافری بستاند" قائل کافر نہ ہوگا۔ جب وہ اس قول کو مستحسن نہ سمجھے، اور اس کی اجازت نہ دے ہاں ظالم کی بددعا اس نیت پر ہو کہ اللہ تعالیٰ اس ظالم سے ایمان کی دولت چھین کر اسے اس کے ظلم کی سزا دے جبکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا پہنچاتا رہا۔
ف: طاعة فی العبودیة تین قسم ہے:

① مال
② بدن
③ قلب

مالی سے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کیا جائے۔
حدیث شریف: جو غازی کو کچھ دے اگرچہ سُوئی کا ناکہ تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا اور جو غازی کو ایک درہم بطور امداد عنایت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ستر درجے بہشت میں بلند فرمائے گا۔
حدیثِ معراج: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ شبِ معراج حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا گھوڑا لایا گیا جس کا ایک قدم تاحدِ نگاہ پہنچتا تھا۔ اس شب کو جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ حضور علیہ السلام ایک

ایسی قوم سے گزرے جو کھیتی کاٹتے تو فوراً ان کے پیچھے اُگتی جاتی تھی۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا، تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی، یہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، ان کی ہر نیکی ستر سو نیکیوں کے برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کچھ خرچ کروگے اس کا اجر پاؤگے۔

بدنؔ سے عبادت یہی ہے کہ اوامر و نواہی وسنن و مستحبات مستحسنہ پر عمل کیا جائے۔

اور قلبؔ کی عبادت یہی ہے کہ ایمان و صدق اخلاص فی النیۃ ہو۔

مسئلہ: جب تک قلب کی عبادت نہ ہو بدنی، مالی عبادات بالکل مقبول نہیں جیسے منافقین۔ چونکہ وہ قلبی عبادت سے محروم تھے اس لیے ان کی بدنی و مالی عبادت قبول نہ ہوئی۔

مسئلہ: قلبی عبادت ہو تو بدنی اور مالی عبادت بھی قبول ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کی نیت اس کے عمل سے بلیغ تر ہے۔ قربتِ الٰہی نصیب ہوتی ہی نہیں جب تک ایمان کی حقیقت نصیب نہ ہو اور ایمان جملہ طاعات بدنیہ و مالیہ کے لیے شرط ہے۔

حدیث شریف: مال نہ ہو تو بھی فتنہ ہے اس لیے کہ مال کو ریاء اور منت واذی کے طور پر خرچ کرنا فتنہ ہے اور اسے روکنا ملامت و ذلالت بلکہ ضلالت ہے۔

حدیث شریف: ہر امت کے لیے فتنہ تھا۔ اس امت کا فتنہ مال ہے۔

ف: جو شے جسے رشد و ہدایت اور دین سے محروم کر دے وہی شے اس کے لیے فتنہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو، اگر وہ بادشاہی اس کے دین کو فائدہ پہنچائے تو وہ بادشاہی اس کے لیے مفید ورنہ فتنہ۔

مثنوی شریف میں ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن	نے قماش و نقرہ و میزان وزن
مال را کز بہر دین باشی حمول	نعم مال صالح خواندش رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است	آب اندر زیر کشتی پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند	زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: دنیا خدا سے غافل ہونے کو کہتے ہیں قماش نقرہ و میزان وزن کا نام دنیا نہیں اگر مال دین کی خاطر اٹھا رہا ہے تو بہت خوب، اس لیے کہ ایسے مال کو حضور علیہ السلام نے صالح مال فرمایا ہے پانی کشتی میں جائے تو غرق کر دیتا ہے پانی کشتی کے نیچے ہو تو مدد دیتا ہے۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی عورت سے پوچھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے تھے۔ اس نے عرض کی، وہ ایسے بزرگ تھے جنہیں ملک مال نے غرور میں نہ ڈالا۔

جادو و آسیب اثر نہ کرے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو مال و دولت سے محبت نہیں کرتا اس پر جادو وغیرہ اثر نہیں کرتے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کی، مجھے ایسا عمل بتائیے کہ مجھ پر شیطان کا حملہ نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ مال اور نامحرم عورتوں سے دور رہ۔ (کذا فی شرح الشہاب)

۵

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از بود است و بعد از توہم

ترجمہ: ملک و جاہ و حشم پر بھروسہ مت کر اس لیے تیرے سے بہت سے لوگ گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

وَيَحْلِفُوْنَ اور منافقین قسمیں کھاتے ہیں بِاللّٰهِ یہ یحلفون کے متعلق ہے یا یہ منافقین کا ایک علیحدہ مستقل کلام ہے بخدا اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ بیشک وہ بھی منجملہ تمہارے سے یعنی مسلمانوں سے ہیں وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ اور ان کے قلبی کفر کی وجہ سے وہ تمہارے سے نہیں ہیں۔ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ لیکن وہ قوم ڈرپوک ہے۔ یعنی انہیں خوف ہے کہ تم ان سے وہی حشر کرو جو مشرکین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تقیہ[1] کرکے وہ نہ صرف اسلام کا اظہار کرتے ہیں بلکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کے ٹھیکیدار بنتے ہیں۔

حلِ لغات: یفرقون از فرق تفرح کی طرح ہے یعنی از باب علم بمعنے فَزِعَ اور الفرق بفتحتین بمعنے الفزع۔
لَوْ يَجِدُوْنَ اگر پائیں۔
سوال: مضارع مستقبل بمعنے ماضی کیوں؟
جواب: یہ مضارع لَوْ شرطیہ کی شرط ہے اور قاعدہ ہے کہ جونہی لَوْ کی شرط ماضی ہو، اور دوسرا قاعدہ ہے کہ مضارع جب ماضی کے معنے میں آئے تو وہاں استمرار مطلوب ہوتا ہے یعنی انہیں ابد عدم الوجدان دائمی ہے۔
مَلْجَاً جائے پناہ یعنی پہاڑوں یا قلعوں یا جزیروں میں انہیں کوئی ایسا مضبوط اور محفوظ مکان مل جائے جہاں

---

[1] شیعہ کا تقیہ تو مشہور ہے لیکن دیوبندی جماعت کا خصوصی شعار ہے کہ اہل سنت میں اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کر کے اپنے مذہب کی گاڑی چلاتے ہیں ۱۲

وُہ اپنا سر چھپا سکیں اور پناہ گزیں ہوسکیں۔ مَلْجَأً بروزن مَفْعَلٌ، لَجَأَ اِلَیْہِ یَلْجَأُ ای اِنْضَمَّ اِلَیْہِ لِیَتَحَصَّنَ بِہٖ "
یعنی فلاں اس جگہ سے ملا تاکہ وہاں محفوظ ہوسکے۔ اَوْ مَغٰرٰتٍ یا انہیں ایسی غاریں مل جائیں جو بلند پہاڑوں میں ہوتی ہیں۔
مغٰرٰت بمعنے غیران یعنی غاریں یا ایسے گڑھے جہاں وہ اپنے آپ کو چھپائیں۔ مغٰرٰت مغٰرۃ بروزن مفعلۃ کی جمع ہے ہر
وہ جگہ جہاں انسان چھپ جائے غیر بمعنے غیبٌ و استتارٌ بمعنے غائب ہوجانا اور چھپ جانا۔ اَوْ مُدَّخَلاً مدخل زمین
کے اندر کا گڑھا جیسے کنواں۔ مدخل ہر وہ گڑھا جسے کھود کر اندرونی حصّہ کو باہر سے پتھروں کے ساتھ بند کر دیا جائے یا
ایسی قوم کی حفاظت کے تحت کسی گڑھے میں گزارنا تاکہ وہ قوم اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان کی نگرانی کریں جن کی نگرانی سے انہیں
کسی قسم کا بیرونی خطرہ نہ رہے۔ (کذا فی الحدادی) مُدَّخل بروزن مفتعل از دخول یہ دراصل مُتَدَخَّلٌ تھا، بقانون
معروف مدّخل ہوا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا مغٰرٰت اور مدخل کا عطف ملجاء پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہوجائے
کہ وہ لوگ ایسی جگہوں میں چھپ کر محفوظ ہوجاتے تھے۔

اس لیے کہ الملجاء بھی ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان پناہ گزیں ہو تو پھر وہ ہر طرح کے بیرونی خطرہ سے محفوظ
ہوجائے۔ لَوَلَّوْا البتہ منہ پھیریں گے اور متوجہ ہوں گے اِلَیْہِ اسی کی طرف یعنی مذکورہ بالا ہر سہ مقامات میں سے
کسی ایک کی طرف وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝ درانحالیکہ وہ دوڑتے ہوں ایسی جگہوں کی طرف تیز رفتار گھوڑے کی طرح ایسے
دوڑ کر جائیں کہ انہیں کوئی روک نہ سکے صرف اسی خوف سے کہ انہیں تمہارے ساتھ مل جل کر وقت گزارنے کا موقعہ نہ ملے اور تم سے
بہت دُور جا کر بسیں۔

حلِ لغات: یَجْمَحُوْنَ از الجموح بمعنے النفور باسراع تیزی سے بھاگنا، مثلاً کہا جاتا ہے الفرس الجموح،
ہر اس تیز رفتار گھوڑے کو کہا جاتا ہے کہ جب تک لگام سے اسے نہ روکا جائے وہ کہیں رُکنے کا نام تک نہ لے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ منافقین اگرچہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس
دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور ان کا قسمیں کھا کر اعتبار دلانا بھی سراسر جھوٹ اور فریب ہے اور وہ صرف اسی طمع پر کہ وہ قتل سے
بچ جائیں اس لیے وُہ جنگ پر نہ جانے کی معذرت کرتے ہیں تاکہ وہ بجائے تمہارے ساتھ جانے کے گھر پر رہ جائیں اور
وہ بھی اس لیے کہ انہیں سوائے اپنے گھروں کے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی ورنہ اگر انہیں پہاڑوں کی بلندیوں پر کوئی جائے پناہ
یا پہاڑوں کے اندر غاریں یا زمین کے کوئی ایسے گہرے گڑھے مل جائیں جہاں وہ اپنا سر چھپا سکیں تو وُہ ایسی تدبیریں کو کر ڈالتے
لیکن انہیں ایسی جگہیں نہیں ملتیں اس لیے مجبور ہو کر تمہارے ساتھ گزارہ کر رہے ہیں ورنہ تم انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے اور
چاہتے ہیں کہ تم انہیں لمحہ بھر بھی نظر نہ آؤ۔

ف: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے بہت زیادہ دشمنی رکھتے تھے اور سرتاپا اُن کے بُغض سے پُر تھے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافق کا مخلص کے ساتھ گزارہ مشکل ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ہم جنس کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے گلستان میں لکھا ہے کہ طوطی کو کوے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا طوطی کوے کو دیکھ کر کہتی تھی:

این چہ طلعت مکروہست وہیاۃ ممقوت ومنظر ملعون وشمائل ناموزون یا غراب البین یالیت بینی و بینک بعد المشرقین۔

ترجمہ: یہ کیسی بُری شکل اور نظارۂ قبیح اور منظر ملعون اور عادتیں گندی ہیں۔ اے کوے! کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا۔

شعر

علی الصباح بروئے تو کہ برخیزد | صباح روز سلامت بر و مسا باشد
بداخترے چو تو در صحبت تو باشتی | وے چنانکہ تو درجہاں کجا باشد

ترجمہ: صبح کو جس کی تیرے اوپر نگاہ پڑے گی اس کا سارا دن پریشانی سے گزرے گا، کوئی بدبخت تیرا ساتھی ہوتا لیکن جہان میں تیرے جیسا منحوس کون ہوگا۔

جس طرح طوطی کوے سے نالاں تھی کوا بھی طوطی کی صحبت سے خوش نہیں تھا وہ بھی جوابی طور پر کہتا تھا:

این چہ بدبخت نگونست وطالع دوں وایام بُوقلموں لائق قدر من آنستی کہ بازاغے در دیوار باغے خراماں ہمی رفتے۔

ترجمہ: یہ کیسا بدبخت اور بُری شکل اور دور کی خرابی کا ملا ہے میرے لائق تو یہ تھا کہ میرے ساتھ دوسرا کوا ہوتا اور ہم دونوں خراماں خراماں باغ میں چلتے۔

شعر

پارسا را بس این قدر زندان
کہ بود ہم طویلۂ زنداں

ترجمہ: نیک کے لیے اتنی قید کافی ہے کہ اسے کمینوں کے ساتھ جوڑ بنایا جائے۔

کوے نے پھر کہا:

تاچہ گنہ کردہ ام روزگارم لعقوبت آں درسلک صحبت چنیں ابلہے خودرائے وناجنس د باقہ داری وچنیں بند بلا کردہ است۔

ترجمہ: میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ مجھے سزا کے طور پر ایسے بیوقوف، متکبر اور ناجنس اور بیہودہ گو کے

قید میں پھنسا دیا گیا ہے۔

؎

کس نیاید بپائے دیوارے کہ براں صورتت نگار کنند
گر ترا در بہشت باشد جائے دیگراں دوزخ اختیار کنند

ترجمہ: کوئی بھی ایسی دیوار کے قریب نہیں آئے گا جس پر اس جیسے کمینے کی تصویر ہو گی۔ اگر تیرے جیسے بہشت میں چلے گئے تو دوسرے دوزخ کو جانا پسند کریں گے!

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے یہ مثال اس لیے بیان کی ہے کہ جس طرح دانا کو نادان سے نفرت ہے ایسے ہی نادان کو دانا سے وحشت ہے اس لیے ایک عربی مقولہ مشہور ہے۔ "اضیق السجون معاشرۃ الاضداد"۔ تنگ ترین وہ جیل خانہ ہے جہاں غیر جنس کے ساتھ گزارہ ہو۔

حکایت اصمعی کہتے ہیں کہ میں خلیل نحوی کے ہاں حاضر ہوا، وہ چھوٹی سی چٹائی پر بیٹھے تھے، مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا: جگہ تنگ ہے آپ کو تکلیف ہو گی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمام دنیا دو مبغوضوں کے لیے تنگ ہے لیکن دو دوستوں کے لیے صرف ایک بالشت بھی وسیع تر از روئے زمین ہے۔ اسی طرح ایک مشہور عربی مقولہ ہے، الصدیق الموافق خیر من الشفیق المخالف۔ دوست موافق شفیق مخالف سے بہتر ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو آفاق وانفس کی بقدر امکان رعایت کرتا اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں ہر لحظہ لگا رہتا اور دشمنوں سے دور بھاگتا ہے اگرچہ وہ اسے سو بار بھروسہ دیں کہ ہم تمہارے بھائی ہیں منجملہ اعداد کے انسان کا ایک دشمن نفس اور اس کی صفات ہیں اور یہ انسان کو تسلی دلاتی ہیں کہ وہ روح و قلب اور سر اور ان کے طریقوں پر ہے حالانکہ یہ سراسر اس کا جھوٹ ہے اس لیے کہ نفس وغیرہ عالم خلق سے ہیں اور وہ عالم امر وارواح سے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ عالم اشباح یعنی نفس کی اصلاح کی جائے اور اس کے اندر جتنا رذیل اور ردّی اخلاق ہیں انہیں زائل کیا جا سکے تا کہ وہ روح کی صحبت کے لائق ہو اور اسے انواع ذوق وفتوح کا ذائقہ نصیب ہو۔

وَمِنْهُمْ اور بعض منافقین میں سے مَّنْ يَّلْمِزُكَ وہ ہیں جو آپ پر عیب لگاتے ہیں اس لیے کہ لمز اور ھمز بمعنے عیب۔ لامز، ھامز اور لمّاز، ھمّاز اور ھمزۃ بمعنے عیّاب۔ بعض کے نزدیک لامز وہ ہے جو منہ پر عیب ظاہر کر دے اور ہامز وہ ہے جو پس پشت عیب بیان کرے۔ فِى الصَّدَقٰتِ صدقات کے متعلق ہے یعنی آپ جب زکوٰۃ کی تقسیم کرتے ہیں تو منافق آپ کی بدگوئی کرتے ہیں الصّدقٰت صدقۃ کی جمع ہے۔ صدق سے مشتق ہے عطیہ کو صدقہ کہہ کر اس سے ثواب مراد لیا جاتا ہے اس لیے کہ اسی سے بندے نے صداقت فی العبودیت کا اظہار کیا ہے۔ (کذا فی الکرمانی)

شانِ نزول یہ آیت ابن جوائد منافق کے حق میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا کہ نبی علیہ السلام کو دیکھو وہ چرواہوں کو زکوٰۃ تقسیم کرکے سمجھتے ہیں کہ اس نبی علیہ السلام نے عدل وانصاف کیا۔

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا ان کی بدگوئی کا بیان ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ان کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہے اور بس۔ اور انہیں صرف اسی کی حرص ہے کہ اگر انہیں دنیوی مال انہی کی منشاء و مراد پر عطا ہو رَضُوْا تو اس عطیہ سے خوش ہوتے ہیں اور اس طرح کی تقسیم پر راضی ہو کر اس کی بہت بڑی تعریف کرتے ہیں وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَآ اور اگر انہیں ان کی منشاء و مراد کی مقدار سے کم ملے اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ۝ تو اچانک ناراض ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر انہیں کچھ نہ ملے تو انہیں اچانک غصہ آجاتا ہے، وہ اپنی فطرت کے خلاف فوراً لڑائی جھگڑے پہ تُل جاتے ہیں صرف دُنیا کی محبت اور حرص کی وجہ سے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک "نفاق" تزیین الظاھر بارکان الاسلام وتعطیل الباطن عن انوار الایمان (ظاہر کو ارکانِ اسلام سے سنوارنے اور باطن کو انوارِ ایمان سے بیکار چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس کا قلب انوارِ ایمان سے بیکار ہو دنیا کی محبت کے ساتھ کفر سے مزین ہوتا ہے، ایسا انسان دنیا ہو تو خوش نہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔

شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دل نہادم بر انچہ خاطر اوست　　　نکند دوست زینہار از دوست

گر بلطفم نبزد خود خواند　　　وربقہرم براند و داند

ترجمہ: دوست سے دوست پناہ نہیں مانگتا، میں نے تیری رائے پر چلنا ہے اگر لطف سے بلاؤ تو کرم، اگر قہر سے دتے دسے تو بھی منظور۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے عطیات سے راضی ہوں یعنی جو کچھ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں اسے خوشی سے لے لیں اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام تبرکاً لیا ہے ورنہ غنائم کا دینا لینا بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ رسول اللہ کا دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دینا ہے کیونکہ وہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے[1] دیتے ہیں فلہذا ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

---

[1] اس میں ایک طرف پرویزیوں کا رد ہے دوسری طرف وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں کا، جو رسول علیہ السلام کو بے اختیار مانتے ہیں۔۱۲

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ اور کہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل کافی ہے جو کچھ اس نے ہمارے لیے کیا ہے وہ ہمیں منظور ہے اس لیے جو کچھ اس کی عنایات ہو رہی ہیں وہ اس کی اپنی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے اس میں ہمارے کسب کو دخل ہو یا نہ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور عطیات سے نوازے گا ان عطیات سے مزید جو ابھی ہمیں عطا ہوئے وَرَسُوْلُہٗ اور اس کے رسول کی طرف سے عنایات ہوں گی اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ۝ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اسی لیے وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ہر ضرورت سے مستغنی بنا دیگا۔ یہ آیت شرط کے قایم مقام ہے اور اس کا جواب محذوف ہے جو کہ لکان خیراً لہم ہے وہ اس لیے کہ جزاء کا محذوف ہونا ظاہر ہے اسے ہر طرح سے سمجھا جا سکتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پہ راضی ہونا موجب صد برکات اور اس سے غصہ کا اظہار باعثِ صد نحوسات ہے۔

فائدہ روحانی: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہتا ہے وہ ہر رنج و غم اور حزن و ملال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ؎

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشا
کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

ترجمہ: محبوب کے لیے رضا و تسلیم کا سر جھکا اور پیشانی سے گرہ ہٹا اس لیے کہ ہمارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھا گیا۔

اسی کے مطابق کسی نے فرمایا: ؎

بشنو این نکتہ کہ خود را زغم آزادہ کنی
خون خوری گر طلب روزی ننہادہ کنی

ترجمہ: میرے سے یہ نکتہ یاد رکھ کہ غم سے آزاد ہو ورنہ خون پیتا رہے گا اگر روزی کی فکر کی۔

مقولہ عجیبہ "اذا کان القدر حقا کان السخط حمقا" جب عقیدہ ہو کہ تقدیر حق ہے تو پھر اس سے رنج ہونا حماقت ہے۔

حکایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے بعد مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو آپ سے لوگوں نے کہا: آپ مستجاب الدعوۃ ہیں، اپنی بینائی کے لیے دُعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔

ف: کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ انسان پیدائش کے وقت انگلیاں بند کرتا اور موت کے وقت کیوں کھول دیتا ہے؛ اس کے جواب میں انہوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

و مقبوض کف المرء عند ولادة　　　دلیل علی الحرص المرکب فی الحی

ومبسوط کف المرء عند وفاتہ　　　یقول انی خرجت بلاشی

ترجمہ: بچہ پیدائش کے وقت ہاتھ بند کیے ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ زندگی حرص و ہوا کا گھر ہے اور مرتے وقت ہتھیلی کھول کر بزبانِ حال کہتا ہے کہ میں دنیا سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

حکایت

ایک نباش نے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ نے اس سے توبہ کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ہزاروں قبریں کھودیں سب کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے سوائے دو بزرگوں کے۔ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا: وہ مسکین جنہیں رزق نے تنگ کر رکھا ہوگا وہ رزق کے پیچھے پڑے رہے انہیں قبلہ سے منہ پھیرنا پڑا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے وعدے پر بھروسہ کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی ہے اور کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائے گا جس کی مجھے دین و دنیا میں ضرورت ہوگی وہی پورا کرے گا، ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں نہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے نہ عقبیٰ کی اور نہ ہی ان دونوں کی نعمتوں کی۔

حکایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم سے گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھی۔ آپ نے اس قوم کے افراد سے پوچھا: تم کیوں ذکر میں مصروف ہو۔ انہوں نے کہا کہ ثواب کی خاطر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بہت خوب۔ پھر ایک اور قوم پر آپ کا گزر ہوا، تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم ذکر میں کیوں مصروف ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عذابِ الٰہی کے خوف سے۔ آپ نے فرمایا: خوب۔ ایک تیسری قوم سے گزرے تو ان سے ذکر کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: نہ ہمیں ثواب کی خواہش ہے نہ عذاب کا خوف بلکہ ہم ذکرِ الٰہی سے اپنی عبودیت کی ذلت اور اپنے رب کی ربوبیت کی عزت کا اظہار کر رہے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے زبان کو اور معرفتِ الٰہی سے قلب کو شرف دے رہے ہیں، یہی الفاظ جو ہماری زبان پر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدس اور اس کی عزت پر دلالت کرتے ہیں، اسی لیے ہم اس کا نام لیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: حقیقی ذکر کرنے والے صرف تمہی ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے اسی کی ترجمانی کی ہے:

پدرم روضۂ جنت بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوئے نفروشم

ترجمہ: میرے ابا آدم نے دو دانے گندم کے عوض بہشت بیچ ڈالی میں نااہل بیٹا ہوں گا اگر اسے ایک جو کے بدلے نہ بیچوں۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَ
الْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾
وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ط وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

ترجمہ : بے شک صدقات (زکوٰۃ) صرف فقراء مساکین کا حق ہے اور وُہ جو زکوٰۃ جمع کرنے والے ہیں اور وہ کہ جن کی اسلام کے لیے دل جوئی مطلوب ہے اور گردنیں آزاد کرانے میں او قرضداروں کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافر کو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے اور ان میں بعض وُہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! فرمایئے کہ وہ کان تمہاری بھلائی کے لیے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اہلِ ایمان کی باتوں پر یقین کرتے ہیں اور وہ جو تم میں سے مسلمان ہیں ان کے لیے رحمت ہیں اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ بیشک صدقات ۔ اس سے زکوٰۃ کے جمیع انواع مختلفہ مراد ہیں ، سونا چاندی ہو یا جانور وغیرہ ۔ اور زکوٰۃ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کی صداقت فی العبودیۃ پر دلالت کرتی ہے ۔

(کذا فی الکافی)

اور الازاہیر میں ہے کہ اس کی ترکیب قوۃ فی الشئ قولاً وفعلاً پر دال ہے اور اس کی قوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صدقہ سے بلائیں رد ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے کہ ہر وہ پہلا عمل جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ جمع کرنے پر مقرر فرمایا وہ بنی صدق (بکسر الدال) کے قبیلہ سے تھا اور کندہ قوم کا ایک قبیلہ ہے اس قبیلہ کے منسوب کو صدقی (بالفتح) کہا جاتا ہے اسی قبیلہ کی مناسبت سے اسے صدقہ سے تعبیر کیا جانے لگا۔ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ مخصوص ہیں فقراء و مساکین اور ان کے بعد مذکور ہونے والے جملہ افراد کے لیے ان کے سوا باقی کسی منافق وغیرہ کو نہ دیے جائیں۔" الفقیر" شریعت کی اصطلاح میں ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو۔ اور المسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ یہی قول حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ۔ بعض نے ان کی مذکورہ بالا تعریف کے برعکس کہا ہے ۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب کوئی مرتے وقت فقیر و مسکین کے لیے وصیت کرے (تفصیل کتب فقہ میں ہے) وَالْعٰمِلِيْنَ

عَلَیْہَا اور صدقۃ (زکوٰۃ وغیرہ) جمع کرنے والوں کے لیے۔

مسئلہ: زکوٰۃ جمع کرنے والے کو اس کی کارروائی کے مطابق زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے خواہ وہ بذات خود غنی ہو یا فقیر یا ہاشمی۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ جمع کرنے والا زکوٰۃ کا جمع کردہ مال ضایع کر دے تو اسے کچھ نہ دیا جائے۔

مسئلہ: اگر زکوٰۃ دہندہ اپنی زکوٰۃ امام (خلیفہ شرعی) کے ہاں خود پہنچا دے تو اس سے عامل کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ: تبیین میں ہے کہ اگر عامل کی مزدوری سالم جمع کردہ زکوٰۃ کو پہنچتی ہے تو ایسی صورت میں عامل کو جمع کردہ زکوٰۃ سے آدھا حصہ دیا جائے اس موقعہ پر اس کے لیے انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عرب میں بڑے جتھہ دار تھے ان کے بکثرت متبعین تھے، ان کے متبعین اہل اسلام اور کافر ہر دو طرح کے تھے لیکن چونکہ ان کی اسلام کے خلاف آواز دب چکی تھی اور اسلام کی شان و شوکت سے مرعوب ہو چکے تھے اس لیے اسلام قبول کر لیا لیکن نہ بطور منافقت بلکہ بطور صداقت مگر ان میں جاہلیت اور کفر کے اثرات باقی تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا اور دولت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اس لیے ان کے اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے مخصوص مدت تک انہیں زکوٰۃ وغیرہ دینے کا حکم تھا تاکہ انہیں اسلام سے مزید محبت وعقیدت ہو یا کسی غلطی سے کسی وقت اسلام کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔ وَفِي الرِّقَابِ اور گردنیں آزاد کرنے کے لیے، مثلاً غلام نے مکاتبت کے پیسے ادا کرنے ہیں تو اسے آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دی جائے اس سے یہ مال مکاتب کو بحیثیت غلام ہونے کے نہ دیا جائے اس لیے کہ خدانخواستہ اگر آزاد نہ ہو سکے تو یہ مال تو اس کے مولیٰ کا ہوگا اور مولیٰ زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ اسی طرح مدیون کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت ہے کہ وہ بھی مال قرضدار کے ہاں چلا جائے گا اس لیے مدیون کی ذات کی حیثیت کو مدِنظر رکھ کر اسے زکوٰۃ نہ دی جائے بلکہ اس کے قرضہ کی ادائیگی کی حیثیت کو مدِنظر رکھا جائے اس لیے آیت میں للفقراء کے بعد ان چاروں اخیر والوں میں لام نہیں بلکہ فقط فی داخل کیا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ زکوٰۃ کا استحقاق ان چاروں کی ذوات کو نہیں بلکہ ان کی جہت استحقاق کو ہے، مثلاً غلام کو غلامی سے آزاد کرانا اور مدیون کو دائن کے قرضہ کی ذمہ داری سے چھڑانا۔ اسی طرح مجاہد کی جہاد کی غرض پوری کرنا اور مسافر کی قطع مسافت کی ضرورت پوری کرنا بخلاف پہلے چاروں کے کہ ان کی ذات کو ذاتی استحقاق حاصل ہے بہرحال دوسرے چاروں میں فی سببیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "عذّب فلان فی سرقۃ لقمۃ" فلاں کو ایک لقمہ کی چوری سے سزا دی گئی یعنی فی سرقۃ لقمۃ یعنی بسبب سرقۂ لقمہ۔

مسئلہ: مکاتب سے بھی غیر کا مراد ہے اگرچہ وہ غنی ہو ایسے مکاتب کی مکاتبت میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے تاکہ وہ مکاتب اپنی جان رہا کرا سکے۔

ف: الرقاب الرقبۃ کی جمع ہے بمعنے گردن۔ عرف میں جملہ جسم، شرع میں مملوک (غلام یا لونڈی) کو کہا جاتا ہے۔

وَالْغَارِمِيْنَ اور قرضداروں کے لیے۔ اس سے وہ قرضدار مراد ہیں جو جائز ضروریات کے لیے قرضہ اٹھاتے ہیں،

گناہوں کے ارتکاب کے قرضدار مراد نہیں ہیں اور وُہ بھی جن کے ہاں نصاب کامل کی مقدار مال نہ ہو۔

ف : الغادم والغریم ایک ہیں یعنی ہر وہ شخص جس کا کسی پر قرضہ ہو لیکن آیت میں وہ شخص مراد ہے جس پر کسی کا قرضہ ہو۔

ف : مدیون دو قسم کے ہیں :

○ مباح امور کے لیے قرضہ اٹھانے والے کو ادائیگی قرض کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے، لیکن نہ اتنا کہ اس کی ادائیگی قرض کے بعد اس کے پاس کچھ نقد بچ جائے۔

○ لوگوں کی اصلاح اور کارِ خیر میں خرچ کرتا ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ شخص خود بھی مالدار ہو۔ یعنی ایسے شخص کی قرض کی ادائیگی جائز ہے۔

مسئلہ : جو معصیت اور غلط کاریوں کے لیے قرض اٹھا تا رہا ہے، تو ایسے شخص کی ادائیگی قرض میں زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ غارم وہ ہے جس کا گھر آگ سے جل جائے یا سیلاب سے بہہ جائے یا عیال داری کی وجہ سے قرضہ اٹھائے۔

وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ۔امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے فقرا غازی مراد ہیں۔ یعنی وُہ لوگ جو جنگ پہ جانا تو چاہتے ہیں لیکن فقیری اور تنگ دستی کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ نہیں جا سکتے یا خرچ کی کمی سے یا سواری کے نہ ہونے سے یا کسی اور وجہ سے ۔ایسے غازیوں کو بھی زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ کمائی کر سکتے ہیں اگر ہم انہیں زکوٰۃ کا مال نہ دیں گے اور وہ کمائی میں لگ جائیں تو جنگ میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔

ف : لفظ سبیل اگرچہ عام ہے کہ ہر طاعت الٰہی کو سبیل کہا جا سکتا ہے ۔لیکن اب خاص اس عبادت کو کہا جائے گا جو جنگ سے متعلق ہے جب مطلقاً مستعمل ہو گا تو اس سے جنگ مراد ہو گی۔

ف : فی سبیل اللہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ حاجی مراد لیتے ہیں۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ ط اور وہ مسافر جو اپنے علاقہ سے بہت بعید ہو اور اس کے پاس مال و دولت بھی نہ ہو اور اسے ابن السبیل اس کے سفر کے لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

مسئلہ : جو شخص مباح سفر طے کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ سفر طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ایسے مسافر کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے۔ اس کے گھر یا جس شہر میں پہنچنا چاہتا ہے، مال ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ : اسی طرح وہ شخص جس کا مال دوسرے علاقہ میں ہے اور خود گھر میں مقیم ہے اب وہاں تک پہنچنے یا دیگر ضروریات پیش ہوں تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

مسئلہ : کسی کا کسی دوسرے پر قرض ہے اور مقروض اس کا اقرار بھی کرتا ہے لیکن ادا نہیں کرتا اور اسے ضروریاتِ سفر درپیش ہوں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس یا گھر پر اور کوئی مال نہ ہو۔ (کذا فی المحیط)

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط یہ مصدر ہے جیسا کہ آیت کا ابتداء دلالت کرتا ہے اس لیے کہ "انما الصدقٰت للفقراء" بمنزلہ "فرض اللہ لهم الصدقٰت فریضۃً" کے ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے لیے ہمارے اوپر اپنی طرف سے زکوٰۃ فرض فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال اور ان کے استحقاق کے مراتب خوب جانتا ہے حَكِيْمٌ۝ حکیم ہے اور جملہ نیک امور اپنی حکمت کے تقاضا پر سرانجام دیتا ہے منجملہ ان کے حقوق مذکورہ ان کے مستحقین کو دینا۔

س

حق تعالیٰ چوں در قسمت کشاد ہر کسے را ہرچہ می بایست داد

نیست واقع اندراں قسمت غلط بندہ راخواہی رضا خواہی سخط

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی قسمت خود لکھی ہے اس کی تقسیم غلط نہیں، چاہے بندہ خوش ہو یا ناخوش۔

مسئلہ: مؤلفۃ قلوبهم کا حصہ زکوٰۃ باجماعِ صحابہ ساقط ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و کثرت بخشی ہے اور اسلام کو عزت ملی اور کلمۃ الٰہی بلند ہوا تو اب کسی کو تالیفِ قلب کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فرمایا کہ اسلام کو ضرورت نہیں کہ رشوت دے کر اس کا کام چلایا جائے۔ اے مرتدو! رشوت کے بغیر اسلام پر ثابت قدم رہ سکتے ہو تو الحمد للہ، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ اس معنے پر زکوٰۃ کے مصارف باقی صرف سات ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ دینے والا چاہے تمام اقسام کے افراد کو دے یا کسی ایک قسم کے متعدد افراد کو یا صرف ایک فرد کو دے دے جائز ہے۔ اس لیے کہ للفقراء کی لام مصارفِ زکوٰۃ کے بیان کے لیے ہے کہ زکوٰۃ ان مصارف کے سوا کسی اور جگہ پر نہ خرچ کی جائے۔ جیسے ہم کہتے ہیں خلافة بنی عباس یا میراث فلاں لقرابته۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ خلافت بنو عباس سے خارج نہ ہوگی اور میراث فلاں کی قرابت ہے۔ جیسے یہاں عدم خروج مطلوب ہے ویسے وہاں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اس مصرف میں وہ سب برابر ہیں جیسے میراث و خلافت میں برابر نہیں ایسے ہی یہاں۔

ف: للفقراء کی لام تخصیص کی ہے تملیک کی نہیں اس لیے کہ تملیک المجهول شرعاً ناجائز ہے۔

مسئلہ: ہمارے مشایخ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی ایک روپیہ زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو وہ کسی ایک مستحق فقیر کو دے دے، ایسا نہ کرے کہ اس روپے کے سو پیسے کر کے ایک صد مساکین کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ (کذا فی المحیط)

مسئلہ: صدقۂ فطر میں بھی ایسا ہی کرے کہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا فطرانہ ایک ہی فقیر یا مسکین کو دے دے، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (کذا فی التمرتاشی)

مسئلہ: بمقدار نصاب ایک ہی فقیر غیر مدیون یا مسکین غیر مدیون کو دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ فقیر یا مسکین قرضدار یا صاحبِ عیال ہے یا ان کو علیحدہ علیحدہ اتنا دے کہ وہ مال ملایا جائے تو نصاب کی مقدار ہو جائے (اگرچہ یہ مال ایک گھر میں جائے) تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی الاشباہ)

ف : مکروہ کا مطلب فقہ کی اصطلاح میں یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل مع کراہت جائز ہے۔ مثلاً فقیر غیر مدیون کو زکوٰۃ بمقدار نصاب بیک وقت دینا جائز ہے اس لیے کہ وہ مالِ زکوٰۃ فقیر کو دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کے لیے بھی یہی شرط تھی کہ وہ فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے اور بوقتِ ادائیگی زکوٰۃ وہ شرط موجود ہے اس لیے کہ قبل از تملیکِ مال وُہ شخص فقیر تھا اگرچہ تملیک کے بعد غنی ہو گیا ہے تو تملیک کے بعد کا غنی ہونا ہمارے لیے مضر نہیں۔ اور مکروہ اس لیے ہے کہ ایک فقیر کو بیک وقت دولت مند بنا دیا گیا، اس سے وہ اچھا تھا کہ کئی فقراء کی تنگدستی دور کی جاتی۔

مسئلہ : فقیر کو اتنا مالِ زکوٰۃ دینا مستحب ہے کہ اسی روز اپنی ضرورت کا سوال نہ کرتا پھرے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ فقراء کو سوال کی ذلت سے مستغنی کرو اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو ذلت کے وقوع سے بچانا ضروری ہے۔

مسئلہ : جس کے پاس ایک دن کی ضرورت کا اسباب موجود ہے اسے اس سے زاید کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ سوال ذلت ہے اور مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلت سے بچائے۔ علاوہ ازیں بلا ضرورت سوال کرنا حرج کشی ہے، اور اپنے آپ کو حرج میں ڈالنا حرام ہے۔

ف : اگرچہ اوصاف مذکورہ میں مسلم و کافر دونوں شامل ہیں لیکن زکوٰۃ صرف مسلمان کو دینا جائز اور کافر کو دینا ناجائز ہے بہ تخصیص احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ : بے نمازی کو زکوٰۃ نہ دینا چاہیے، ہاں دینا جائز ہے لیکن گناہ گار ہے۔ (کذا قال ابوحفص)

مسئلہ : صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ عالم فقیر محتاج کو دینا افضل ہے بہ نسبت فقیر جاہل کے۔

مسئلہ : نفلی صدقات مذکورہ اوصاف والوں کے مسلم اور ذمی کے علاوہ مساجد اور پُلیں بنانا، میت کو کفنانا اور اس کا قرض وغیرہ ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دیگر مصارف، اس لیے کہ صدقات نافلہ میں تملیک شرط نہیں ہے۔

حیلہ شرعیہ : اگر ان پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا چاہے تو زکوٰۃ کا مال کسی فقیر کی تملیک کر دے اور اسے کہے کہ اسے مسجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کر دے، اس میں دونوں ثواب کے مستحق ہوں گے یعنی زکوٰۃ دہندہ اور فقیر۔

مسئلہ : اگر کسی زندہ فقیر کا قرضہ اپنی زکوٰۃ سے اتار دے تو اس کی دو صورتیں ہیں :

۱۔ فقیر مدیون نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم سے قرضہ میں دی تو یہ جائز ہے اس لیے کہ فقیر کے حکم سے زکوٰۃ قرض لینے والا فقیر کا حکماً وکیل ہوگا اور وکیل کا قبضہ درحقیقت مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے۔

۲۔ اگر فقیر کے حکم کے بغیر اس کے قرضہ میں زکوٰۃ دی تو یہ ادائیگی تبرعًا نوافل میں داخل ہوگی، زکوٰۃ کے لیے اور رقم فقیر کی تملیک کرے۔

مسئلہ : مجنون اور صبی غیر مراہق کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر ان کی طرف سے ان کا وُہ متولی قبضہ کرے جو ان کے

مال قبضہ کرنے کا حق رکھتا ہے مثلاً باپ یا وصی وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: مراہق عاقل (صبی) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ (کذا فی المحیط)

ف: مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ بیت المال میں چار طرح کا مال جمع ہوتا ہے:

۱۔ زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، ان کا مصرف وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انما الصدقات للفقراء (الآیۃ) میں بیان فرمایا۔

۲۔ مالِ غنیمت، اس کا مصرف یتامٰی، مساکین اور ابن السبیل ہیں۔

۳۔ جزیہ وخراج، اس کا مصرف اہلِ اسلام اور دارالاسلام کی ضروریات جیسے سرحدوں کی نگرانی اور جنگی ہتھیار و اسباب وغیرہ اور جنگیوں کے مصارف وغیرہ وغیرہ۔ جزیہ وخراج کو امن طریق پلوں کی اصلاح اور ان کی تعمیرات اور نہروں کی کھدائی اور حکام وقضاۃ، ملازمین، ائمہ وخطباء، مؤذنین، محتسبین، مفتیوں اور معلموں کی تنخواہوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ میت کا وہ ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح زوج زوجہ کا بقایا جبکہ ان کا سوائے ان کے اور کوئی وارث نہ ہو۔ اس کا مصرف مریضوں کی ضروریات اور ان کی ادویہ پر کرنا جبکہ وہ عاجز اور فقیر ہوں۔ اسی طرح ایسے غرباء ومساکین پر، جو کمائی نہ کر سکتے ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے صدقات۔ ان صدقات سے مراد وہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا صدقہ مقرر ہے جو اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے الفقراء سے صوفیاء کے نزدیک وہ حضرات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے مستغنی اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

الفقراء الصبرھم جلساء اللہ۔ فقراء صبرگزار ہی اللہ تعالیٰ کے جلیس (ہمنشیں) ہیں۔

کا بھی یہی مطلب اور مقصد ہے۔ حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الفقیر لایحتاج الی اللہ۔ فقیر اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں۔

یعنی چونکہ وہ مستغنی باللہ ہے۔ اور جو جس کی وجہ سے غنی ہو وہ اس کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ وہ خود اسے احتیاج تک نوبت پہنچنے نہیں دیتا۔ المساکین اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اوصاف الوجود سے بقایا نصیب ہوا۔ ایسے حضرات کے لیے بحرِ طلب میں قلب کی کشتی ہے جسے محبت کے خضر نے توڑا، اس لیے کہ ان کے پیچھے ان کا وہ بادشاہ تھا جو ہر کشتی صحیح سالم کو چھین لیتا تھا۔ العاملین سے وہ حضرات مراد ہیں جو صاحب العمل ہیں، یعنی الفقراء والمساکین صاحب الاحوال تھے اور یہ صاحب العمل المؤلفۃ قلوبھم سے وہ جن کے دل اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لیے چل نکلنے میں ذکرِ حق سے مانوس ہیں، اس لیے کہ یہی حضرات ماسوی اللہ سے بعید ہونے کی وجہ سے قربِ الٰہی کے متلاشی رہتے ہیں وفی الرقاب یعنی وہ



مکاتب جن کے قلوب موجودات کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تاکہ فارغ البال ہوکر پوری جدوجہد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں۔ شرعاً مکاتب وُہ ہے جسے آزاد ہونے پر کچھ رقم اپنے مالک کو دینی ہو الغارمین اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکونات کے مراتب سے اوصاف وطبائع قرض لیے ایسے لوگ وجود کے قیدخانہ میں اپنے قرضہ جات میں گرفتار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ قرضوں کی ادائیگی میں جدوجہد کرتے ہیں ان کی جان رہائی انہی صدقات الٰہیہ مذکورہ سے ہوتی ہے فی سبیل اللہ وہ مجاہد مراد ہیں جو جہاد اکبر میں مشغول رہتے ہیں یعنی کفار نفوس و ہوٰی و شیطان اور دنیا سے جہاد کرنے والے ابن السبیل وُہ مسافر جو طبیعت و بشریت کے وطن سے دُور ہوکر شریعت و طریقت کے قدموں پر چلتے ہوئے انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں فریضۃ من اللہ یعنی ایسی سیر اور جہاد اکبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے اور قرض کی ادائیگی اور موجودات کی قید و بند سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اسے شریعت کے اعمال میں مشغول رکھنا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بنانا تاکہ اس سے استغنا نصیب ہو۔ یہ امور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب فرمائے ہیں اور یہ صدقات مذکورہ عطایا ربانیہ اور الطاف الٰہیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے صرف طالبانِ حق اور صادق القلوب حضرات کے لیے مخصوص فرمائے ہیں اور یہ ایسے صدقات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم پر واجب فرمائے ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو بندہ مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالیتا ہے واللّٰہ علیمٌ اللہ تعالیٰ اپنے طلب گاروں کو جانتا ہے حکیمٌ اپنے طلب کے وجدان کی معاونت کی حکمت اسی کو معلوم ہے کہ کسے وجدان کی طلب میں معاونت کرنی ہے اور کسے نہیں۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ جو میرے ہاں ایک بالشت چل کر آتا ہے تو میں اس کے لیے ایک ہاتھ چل کر آتا ہوں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اوصاف موجودات سے فنا اور کائنات کی قید و بند سے آزادی حاصل کر کے انہی صدقات و نفحات کی طلب کے لیے اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرے۔

تفسیر عالمانہ: وَمِنْهُمُ اور بعض منافقین وُہ ہیں جیسے جلاس بن سوید اور اس کے ساتھی الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں یعنی ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے ایک انسان کو دُکھ پہنچے وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں اس کے جواب میں جو کسی نے کہا کہ ایسی باتیں مت کرو اس لیے کہ یہ باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوں گی اور وہ برسر مجلس بیان کریں گے تو تم شرمسار ہوگے تو منافقین اس کے جواب میں کہتے هُوَ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُذُنٌ ط کان ہیں کہ وہ ہر قسم کی باتیں سُن لیتے ہیں اس لیے ہم جو چاہیں کہتے رہیں گے پھر ان کے ہاں حاضر ہوکر انکار کردیں گے بلکہ حلف اٹھادیں گے اور وہ ہماری بات کی تصدیق کردیں گے اس لیے کہ محمد اذن سامعۃ ، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان ہیں سُننے والے ، حضور علیہ السلام کو منافقین نے کان مبالغہ کے طور پر کہا اس لیے کہ

جس طرح کان ہر طرح کی بات سُن لیتا ہے ایسے وہ اس سے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو کسی معاملہ کی سمجھ بوجھ نہیں معاذ اللہ بھولے بھالے ہیں جب انہیں کوئی ہمارے خلاف بات سنائے گا تو ناراض ہو جائیں گے لیکن جب ہم جا کر قسم کھائیں گے تو ہماری بات مان لیں گے یہ نہیں دیکھیں گے کہ ہم سچی قسمیں کھا رہے ہیں یا جھوٹی۔

رد وہابیہ دیوبندیہ اس سے کسی بیوقوف کا دماغ گواہی دے گا کہ آپ کو منافقین کی اس غلط روی کا علم نہیں تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ان کی ایسی شرارتوں کا علم تھا لیکن ظاہر نہ کرتے۔ اس کی چند وجوہ تھیں جو صاحبِ روح البیان نے بیان فرمائی ہیں کہ:

لانه علیه السلام کان لا یواجهم بسوء ما صنعوا ویصفح عنهم حلما وکرما۔	حضور علیہ السلام منافقین کی برائی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ ان کے سامنے حوصلہ اور کرم فرمائی سے پیش آتے۔

(روح البیان ص ۹۱۷، ج ۳ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

البتہ آپ کی اس طرز سے لاعلمی کا قول منافقین نے کیا جیسے آج وہابی دیوبندی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ

فظن اولئك انه علیه السلام انما یفعله لقلة فطنة وقصور شهامة۔	ان منافقین نے سمجھ رکھا تھا کہ ہمارے لیے چشم پوشی نہیں بلکہ سرے سے نبی علیہ السلام کو علم نہیں ہوتا۔ (معاذ اللہ)

قُلْ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ وہ خیر کا کان تمہارے لیے ہے یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے رجل صدق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ واقعی وہ کان تو ہیں لیکن ان کا ایسا ہونا نہایت ہی بہتر ہے اس لیے کہ جو کسی کا عذر سُن کر قبول نہ کرے۔ لیکن محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ ان کے کریم اور حسن خلق ہونے کی ترجمانی کرتی ہے۔

اہلسنت کا طریقہ آیت میں جس لفظ کو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب بنا کر پیش کیا بعینہٖ اسی لفظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ستائش اور ان کا اعلیٰ وصف ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا[1]۔

یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ اذن خیر لکم کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اپنے دلائل قویہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم سُن کر قبول کرتے ہیں اور وہ نہ صرف مخاطبین کے لیے بلکہ جملہ عالمین کیلئے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الحمد للہ یہی طریقہ ہم اہلسنت نے اپنایا ہے کہ ہم اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اداۓ حق مانتے ہیں بخلاف دیوبندیوں وہابیوں کے کہ حضور علیہ السلام کی ہر اعلیٰ اور بہتر صفت کو گھٹیا طرز میں بیان کرتے ہیں؛ ع

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا (اویسی غفرلہٗ)

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۳﴾ يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾

(ان آیات کا تعلق اکثر منافقین سے ہے)

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کرلیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کرتے اگر وہ واقعی مومن تھے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ منافق خوف زدہ ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جو انہیں منافقین کی دل کی پوشیدہ بات بتادے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے کہ اے منافقو! تم استہزاء کرتے رہو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ظاہر کرے گا جس سے تم خوف زدہ ہو۔ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ منافقین سے پوچھیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی مذاق کرتے تھے آپ فرمایئے کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہنسی کرتے ہو اے منافقو! بہانے نہ بناؤ بیشک تم مومن تھے تو اب کافر ہوگئے۔ اگر ہم تمہارے بعض کو معاف بھی کردیں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) خیر ہیں جیسا کہ آپ کا خیر ہونا کسی سے مخفی نہیں وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اور اہل ایمان کے اقوال کو مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ انہیں یقین ہے کہ اہل ایمان کی ہر بات مبنی بر صدق اور پُر از اخلاص ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مومن مخلص جس بات کی خبر دے گا وہ حق اور سچ ہوگی جو اسے سن کر قبول کرے گا وہ اذن خیر ہوگا، لام زائدہ ہے تاکہ ایمان معروف (جو کہ دائمی جہنم میں داخل ہونے سے نجات والا اور کفر کا نقیض ہے) اور ایمان لغوی کے درمیان فرق ہو ایمان معروف باء سے متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً اٰمن باللہ اور یؤمنون بالغیب، اور لغوی ایمان بمعنے تصدیق وتسلیم وقول یہ لام سے متعدی ہوتا ہے مثلاً وما انت بمؤمن لنا ای بمصدق وَرَحۡمَةٌ اس کا عطف اذن خیر پر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں اور مصدر مبالغۃً لایا گیا ہے یعنی رحمۃ بمعنے رحیم۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ

(باقی برصفحہ آئندہ)

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تمہارے میں سے ایمان ظاہر کیا، اس سے منافقین مراد ہیں یعنی چونکہ منافقین نے ایمان کا سہارا لیا اس لیے حضور علیہ السلام ان کی بات مان لیتے ہیں لیکن ان کی تصدیق کے طور پر نہیں بلکہ ان پر ایمان کی وجہ سے شفقت کے طور پر اور ان پر رحمت بن کر ان کی شرارتوں کو جاننے کے باوجود ان کے اندرونی امور ظاہر نہیں فرماتے اور نہ ہی ان کے پردے فاش کرتے ہیں۔

کاشفی نے لکھا کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے حالات سے بے خبر تھے اور انہیں ان کے سچ اور جھوٹ کا علم نہ تھا بلکہ انہیں منافقین کے تمام حالات معلوم تھے لیکن آپ ان کے ظاہری ایمان کی لاج رکھتے ہوئے ان کی پردہ دری بھی فرمانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ہر معاملہ میں نرمی فرماتے (اس سے وہابیوں دیوبندیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس دلیل سے بار بار کہتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لاعلمی سے منافقین سے نیک برتاؤ کرتے۔

سبق: ہر مومن پر لازم ہے کہ پردہ پوشی میں حضور نبی علیہ السلام کی سیرت اپنائے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ اور وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قولاً و فعلاً ایذاء دیتے ہیں۔
لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء دینے کے۔

ف: اس لیے کہ حضور سرورِ عالم ان کے لیے رحمت و احسان فرماتے تھے اور وہ بدبخت منافق ان کے عوض انہیں ایذاء دیتے۔ اسی لیے خونخواروں ظالموں کو دردناک عذاب کا ہونا لازمی امر ہے۔

تفسیر عالمانہ

شانِ نزول: یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ منافقین کی عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام کی جی بھر بدگوئی کرتے پھر اہلِ ایمان کے ہاں قسمیں کھا کر معذرتیں کرتے اور انہیں ہر طرح راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ اے مسلمان بھائیو! ہم نے بالکل نہیں کہا جو کچھ تمہیں ہمارے متعلق کہا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں سراسر غلط ہے۔ اس پر بڑی بڑی قسمیں کھا جاتے۔ لِیُرْضُوْکُمْ تاکہ وہ تمہیں اس پر راضی کریں وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ منافقین اپنے کفر سے تائب ہوں اور طعن و تشنیع بالکل ترک کر دیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غائبانہ ان کے اجلال و اکرام اور تعظیم و تکریم میں مبالغہ کریں۔[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر قبول کر لینا یا ان کے عیوب پر پردہ ڈالنا ان کی رضا کی علامت نہیں ہے وہ تو ان کی شانِ رحیمی ہے، منافقین کو چاہیے کہ اگر واقعی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو وہی کریں جو ہم نے

---

[1] اس مبالغہ سے آج بھی [illegible] دیوبندی گھبراتے ہیں بلکہ ہم اہلسنت کو نبی علیہ السلام کی جائز تعریف کرنے پر غالی ہونے کا طعنہ دیتے ہیں ۱۲۔

اوپر کہا ہے۔

سوال : یرضوہ کی ضمیر واحد کیوں ؟

جواب : ۱۔ اس میں اشارہ ہے کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے، ان دونوں میں فرق کرنا کسی بد دماغ کا تصور ہوگا اس لیے کہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں لہٰذا ایک کے ذکر سے دوسرے کا ذکر لازمی ہوجاتا ہے کیونکہ ان کا آپس میں جدا ہونا ناممکن ہے۔

۲۔ یہ ضمیر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اس لیے کہ وہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے تو ان کا راضی کرنا بھی ضروری ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی محض تبرکاً ہے۔

۳۔ یہ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے تاکہ معلوم ہو کہ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے حق ہے، اس لیے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے رضائے الٰہی خود بخود معلوم ہوجائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا "واذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم" اور جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مابین فیصلہ فرمائیں اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کا ذکر ہے اس میں بھی یہی تنبیہ مطلوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

۴۔ یہ ضمیر تو دونوں کی طرف راجع ہے لیکن اسے ھذا کے معنی میں استعارہ کیا گیا ہے اور ھذا کا واحد اور متعدد کی طرف اشارہ جائز ہے لیکن اس مشارٌ الیہ کو مذکور کی تاویل میں واحد تصور کیا جاتا ہے جب مشار الیہ متعدد ہو۔

سوال : جب مشار الیہ کو مذکور کی تاویل میں لیا جاتا ہے پھر ضمیر کو ھذا کے معنی میں استعارہ کا کیا معنیٰ ؟

جواب : ضمائر کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف ذات تک محدود رہتی ہیں انہیں مذکورہ اشیاء کے اوصاف سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف اسم اشارہ کے کہ اس کا تعلق اشیاء مذکورہ کے اوصاف سے ہوتا ہے۔

ف : حدادی نے لکھا کہ اگرچہ نحوی قاعدہ کا تقاضا یہی تھا کہ یرضوہ، یرضوھما ہونا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا کنایہ لانا مکروہ ہے جو ایک ہی جنس کے دونوں کو اکٹھا کر دے۔

حدیث وحکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب سے سُنا جس نے خطبہ میں پڑھا : "من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فقد غوی۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا : بئس الخطیب انت۔ تو بُرا خطیب ہے۔ تیرے لیے لازم تھا کہ تُو کہتا ، و من یعص اللہ و رسولہ۔ (کذا فی ابکار الافکار)

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ دوسرے کے نام کو جمع کرنے سے کراہت

ظاہر فرمائی کہ ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو ملایا جائے، تاکہ کسی کو برابری کا وہم نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؛

متکلم را تا کسے عیب نگیرد سخنش صلاح نپذیرد۔ ؎

مشو غرہ بہ حسن گفتار خویش
بتحسین ناداں و پندار خویش

ترجمہ، متکلم کو جب تک عیب کی نشاندہی نہ کی جائے وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔

اپنی اچھی گفتار پہ مغرور نہ ہو جب کہ بیوقوف تیری تعریف کریں یا تمہیں اپنی باتوں پر خوش فہمی ہو۔

حدیث شریف دیُوں نہ کہو ماشاء اللّٰہ و شاء فلان۔ اللہ تعالیٰ اور فلاں جو کچھ چاہے گا۔ بلکہ کہو ما شاء اللّٰہ ثم شاء فلان۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ پھر فلاں چاہے گا۔

مسئلہ، خطابی نے فرمایا؛ اس میں ادب سکھایا گیا ہے اس لیے کہ واو تنسویہ و تشریک کا فائدہ دیتی ہے اور ثم عطف مع ترتیب وتراخی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے مشیت میں پہلے اللہ تعالیٰ اس کے بعد کسی دوسرے کا نام لینے کا ادب سکھایا ہے۔ اس معنی پر نخعی نے کہا؛ اعوذ باللّٰہ وبك کہنا مکروہ ہے، ہاں اعوذ باللّٰہ ثم بك بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح لولا اللّٰہ ثم فلان کہنا جائز ہے اور لولا اللّٰہ و فلان کہنا ناجائز ہے۔

سوال؛ ومن یطع اللّٰہ ورسولہٗ قرآنی نص یہ کیوں جائز ہے حالانکہ اس میں بھی مذکورہ بالا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

جواب؛ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم بندوں کے لیے عبادت ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ اطاعت رسول بھی درحقیقت عبادت الٰہی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی درحقیقت اطاعت الٰہی ہے۔

اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ اگر وہ سچے ہیں اظہار ایمان میں، تو ان پر فرض ہے کہ طاعتِ رسول بجا لائیں اور ایمان میں اخلاص پیدا کریں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا کیا انہیں معلوم نہیں یعنی منافقین کو، یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے انہیں نبوت کے متعلق عظمت گھٹانے پر جھڑکا گیا ہے باوجودیکہ انہیں اس کی بدانجامی معلوم تھی اَنَّہٗ بیشک شان یہ ہے کہ مَنْ یہ شرطیہ ہے یعنی ہر وہ شخص جو کہ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتا ہے اور ان کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے المحادۃ کسی سے جنگ یا کسی کے حکم کے خلاف کرنا کذا فی تاج المصادر مفاعلہ اس کا مادہ الحد بمعنے الطرف والنہایۃ اور چونکہ ہر دو مخالف و معاند اپنے خصم کی حد و طرف کے غیر کی جانب ہوتا ہے۔ بنا بریں اسے "المحادۃ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ ان کے ہمزہ کو مفتوح پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی پس

ایسے نالائق کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا جہنم کی آگ ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ۝ وہی دائمی عذاب بہت بڑی ذلت وخواری ہے جس سے انہیں ہمیشہ رسوائی وندامت نصیب ہوگی۔ یہ تمام خرابی انہیں منافقت کی وجہ سے حاصل ہوئی کر کھلم کھلا ہر ایک کے سامنے ان کی رسوائی کا اظہار ہوا اور آخرت میں خصوصی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف : ہر نبی علیہ السلام اپنے زمانے کے کفار سے ایذاء دیے گئے۔ لیکن کفار نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ستایا۔ چنانچہ خود فرمایا :

"ما اوذی بعض مثل ما اوذیت" جتنی مجھے اذیت دی گئی اتنی اذیت کسی نبی علیہ السلام کو نہیں پہنچی ہوگی۔

نکتہ : چونکہ ایذاء سے تصفیۂ قلب ہوتا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کو اذیتیں پہنچنا لازمی امر تھا۔ (اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا اعتراض اٹھ گیا کہ انبیاء علیہم السلام کو کچھ اختیار ہوتا تو اپنے دشمنوں سے کیوں مار کھاتے) (معاذ اللہ)

سوال : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے موقع پر مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ پر ایک منافق نے بے انصافی کا الزام لگایا۔ آپ نے منافق سے اتنا فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کون انصاف کر سکتا ہے"۔ اس کے بعد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحمتیں نازل فرمائے وہ میرے سے زیادہ ایذاء دیے گئے۔ لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا"۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سے ایسی ایذاؤں کے صبر میں موسیٰ علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی اور اوپر کی حدیث سے حضور علیہ السلام اپنی فوقیت کا اظہار فرما رہے ہیں۔

جواب : موسیٰ علیہ السلام کو ایک واقعہ کے بعد فوقیت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک واقعہ کی فوقیت کلی فوقیت سے ترجیح نہیں پاتی۔ اور حدیث اول میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر کفار کی اذیتیں مجموعی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی اذیتوں سے زیادہ تھیں[1]۔

ف : جب انبیاء علیہم السلام کی اذیتیں تصفیۂ قلوب کا سبب ہیں تو اولیائے کرام کے لیے بطریق اولیٰ تصفیۂ قلوب ہوں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب انور، اطہر، اصفیٰ ہوتے ہیں انہیں اتنی ضرورت نہیں ہوتی جس قدر حضرات اولیاء کرام کو تصفیہ کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام پر تقدس اغلب اور ان کے بواطن واسرار اصفیٰ ہوتے ہیں بخلاف اولیاء کرام کے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام کے درجات کہاں۔ بنا بریں انہیں کبھی کسی شہادت سے، کبھی شہر نکالی سے، کبھی کسی مصیبت سے تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

---

[1] یہی جواب دیوبندیوں وہابیوں کے ان اعتراضات پر صادق آتا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے علمِ غیب اور نفی اختیار میں جزئیات و واقعات کا سہارا لیتے ہیں اور ہم بفضلہ تعالیٰ آیات و احادیث کلی طور پر پیش کرتے ہیں۔

تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

مختار کل اور جواب وہابیت دیوبندیت

وہابی دیوبندی ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اگر اختیار ہوتا تو اپنے نواسوں کو بچا لیتے۔ اس کے متعلق صاحب روح البیان پہلے جواب دے گئے ہیں؛

وانما کان الحسن مسموما والحسین مذبوحا رضی اللہ عنہما لسبب ان کمال تعینہما کان بالشہادۃ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قادرا علی تخلیصہما بالشفاعۃ من اللہ تعالیٰ ولکنہ رای کمالہما فی مرتبتہما راجعا علی الخلاص۔

حضرت حسن کی زہر خوری اور حضرت حسین کی شہادت میں کمال تھا اور حضور علیہ السلام ان کے معاملات کو جانتے اور قدرت رکھتے تھے کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ سے شفاعت کر کے بچا لیتے لیکن چونکہ ان کا کمال اسی میں تھا اس لیے آپ نے شفاعت نہ کی۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۱۸ مطبوعہ مصر قدیم تحت آیت ہذا)

اور یہ بھی (وہابیہ دیوبندیہ) کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو حسنین رضی اللہ عنہما کا علم بھی نہ تھا۔ اس کا جواب بھی صاحب روح البیان عنایت فرماتے ہیں کہ؛

حتی انہ علیہ السلام دفع قارورتین لواحدۃ من الازواج المطہرۃ وقال اذا اصفر ما فی احدا ہما یکون الحسن شہیدا بالسم واذا احمر ما فی الاخری یکون الحسین شہیدا بالذبح فکان کذلک۔ (ایضاً ج ۱، ص ۹۱۸)

یہاں تک کہ آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو دو شیشیاں عنایت فرمائیں اور فرمایا جب ان میں ایک زرد ہو جائے تو سمجھنا کہ حسن کو زہر دی گئی۔ اور جب دوسری سرخ ہو جائے تو یقین کرنا کہ حسین کی شہادت ہو گئی کہ ان کی گردن اتار لی گئی۔

سبق؛ عاقل پر اطاعت و تسلیم لازمی ہے اور اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر کم بخت منافق کی باتوں سے حوصلہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر متقی مومن کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہو جب اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ ہے اور اس کے ہر دکھ اور درد کو کھولنے والا ہے تو پھر کیوں نہ عاشق صادق پر ہر مصیبت اور بلا آسان ہو بلکہ اس کے لیے وہ مصائب و مشکلات راحت و سرور اور کیف و مستی کا موجب بنیں گے۔ مثنوی شریف میں ہے؎

ہر کجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا گر بود سم الخیاط
ہر کجا کہ یوسفے باشد چو ماہ جنت ست او گرچہ باشد قعر چاہ

ترجمہ؛ جہاں بادشاہ کی اقامت گاہ ہو وہ خوش منظر میدان ہو گا اگرچہ بظاہر جنگل یا تنگ جگہ ہو جہاں یوسف علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں وہ جگہ بہشت ہو گی اگرچہ کنوئیں کا گڑھا ہو۔

یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ منافقوں کو خطرہ ہے کہ اہل ایمان پر نازل ہو جائے **سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ**

ایسی سورۃ کہ انہیں با خبر کرے۔ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اس سے جو ان کے دلوں میں ہے یعنی منافقین کے دلوں میں جو شرک و نفاق ہے جس سے انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑے اور ان کے پردے فاش ہو جائیں۔ اس جملہ میں پہلے ھُمْ ضمیر اہلِ اسلام کے لیے اور پچھلا منافقین کے لیے ہے۔

سوال: اس طرح سے انتشار الضمائر لازم آتا ہے اور نحویوں کے نزدیک مکروہ ہے۔

جواب: انتشار الضمائر اس وقت مکروہ ہے جب معاملہ مبہم ہو۔ اور جب معاملہ اظہر من الشمس ہو تو پھر کسی قسم کی کراہت نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے تمام ضمائر منافقین کی طرف لوٹائے ہیں اب معنیٰ یہ ہوگا کہ منافقوں کو خطرہ رہتا ہے کہ ان کے متعلق کوئی ایسی سورۃ نہ نازل ہو جائے جو ان کے اندرونی حالات کو عوام کے سامنے کھول دے۔

سوال: سورۃ تنبئهم کی ضمیر اگر منافقین کی طرف لوٹائی جائے تو معنیٰ نہیں بنتا اس لیے کہ وہ سورۃ منافقین کو کیا خبر دے گی جبکہ وہ خود پہلے سے باخبر ہیں کیونکہ ان کا اپنا اندرونی معاملہ ان کو معلوم ہونا لازمی امر ہے۔ اس طرح سے یہ ضمیر تو خواہ مخواہ ہی اہلِ ایمان کی طرف راجع ہو تب معنیٰ صحیح ہوگا۔ پھر جب معنیٰ صحیح ہوگا تو وہی خرابی لازم آئے گی یعنی انتشار الضمائر۔

جواب: منافقین کو معلوم کرا دینے کا یہ معنیٰ نہیں کہ انہیں معلوم نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ ان کے حالات آیت اور سورۃ کے بیان کرنے سے عوام میں پھیل جائیں گے۔ پھر وہ عوام سے اپنے حالات وغیرہ سنیں گے تو گویا وہ اپنے حالات ابھی سن رہے ہیں ان کا اپنا علم سابق کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

سوال: منافقین کو سورۃ کے نزول سے خطرہ کیوں جبکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہی نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی وحی نازل ہوتی ہے۔

جواب ۱: منافقین میں بعض افراد ایسے بھی تھے جنہیں نبی علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا لیکن عناداً یا کفار کی خوشامد کے طور پر آپ کی نبوت کا اقرار (تصدیق) نہیں کرتے تھے اور کفار کے سامنے تحقیقی طور پر کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں حضور علیہ السلام کی نبوت پر شک اور تردد تھا اور شک کرنے والا اور متردد کبھی ایسی باتوں سے گھبراتا ہے کہ ممکن ہے ان پر وحی کا نزول ہو جائے کہ جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو اور وہ عوام کے سامنے شرمسار ہوں۔

جواب ۲: ابو مسلم نے فرمایا کہ وہ اس گھبراہٹ کا اظہار بطور استہزاء کرتے تھے اس لیے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات سنتے جو آپ فرماتے کہ یہ حکم وحی الٰہی ہے تو وہ استہزاء یعنی ٹھٹھا مخول کے طور پر آپس میں کہتے کہ یارو! ڈرو شاید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسی وحی نازل ہو جائے جس سے ہمیں شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے۔ اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمایئے کہ ٹھٹھا مخول کر لو۔ یہ امر تہدیدی ہے یعنی بیشک ٹھٹھا کرو، لیکن اس کی سزا کے لیے بھی تیار ہو جاؤ اور وہ سزا یہی ہے کہ تم عوام کے سامنے شرمسار اور رسوا ہو گے۔ اِنَّ اللّٰهَ

مُخْرِجٌ بے شک اللہ تعالیٰ نکالے گا یعنی قوۃ سے فعل کی طرف یا کتم سے ظہور کی طرف مَّا تَحْذَرُوْنَ ○ جس سے تم ڈرتے ہو، مثلاً سورۃ کا انزال وغیرہ یا وہ تمہارے عیوب جن کا اظہار تم نہیں چاہتے جیسے تمہاری منافقت وغیرہ۔ اس بناء پر اس سورۃ کا نام "الفاضحہ" ہے اس لیے کہ اس کے مضامین سے منافقین کو سخت رُسوائی اور شرمساری ہوئی اور اس کا نام "الحافرہ" بھی ہے اس لیے کہ اس نے منافقین کے دلوں بلکہ بھید کھود کر باہر پھینک مارے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ اگر ان سے ان باتوں کے متعلق پوچھو جو بطور ٹھٹھا مخول کہا کرتے تھے لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ تو کہیں گے بیشک ہم دل لگی کرتے تھے۔ جیسے سوار راستہ طے کرنے کے لیے ایک دوسرے سے دل لگی کرتے ہیں وَنَلْعَبُ ط اور ہم ہنسی مذاق کرتے تھے جیسے بچے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

شانِ نزول غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تمسخراً کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آجائیں گے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں کو سُن کر ہنستا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لیے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر وحیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لیے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ان باتوں سے نہ ہمیں آپ کی تحقیق مطلوب تھی اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام کی بدگوئی مقصود تھی جب انہوں نے سراسر ایسی باتوں کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ قُلْ فرمائیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں جھڑک دے کر فرمائیے اب ان کے کسی عذر کو نہ مانیے اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے ہو۔ مستہزأ بہ کو صرف تقریر کے بعد لانے میں اشارہ ہے کہ ان سے لازماً استہزاء واقع ہو چکا اور تستھزئ باللہ اور اباللہ تستھزئ میں اس لیے فرق کیا گیا ہے کہ پہلے جملے میں استہزاء کے ملابست کا انکار ہے دوسرے جملے میں استہزاء فی اللہ کے ایقاع کا انکار ہے لَا تَعْتَذِرُوْا اعتذار میں مشغول نہ ہو جاؤ اس لیے کہ تمہارا معاملہ معلوم الکذب اور بیّن البطلان ہے۔

حل لغات: الاعتذار بمعنے محو اثر الذنب یعنی گناہ کے اثر مٹانے کو اعتذار کہا جاتا ہے۔ تبیان میں ہے کہ الاعتذار دراصل القطع کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے اعتذرت الیہ قطعت ما فی قلبہ من الموجدۃ یعنی اس کے دل پر جو میری وجہ اثر تھا اسے میں نے کاٹ ڈالا۔

قَدْ كَفَرْتُمْ بے شک تم کافر ہو گئے اس کفر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء اور ان پر طعن وتشنیع مراد ہے

لے اس آیت سے ثابت ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کفر ہے جس طرح بھی ہو اس کا عذر قبول نہیں۔

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تمہارے ایمان لانے کے بعد یعنی ایمان ظاہر کرنے کے بعد۔

سوال: تم نے ایمان کی تاویل اظہارِ ایمان سے کیوں کیا؟

جواب: ظاہر ہے کہ منافقین کسی حد تک مومن نہیں تھے وہ صرف ایمان ظاہر کرتے تھے۔ اب ان کے اظہارِ ایمان کا بھانڈا پھوٹا اسی لیے ہم نے اسے اظہارِ ایمان سے تعبیر کیا ہے۔

اِنْ نَّعْفُ اگر ہم معاف فرمائیں عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ تمہارے ایک گروہ کو ان کی توبہ و اخلاص یا اذیت استہزا سے بچنے کی وجہ سے نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ ہم دوسرے گروہ کو عذاب دیں اس سبب سے کہ بیشک وہ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ مجرم تھے یعنی اپنے جرم پر اصرار کرنے والے تھے اور توبہ کا نام تک نہ لیتے یا جرم کا ارتکاب کر کے جرائم و قصور سے بچنے کا نام تک نہ لیتے۔

فائدہ: جب منافقین کی منافقت کھل گئی تو لوگوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ انہیں قتل کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لے گا انہیں کچھ نہیں کہنا تا کہ اہلِ عرب (کفار و مشرکین وغیرہ) کو مشہور کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے والوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔

مسائلِ فقہیہ

مسئلہ: منافقین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی اور آپ کی نبوت پر اعتقاد رکھنے کے باوجود انہیں ایمان نے فائدہ نہ دیا صرف اس لیے کہ ان کے قلوب نبی علیہ السلام کے اعزاز و اکرام سے یکسر خالی تھے۔

مسئلہ: خوف و خطر سے تقدیرِ ربانی نہیں ٹلتی جیسا کہ منافقین نے جو نہی خوف کھایا کہ ان کے خلاف کوئی آیت نہ نازل ہو لیکن ان کی اندرونی خباثتوں سے نہ صرف ایک بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا: کسی کی کوشش کام نہیں آتی جب تقدیرِ ربانی کا نزول ہو جائے۔

مسئلہ: جو شخص اگرچہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہے لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے کافر ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہ۔ (یعنی کسی بھی نبی علیہ السلام کی معمولی گستاخی اور بے ادبی قابلِ معافی نہیں۔

قادیانی (احمدی) کافر ہیں

جو شخص عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الرسل ہیں یا نہ یعنی ان کی ختمِ نبوت کے متعلق تردد کرے اور شک کرے کہ ان کا دین قیامت تک تمام ادیان کا ناسخ ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم کسی سبب کا محتاج نہیں وہ بلا سبب بھی ہوتا ہے اور قہر و غضب نازل نہیں ہوتا جب تک کوئی سبب نہ ہو۔ کما قال بانہم کانوا مجرمین۔

مثنوی شریف میں ہے:

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش ۔۔۔ زانکہ تخمست و برویاند خداش

چند گاہے او بپوشاند کہ تا | آیدت زاں بد پشیمان و حیا
بار ہا پوشد پے اظہار فضل | باز گیرد از پے اظہار عدل
تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود | آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ: تمہارے سے جب غلطی ہو تو خدا سے ڈرو اور بے غم نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہی پیدا کرے گا جیسا تیرا ہوگا۔ وہ تیرے گناہ اس لیے چھپاتا ہے کہ کہیں تم حیا کرکے تائب ہو جاؤ۔ جب تم ڈرو گے اور تائب ہو گے تو تمہارے لیے فضل رب مبشر ہوگا اگر خوف نہ کرو گے تو عدل الٰہی تیرے لیے منذر ہوگا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی آیات سے ٹھٹھا مخول کرنا کفر ہے۔

ف: بطور حقارت کسی کے عیوب قولاً فعلاً بیان کرنے کو شرعاً و عرفاً استہزاء کہا جاتا ہے کبھی اشارہ وایماً سے بھی استہزاء ہوتا ہے اور کبھی اُس کے کلام پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے جب اس کے کلام میں خبط ہو یا کلام میں غلط بیانی کرے اور کبھی اس کی صنعت (کام وغیرہ) پر بھی استہزاء کیا جاتا ہے بہرحال اور بہرصورت استہزاء بالاجماع حرام ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی منظومہ میں لکھا کہ کبائر ستر ہیں منجملہ ان کے استہزاء بھی ہے کما قال: ؎

ویل لمن من الانام یسخر
مقامه یوم الجزاء سقر

ترجمہ: اسے بڑی خرابی ہے جو لوگوں پر ہنستا ہے اور قیامت میں اس کی جگہ جہنم ہے۔

ف: لیکن عام استہزاء گناہ کبیرہ نبوت اور الوہیت وولایت اور آیات قرآنیہ سے تو کفر ہے۔

حدیث شریف: استہزاء کرنے والوں کے لیے بہشت کا دروازہ کھول کر کہا جائے گا کہ آؤ اس میں داخل ہو جاؤ، جب وہ اس دروازے کے قریب آئیں گے تو دروازہ بند کرکے کہا جائے گا فلاں دوسرے دروازے سے جاؤ۔ وہاں بھی غم اور درد لیکر پہنچیں گے تو وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا۔ اسی طرح متعدد بار ہوگا جب وہ تنگ آجائیں گے آخر میں بہشت کے کسی بھی دروازے سے بلایا جائے گا تو ناامیدی کی وجہ سے نہیں جائیں گے۔

دورِ حاضرہ کے نامہذب مغربیت زدہ مسلمان | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تین بزرگوں سے ٹھٹھا مخول صرف منافق کرتا ہے۔
۱۔ سفید ریش ۲۔ عالم دین ۳۔ امام عادل (نیک والی افسر)
(کذا فی الترغیب والترہیب)

---

[1] ان جملہ صورتوں پر دیوبندی وہابی، مودودی اپنی تحریروں پر غور کریں کیا انہوں نے اپنی تحریروں میں انبیاء و اولیاء بالخصوص حضور علیہ السلام پر تو استہزاء نہیں کیا۔

فائدہ: ان تینوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ اوصاف درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ہیں اگرچہ ایک انسان سے استہزاء کیا جارہا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے ٹھٹھا مخول ہے سفید ریش سے اس لیے کہ بڑھاپے کو عربی میں کبرالسن کہا جاتا ہے اور کبر کبریائی پر دلالت کرتا ہے اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ اور عالم دین علم سے موصوف ہے۔ اور امام عادل (نیک دل افسر) عدل سے موصوف ہے۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اس سے نتیجہ نکلا جو شخص ان تینوں بزرگوں کی تعظیم وتکریم کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال کے سامنے سر جھکاتا ہے اور جو ان کی تحقیر کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی شان اقدس پر حملہ کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذلیل قوم کے اندر عزت والے بزرگ پر اور مفلسوں میں بسر کرنیوالے دولت مند پر اور جاہلوں میں عالم دین کے رہائش رکھنے پر رحم کرو اس لیے کہ ان حضرات کی یہ لوگ قدر نہیں جانتے۔ (جیسے آج کل ہو رہا ہے بالخصوص علمائے دین سے کہ انگریزی دان اور دنیا دار طبقہ عموماً علمائے کرام کو نہایت ہی ذلیل انسان سمجھتا ہے)

ے

گفت پیغمبر با ایں سہ گروہ — رحم آرید دستگیر ز کوہ
آنکہ او بعد از عزیزے خوار شد — واں تونگر ہم کہ بے دینار شد
وآں سوم از عالمے کاندر جہاں — مبتلا گردد میان ابلہاں
زانکہ از عزت بخواری آمدن — ہمچو قطع عضو باشد ز بدن

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ کو رحم آتا ہے، ان کی مدد کرو اگرچہ وہ پہاڑوں میں ہوں:

- بلند مرتبہ کے بعد ذلت وخواری کا شکار ہو جائے۔
- وہ دولت مند جو گردشِ زمانہ سے تنگدست ہو جائے۔
- وہ عالمِ دین جو نااہل لوگوں میں رہتا ہو اس لیے کہ عزت کے بعد خواری میں ہونا ایسے ہے جیسے کسی زندہ انسان کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔

صحابہ کرام کا ایک دوسرے کا ادب

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہو کر ان کے رکاب کو درست کرنے لگے تو انہوں نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! ایسا مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ایسے حکم ہوا ہے کہ ہم بڑوں کا ادب کریں۔ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ مبارک دکھائیے۔ انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دے دیا اور عرض کی کہ ہم بھی ایسے ہی مامور ہوئے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ
الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ ...)

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں تمام ایک جیسے ہیں برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے نظرِ کرم ہٹالی اور بیشک منافق فاسق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا وعدہ دیا ہے جس میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے اور یہی دوزخ کی آگ انہیں کافی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور انہیں دائمی عذاب ہوگا۔

جیسے وہ لوگ جو تمہارے سے پہلے ہو گزرے ہیں وہ طاقت و قوت میں تم سے زیادہ تھے اور وہ مال اور اولاد میں بھی تم سے بڑھ کر تھے انہوں نے اپنے حصّہ سے خوب فائدہ اٹھایا تو تم نے اپنے حصّہ سے فائدہ حاصل کیا اور تم بھی بیہودگی میں گھسے جیسے وہ گھسے تھے۔ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضایع گئے اور وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔

کیا ان کے ہاں پہلے لوگوں کی خبر نہیں آئی یعنی نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے رسل کرام علیہم السلام کی روشن دلیلیں لے کر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اہل بیت سے ایسے ہی کریں[1]

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] اس سے اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو آپس میں کتنی محبت اور پیار تھا لیکن شیعہ پارٹی نے غلط تاثر دے کر ان کا آپس میں بغض و عداوت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا رد بھی ہو گیا کہ بزرگانِ دین کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے۔

مسئلہ: اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

مسئلہ: جس طرح حضور علیہ السلام کی جسمانی اولاد کی تعظیم ضروری اور لازمی ہے ایسے ہی آپ کی معنوی اولاد کی تعظیم بھی فرض ہے اور آپ کی معنوی اولاد وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال کی اقتداء کی یعنی علماء باعمل اور مشائخ اولیائے شرع[1] ان کی تعظیم بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور ان کی تحقیر وتضحیک دراصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحقیر وتضحیک ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وہ منافق مرد جن کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں اس آیت کے نزول کے وقت تین سو تیرہ تھی وَالْمُنٰفِقٰتُ اور منافق عورتیں جن کی تعداد ستر تھی بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ نفاق اور اسلام سے دوری میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جیسے ایک شخص کے جسم کے کئی اجزاء ہوتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ بظاہر کئی جسم اور درحقیقت منافقت میں یکجان ہیں يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وہ برائی یعنی کفر ومعاصی کا حکم دیتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ اور نیکی یعنی ایمان وطاعت سے روکتے ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید کر کے اہل النفاق اور ایمان والوں کی مخالفت اور ضدیات کو واضح کرتا ہے۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اور اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اور صدقہ اور ہر خیر میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں۔

سوال: قبض الید سے تم نے بخل مراد کیسے لے لیا؟

جواب: اس لیے کہ عموماً قبض الید سے بخل مراد لیا جاتا ہے یا قبض الید سے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا، اور مناجاۃ مراد ہے۔ (کذا فی الکاشفی)۔

نَسُوا اللّٰهَ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا یہاں تک کہ بالکل غافل ہو گئے ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے یعنی نسیان بمعنے ترک۔

سوال: نسیان بمعنے ترک تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب: چونکہ نسیان افعال غیر اختیاریہ سے ہے اور ان کا یہ فعل اختیاری تھا اس لیے مجازاً نسیان بمعنے ترک ہے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسے ترک کر دیا گویا وہ ان کے اذہان میں سے ہی نہیں۔

فائدہ: اگر نسیان اپنے معنے میں ہوتا تو ان کی مذمت کیسی۔ جبکہ کسی کی مذمت اس کے اختیاری فعل پر کی جاتی ہے۔

فَنَسِيَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا یعنی اپنے لطف وکرم اور فضل واحسان سے چھوڑ دیا یہاں پر نسیان بمعنے ترک قہر وتعذیب مراد نہیں۔

---

[1] موجودہ دور کے بعض نامور پیر جو شرع مطہرہ کے خلاف عمل کے باوجود ولایت کے مدعی بنتے ہیں۔ ١٢

سوال: یہاں پر نسیان بمعنے ترک کیوں مراد لیا گیا ہے؟
جواب: چونکہ نسیان کا حقیقی معنی مراد لینا محال ہے اس لیے مجازاً بمعنے ترک استعمال کیا گیا ہے۔
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ بیشک منافق وہی فاسق یعنی وہ تمرد اور سرکشی میں کامل ہیں اور الفسق بمعنے الخروج عن المطاعۃ ہے یعنی کسی کی طاعت اور ہر خیر سے نکل جانا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور منافقات سے وعدہ فرمایا ہے۔

حلِ لغات: الوعد کا اطلاق امورِ خیر پر ہوتا ہے یعنی الاخبار بایصال المنفعۃ قبل وقوعہا، منفعت کے وقوع سے قبل، اس کے ملنے کی خبر دینا اور اس کا استعمال شر کے لیے بھی ہوتا ہے بمعنے الاخبار بایصال المضرۃ قبل وقوعہا یعنی نقصان کے پہنچنے سے قبل اس کی خبر دینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ خیرا و وعدتہ شرا۔ جب خیر و شر کا اعتبار ساقط ہو جائے تو خیر میں الوعد اور شر میں الایعاد اور الوعید بولتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: قد اوعدہ ویوعدہ۔ یعنی اسے عذاب کا ڈرسناتا ہے۔

وَ الْكُفَّارَ اور کافروں کو۔
سوال: منافقین بھی تو کافر ہونے میں پھر "الکفار" کیوں مذکور ہوا؟
جواب: چونکہ وہ اپنے کفر کو چھپاتے ہیں اس لیے الکفار علیحدہ مذکور ہوا تاکہ کھلم کھلا کفر کرنے والے بھی اس میں داخل ہوں۔
نَارَ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ۔ نار کے اسماء سے ایک جہنم ہے۔ گہرے گڑھے کو جہنم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل زبان ہر اس کنویں کو "بئر جہنام" کہتے ہیں جس کی گہرائی بہت دور تک ہو۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخت ڈراؤنی آواز سنی اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا: یہ کیسی آواز تھی؟ انہوں نے عرض کی: یہ اس پتھر کے ٹکڑے کی آواز ہے جو جہنم کے کنارے سے گرا اور آخری سطح پر ستر سال کے بعد پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی آواز آپ کو سنائے۔ یہ وہی آواز تھی۔ اس روز سے تا وصال آپ کبھی منہ بھر کر نہیں ہنسے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ منافقین و کفار اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کا جہنم میں ہمیشہ داخل رہنا مقدر ہو چکا ہے۔
هِيَ حَسْبُهُمْ یہ انہیں سزا اور عذاب کے لحاظ سے کافی ہے اس لیے کہ اس سے بڑی اور زائد اور کوئی سزا اور عذاب ہو سکتا ہے نہ ہوگا۔ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اور ان پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے، یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کرے اور انہیں ذلیل و خوار کرے۔ اس میں ان کے جہنم کے دائمی عذاب کے علاوہ دیگر ضمنی سزاؤں کا بیان ہے اگرچہ ان کے خلودِ نار کا عذاب بھی کافی ہے لیکن اس پر مزید عذاب میں مبتلا کیا گیا یعنی لعنت اور اہانت وغیرہ میں وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا یعنی ایسا عذاب کہ ان سے کبھی منقطع نہ ہوگا اس سے وہی عذاب مراد ہے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا یعنی نارِ جہنم کا دائمی

عذاب، اور یہ اس کی تاکید محض کے لیے مذکور ہوا، اس لیے کہ خلود اور دوام کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان لوگوں کی طرح جو تمہارے سے پہلے گزرے ہیں یعنی اے منافقو! تم ان لوگوں کی طرح جو امم مہلکہ میں سے تمہارے سے پہلے گزرے ہیں كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وہ جسمانیت اور طاقت وقوت کے لحاظ سے تمہارے سے سخت ترین تھے وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ط فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ اور اموال واولاد میں تمہارے سے زاید تھے پس تم دنیا میں ان کے نصیب سے نفع اٹھاؤ۔

ف: نصیب کو خلاق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ خلاق خلق سے مشتق ہے بمعنے التقدیر۔ اور ہر وہ خیر و بھلائی جو بندہ کے لیے مقدر ہوا سے نصیب کہا جاتا ہے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ کاف محلا منصوب ہے اس لیے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل استمتاعًا کاستمتاعهم یعنی تم نفع اٹھاؤ ان کے نفع اٹھانے کی طرح۔

سوال: آیت میں تکرار لازم آگیا اس لیے کہ پہلے جملے اور اس کا ایک مقصد ہے۔

جواب: اس میں تکرار نہیں اس لیے کہ فاستمتعوا بخلاقہم میں پہلے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے بایں معنیٰ کہ وہ حظوظ فانیہ میں مشغول ہو گئے اور ان کی مذمت مخاطبین کی مذمت کی تمہید تھی اس لیے کہ یہ ان کے نقش قدم پر چل گئے اس طرح سے ان کے حال سے مخاطبین کے حال کی تشبیہ دی گئی ہے۔

وَخُضْتُمْ اور تم باطل میں داخل اور شروع ہوئے كَالَّذِيْ اس فوج کی طرح خَاضُوْا ط جو باطل میں داخل ہوتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الذی دراصل الذین تھا تخفیف کے طور پر نون محذوف ہے اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جن کے اوصاف مذمومہ اوپر مذکور ہوئے یعنی کفار مخاطبین جو کہ مشبہ اور سابقہ امم مہلکہ مشبہ بہ کے صفات ذمیمہ پہلے بیان ہو چکے ہیں وہی۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا ہر اس مخاطب کو جو اس خطاب کے لائق ہے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ جن کے اعمال گر گئے۔ یعنی وہ لوگ جو اعمال صالحہ کے اجر وثواب کے مستحق تھے اگر ایمان کے ساتھ انفاق فی وجوہ الخیر وصلۃ الرحم و دیگر امور خیر بجا لاتے لیکن اب سب کے سب ضایع اور باطل ہو گئے۔ ان سے انہیں کسی قسم کا اجر وثواب نصیب نہ ہوگا فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا وآخرت میں۔ آخرت میں انہیں اجر وثواب کا نہ ملنا تو ظاہر ہے اور دنیا میں بایں طور کہ ان کے اعمال کی صحت اور وسعت اور ان کے اجر وثواب کا ترتب جو دنیا میں ہونا تھا وہ ضایع ہو گیا۔ جیسا کہ فرمایا: من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا ونرینتها نوف الیہم اعمالھم فیہا وھم فیہا لا یبخسون۔ اس آیت میں بھی دنیا میں ان کے اعمال کا انہیں اجر وثواب دینا بطور کرامت نہیں بلکہ استدراجاً ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ اور وہی لوگ جو دارین میں حبوط اعمال سے موصوف ہیں هُمُ الْخٰسِرُوْنَ○ وہی خسارے والے ہیں یعنی دارین میں حبط اعمال کے لحاظ سے وہی کامل فی الخسران ہیں۔ خسارے کے جملہ اسباب انہی میں پائے جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے اگر صرف نفع ونقصان کے اسباب ضایع ہو جاتے تو بھی ان کے خسارے کے لیے کافی تھا

لیکن ان کے نور اس اعمال بھی ختم ہو گئے اس لیے انہیں کمال درجے کے خسارے ہی خسارے نصیب ہوں گے حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

قیامت کہ بازار مینو نہند — منازل باعمال نیکو نہند
بضاعت بچندان کہ آری بری — اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چندان کہ آگندہ تر — تہی دست را دل پراگندہ تر

ترجمہ: قیامت میں جو بڑا بازار لگے گا وہاں کے مراتب اعمال کے مطابق ہوں گے جیسا سامان لائے گا ویسا ہی مرتبہ پائے گا اس وقت اگر اعمال نہیں تو سخت شرمسار ہوگے کہ وہ اس وقت بازار پر رونق ہو گی لیکن خالی ہاتھ سخت پریشان ہوگا۔

اَلَمْ یَاْتِہِمْ کیا ان کے ان منافقین کے ہاں نہیں آئی نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ ان لوگوں کی خبر جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی انہیں معلوم ہے کہ سابقہ امتوں سے کیا گزری جب انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی تو انہیں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یہ استفہام تقریر و تحذیر کے لیے ہے یعنی منافقین کو چاہیے کہ امم سابقہ کے حالات کو یاد کر کے خدا تعالیٰ سے ڈریں کہ کہیں انہیں ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر امم سابقہ کی طرح سخت عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے قَوْمِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی قوم جو طوفان میں غرق ہوئی۔ یہ الذین سے بدل ہے وَّ عَادٍ اور عاد کی قوم جو سخت آندھی سے تباہ و برباد ہوئی وَّ ثَمُوْدَ اور قوم ثمود جو کہ دھماکے اور زلزلے سے تباہ و برباد ہوئی وَ قَوْمِ اِبْرٰہِیْمَ اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس کا بڑا لیڈر نمرود ایک مچھر سے مارا گیا اور دوسرے سرکش دیوار کے گرنے سے تباہ ہوئے وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ اور مدین والے۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بادلوں کے سائے میں آگ سے جلائے گئے اور مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ یہ بستی انہی کی طرف منسوب ہے وَ الْمُؤْتَفِکٰتِ ط اس کا عطف مدین پر ہے۔ اس سے لوط علیہ السلام کی الٹی ہوئی بستیاں مراد ہیں جیسا کہ بار بار گزرا ہے کہ ان کی بستیوں کو جبرئیل علیہ السلام نے ایسا اٹھایا کہ اوپر کے حصے نیچے اور نیچے کے اوپر ہو گئے۔ پھر ان پر پتھر برسائے گئے اَتَتْہُمْ اُن کے ہاں یعنی تمام تباہ شدہ قوموں کے ہاں لائے رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے رسل کرام علیہم السلام، بینات اس سے حجج و براہین مراد ہیں ان بدبختوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَہُمْ پس نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ کہ ان پر ظلم کرے جیسے عام لوگ ظلم کرتے ہیں یعنی جیسے لوگ دوسروں پر بلاجرم ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کرتا وَ لٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ لیکن وہ خود بخود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں یعنی کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے نفسوں کو خود بخود عذاب کے پیش کر دیا۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب
ہمیشہ خانۂ خراب ہوائے خویشتم

ترجمہ: میں غیر سے کیوں شکایت کروں میں حباب کی طرح ہمیشہ خانہ خراب رہتا ہوں۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنی قوت اور کثرت اموال و اولاد و اسباب سے دھوکہ نہیں کھاتا اس لیے کہ یہ تمام فانی اور زوال پذیر ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا: ؎

بیال و پر و مرو از رہ کہ تیر پرتابی
ہر کرا گرفت زمانے و لے بخاک نشست

ترجمہ مع شرح: جو شخص اپنی قوتِ بدنیہ اور اسباب دنیویہ سے دھوکہ نہیں کھاتا وہ کبھی راہِ راست سے نہیں ہٹ سکتا۔ ہر بندے کی مثال تیر کی سی ہے کہ وہ کتنا ہی اُونچا کیوں نہ پرواز کر جائے لیکن بالآخر نیچے گرتا ہے اس لیے کہ ہر بلندی کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے ہر قدرت کو عجز لاحق ہوتا ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار سے اپنے معاملات کو درست کرے قبل اس کے کہ شرارتیوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ناراضگی کا نزول ہو۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی لونڈی کو ایک جگہ بٹھا کر اسے حکم دیا کہ یہاں سے میرے آنے تک نہ اُٹھنا جب میں اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر لوٹا تو لونڈی موجود نہ تھی میں اس کی تلاش میں نکلا، دیکھا تو ایک دوسری جگہ ایک کونے میں بیٹھی تھی، میں نے اسے جھڑک کر کہا کہ جب میں نے تجھے روکا تھا تو وہاں سے کیوں اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے کہا: حضرت! ناراض نہ ہوں، آپ نے جہاں مجھے بٹھایا تھا وہ لوگ ذکرِ الٰہی سے محروم تھے مجھے خطرہ ہو گیا کہ یہ خسف کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور میں بھی ان کی نحوست سے ماری جاؤں، اس خطرہ سے مجھے وہاں سے اٹھنا پڑا۔ میں نے کہا: اُمتِ مصطفیٰ بطفیلِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خسف (زمین میں دھنس جانے) کے عذاب سے محفوظ ہے تو کیسے ان کے لیے خسف کے عذاب سے ڈر گئی۔ اس نے جواب دیا: میرے آقا واقعی زمین میں دھنسنے سے محفوظ ہیں لیکن قلب کے خسف سے تو محفوظ نہیں۔ یعنی جو ذکر الٰہی سے محروم ہے اس کے دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے اس اعتبار سے گویا وہ دل دھنس گیا۔

سبق: سالک کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو قلب ذکر و معرفتِ حق سے محروم ہے وہ خسف کے عذاب میں مبتلا ہے گویا وہ قلب مختلف عذاب اور کرب و بلاؤں میں گرفتار ہے۔ اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسے عذاب سے بچائے اور موت سے پہلے اپنے مریض قلب کا علاج کرالے۔

حدیث شریف: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تقریر فرما رہے تھے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ
رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دُوسرے کے دوست ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نماز قایم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کو باغات کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں نفیس مکانات کا وعدہ دیا جو ان کی دائمی رہائش کے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی یہی ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔

(تفسیر بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ تفسیر)

اور سامعین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تقریر سننے میں محو تھے میں نے سُنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے حیا کرو۔ سامعین میں سے ایک نے عرض کی، حضرت! ہم تو اللہ تعالیٰ سے بہت بڑا حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے اور اپنے پیٹ اور سر کی حفاظت کرے یعنی پیٹ میں حرام کا لقمہ نہ جانے دے اور دماغ میں غلط تصور کو جگہ نہ دے اور ہر وقت موت کا ذکر زبان پر ہو اور یقین کرے ایک دن یہی جسم مٹی میں مٹی ہوگا اور دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے۔

وحی موسٰی و ہارون اللہ تعالیٰ نے موسٰی و ہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو فرعون والی تمام طاقت تمہیں دے دُوں تو ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں نہ صرف تمہارے سے ایسی طاقت و قدرت دُور رکھتا ہوں بلکہ اپنے تمام اولیاء کو دنیا وی جاہ و حشم نہیں دیتا اور میرے لیے یہ کوئی مشکل بھی نہیں لیکن صرف اس لیے کہ اولیاء کرام کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے اپنے ہاں ان کے درجات بلند کرتا ہوں۔ ~

نکو جا ہے از سلطنت بیش نیست
کہ ایمن ترا ز ملک درویش نیست

ترجمہ: نیک آدمی کی نیکی سلطنت سے بڑھ کر ہے اور فقیر اللہ والے کو بادشاہی سے زیادہ بے فکری ہے۔

سبق : دنیا و آخرت کے حالات ظاہر و باہر ہیں دانا وہ ہے جو عبرت حاصل کرتا ہے اور مرتے دم تک خدا تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی ان کے بعض بعض کے دین حق پر ہیں یعنی وہ سب توحید میں متفق ہیں۔

ردِّ وہابیہ

مذکورہ بالا معنے پر اکتفاء کرتے ہوئے وہابیہ دیوبندیہ دوسرے معنے کے معنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

وبعضهم معين لبعض فى امر دينهم ودنياهم وبعضهم موصل لبعض الى الدرجات العالية بسبب التربية والتزكية النفس وهم المرشدون فى طريق الله تعالىٰ۔

بعض ان کے دوسروں کے امر دین ودنیا میں مددگار ہیں اور بعض ان کے دوسروں کو بلند مراتب تک پہنچاتے ہیں تربیۃ وتزکیہ نفس کے ذریعے ان سے مرشدان کرام مراد ہیں۔

(روح البیان مطبوعہ قدیم ص ۹۲۱ ج ا تحت آیت ہذا)

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ المعروف سے نیکی کی جنس مراد ہے یعنی ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے اصطلاح شرع میں ایمان وطاعت کو بھی المعروف کہا جاتا ہے۔

صوفیہ کا معنیٰ

صوفیہ کرام کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو طلب حق میں ابھارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے المعروف کا حقیقی معنی یہی ہے جیسا کہ حدیث قدسی "فاحببت ان اعرف" سے معلوم ہوتا ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ المنکر سے ہر قسم کی برائی مراد ہے یعنی وہ ہر طرح کی برائی سے روکتے ہیں یہاں تک کہ کفر و معاصی کو بھی المنکر کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہی کفر و معاصی اپنے آقا سے بندے کو دور رکھتے ہیں خواہ معاصی دنیا سے متعلق ہوں یا کسی امر سے۔ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اور نماز قایم کرتے ہیں، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے اور قلب کی نگرانی پر مداومت کرتے ہیں بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور رہتے ہیں انہیں دنیوی مشاغل بھی حائل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ ایسے حضرات صاحب مکاشفہ کہلاتے ہیں اور انہیں اصطلاح صوفیاء میں اہل دل کہا جاتا ہے۔ کفار و منافقین کی "نسوا الله" سے مذمت اور اہل ایمان کی ويقيمون الصلوٰة سے مدح کی گئی ہے۔ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ يقبضون ايديهم کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ صرف زکوٰۃ واجبہ ادا کرتے ہیں بلکہ ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹاتے ہیں۔ اس طرح سے وہ اپنے نفوس کا تصفیہ و تزکیہ کرتے ہیں یعنی دنیا کی محبت کے ترک سے تزکیہ نفوس ہوتا ہے۔ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جمیع اوامر نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں

جس طرح منافقین کی کمال درجہ کی مذمت کی ہے ایسے ہی اہل ایمان کی مدح بھی کمال درجہ سے کی ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان تمام معاملات اخلاص سے کرتے ہیں اس لیے کہ منافقین اگرچہ بظاہر نماز و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن وہ حقیقی طور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت نہیں کرتے بلکہ وہ درحقیقت اپنے نفس و ہوا کے مطیع ہیں اس لیے کہ انہیں ان امور میں دنیوی مقاصد و مصالح مدنظر ہوتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ جو مذکورہ اوصاف کریمہ سے موصوف ہیں سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیگا۔ یعنی ان پر اپنی رحمت کے آثار مثلاً تائید و نصرت سے بہرہ ور فرما کر عذاب دردناک سے نجات بخشے گا انہیں بُعد و فراق کے عذاب سے نجات دے کر بہشت اور وصال و قرب سے نوازے گا۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو لوگ مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں ان پر پانچ مقامات پر لطف و کرم فرمائے گا، وہ مقام یہ ہیں :

۱۔ سکرات الموت کے وقت انہیں آسانی نصیب ہوگی اور ایسے آڑے وقت میں اس کا ایمان محفوظ فرمائے گا۔

۲۔ عذاب قبر سے نجات بخشے گا۔

۳۔ عملنامہ کے پڑھنے کے وقت جبکہ دوسروں کو حسرتیں اور ندامتیں ہوں گی اور بائیں ہاتھ میں عمل نامے دیے جائیں گے، ایسے حضرات کو حسرتوں اور ندامتوں سے محفوظ کر لیا جائے گا اور ان کے دائیں ہاتھ میں عملنامہ عطا ہوگا بلکہ ان کے عملناموں سے گناہ مٹا دیئے جائیں گے تاکہ وہ اپنے گناہ دیکھ کر حسرت نہ کھائیں اور نادم نہ ہوں۔

۴۔ میزان کے وقت جبکہ دوسروں کو اعمال کی کمی سے حسرتیں ہوں گی ان کے اعمال بوجھل کر کے حسرتوں سے محفوظ کر لیا جائیگا

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حاضری اور اس کے سوالات کے وقت جبکہ دوسروں کو تنگی لیکن ان کے لیے آسانی ہوگی اور نہ ہی ان کے عیوب کی وجہ سے ان کی گرفت ہوگی۔

پانچوں نمازیں پڑھنے والے کو مبارکباد حدیث شریف میں ہے : جو صبح کی نماز پڑھتا ہے اس پر سکرات اور اس کے کڑوے گھونٹ آسان ہوں گے۔ جو ظہر کی نماز ادا کرتا ہے اس پر عذاب قبر اور اس کی تنگی نہیں ہوگی۔ اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوالات کی تکلیف اور ان کے رعب کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر عذاب میزان اور اعمال کی کمی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور جو عشاء کی نماز پڑھتا ہے، اس پر پل صراط پر گزرنا آسان ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ یہ وعدہ موعودہ کی علت ہے یعنی وہ اپنے اولیاء کے وعدہ کے ایفاء پر بہت بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے اعداء پر قہر و غضب پر قادر ہے اور نعمتوں کا مالک ہے ان سے اپنے اولیاء کو بخشتا ہے۔ حَکِیْمٌ ○ حکمت والا ہے کہ اس نے اپنے جملہ احکام کی بنا ہزاروں حکمتوں پر رکھی ہے۔ اس لیے جو نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے

اور جو عذاب کے حق دار ہیں انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اہل ایمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی انہیں بہشت کی خوشخبری سنائی اور اہلِ احسان کو وصال و قرب سے نوازا اس لیے کہ انہوں نے زندگی اس کی طلب میں گزاری بلکہ ماسوی اللہ کو بالکل چھوڑ دیا اور کافروں اور منافقوں کو جہنم میں دائمی داخل رہنے کی خبر دی اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور ان کی تکذیب کی اور اصنام و اوثان کی پرستش کر کے شرک میں مبتلا ہوئے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ اللہ تعالیٰ نے مومن مرد و عورتوں سے ہر ایک کو کامل وعدہ فرمایا کہ کیفَ و کماً مراتب فضل میں انہیں بہشت میں مختلف طبقات نصیب ہوں گے۔ الوعد نفع کے وقوع سے پہلے اس کے پہنچنے کی خبر دینا جَنّٰتٍ جنۃ کی جمع ہے۔ اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں درخت اور کھجوریں ہوں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں۔ الْاَنْهٰرُ پانی، خمر اور دودھ کی نہریں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے کہ وہ اس میں دائمی طور ٹھہریں گے اور ہر مومن ان درجات سے فائز المرام ہوگا۔ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً اور ان میں سے بعض کاملین کو ایسی منازل نصیب ہوں گی کہ جنہیں دیکھ کر جی خوش ہوگا یا اس میں رہنے سے طبیعت خوش ہوگی۔

حدیث شریف: بہشت کے محلات لؤلؤ، زبرجد، یاقوت احمر سے ہیں فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ خالص باغات میں۔ یہ تمام بہشتوں سے زیادہ پُر رونق اور زیادہ عجیب و غریب مقام ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، عدن اللہ تعالیٰ کی ایسی دار ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے اس میں صرف تین گروہ قیام فرمائیں گے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام

۲۔ صدیقین

۳۔ شہداء اور مبارک ہو انہیں جو ایسی دار میں داخل ہوں گے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جنۃ عدن کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ خود پیدا فرمایا اور اسے شاہی قلعہ کی طرح بنایا اس کے اندر چند خصوصی منزلیں ہیں ایک ٹیلہ نما منزل ایسی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی نمودار ہوتی ہے اور ایک ایسی منزل ہے اسے مقام الوسیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ ہے اسی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے طوبیٰ کا درخت خود پیدا فرمایا جس میں کسی دوسری شے کو اس کی تخلیق میں واسطہ نہیں بنایا اور اس کی ٹہنیاں اتنی بلند ہیں کہ اس کی ہر ایک ٹہنی بہشت عدن کی ہر دیوار تک پہنچتی ہے اور وہ ٹہنیاں تمام بہشتوں کو سایہ کرتی ہیں۔ اور طوبیٰ کے گوشوں میں جو ثمر ہوتا ہے اس سے بہشتیوں کے زیورات اور لباس تیار ہوتے ہیں جو بہشت کے باقی لباسوں سے زیادہ حسین اور زیب و زینت میں بڑھے ہوتے ہیں اور جنۃ عدن کو اسی لیے فضیلت دی گئی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے

دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ حقایق جنانیہ کی نعمتوں میں جامع تر اور برکات کے لحاظ سے مکمل ترین ہے۔ یہی بہشت کے جملہ اشجار کا اصل ہے جیسے آدم علیہ السلام سے تمام انسان ظاہر ہوئے۔ اس سے بہشت کے تمام اشجار ظاہر ہوئے ہیں اور بہشت کی ہر نہر اسی درخت سے نکلتی ہے۔ مدینۃ المقام یہی ہے اور یہ دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حصہ ہے، کہا جاتا ہے عدن بالمکان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقام میں مقیم ہو۔ المعدن بمعنے مستقر الجواہر یعنی جواہر کا خزانہ۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی۔ اَكْبَرُ بہشت سے بہت بڑی اور عظیم تر ہیں اور اس کی نعمتوں سے بھی۔ اس لیے کہ یہ جمیع السعادات کا مبداء اور تمام الکمالات کا منشا ہے۔

ف : عارفین محققین کاملین کا اصل مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے اور بس۔ ؎

یکے می خواہد از تو جنت و حور — یکے خواہد کہ از دوزخ شود دور

و لیکن ما نخواہیم ان و آں جست — مراد ما ہمیں خوشنودیٔ تست

چو تو خوشنود گشتی در دو عالم — ہمیں مقصود بس و اللہ اعلم

ترجمہ : کوئی تیرے سے جنت و حور چاہتا ہے، کوئی دوزخ سے دوری۔ ہمیں نہ اس کی خواہش ہے نہ اس کی ہمیں تیری رضا مطلوب ہے اس لیے کہ جب تو راضی ہو گیا تو ہمیں مقصود مل گیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور

با خیال تو اگر با دگرے پردازم

ترجمہ : حور کی صحبت کی تمنا سراسر قصور ہے اس لیے کہ تیرے خیال کے ساتھ دوسروں کا تصور گناہ ہے۔

حدیث قدسی شریف : مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بہشت سے فرماتا ہے کہ کیا تم خوش ہو یا نہ؛ عرض کریں گے، اے اللہ کریم! اب بھی ہم راضی نہ ہوں گے کہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے نوازا کہ سوائے ہمارے اور کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے اور افضل نعمت سے نوازتا ہوں۔ عرض کریں گے وہ کون سی افضل نعمت ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا : میں تمہارے اوپر اپنی رضامندی حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں تمہارے اوپر ناراض نہ ہوں گا۔

ذٰلِكَ مذکورہ نعمتیں اور رضائے الٰہی هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وہی بہت بڑی کامیابی ہے اس سے یہ دنیوی کامیابی مراد نہیں جیسے حظوظ نفسانی کو بھی لوگ کامیابی سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ قطع نظر اس کے یہ دنیوی نعمتیں فانی اور تغیر پذیر اور خراب اور بیکار ہو جانے والی ہیں انہیں آخرت کی نعمتوں سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں ہے ہاں صرف اتنا کہ دنیا کی تمام نعمتیں مچھر کے ایک پر کے برابر ہیں۔ (باقی برصفحہ)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ
وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ
خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ
يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ
فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

(ان آیات کی تفسیر آگے صفحہ ۲۸۰ پر ہے)

ترجمہ: اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ——— وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ انہوں نے کفر کی بات یقیناً کہی تھی اور وہ اسلام میں داخل ہو کر کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جسے وہ نہیں پا سکے اور انہیں بُرا نہیں لگا مگر یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کر دیا پس اگر وہ توبہ کریں تو وہ ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اور زمین میں نہ ان کا کوئی یار ہوگا نہ مددگار، اور بعض ان میں وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے (مال اور دولت) دے گا تو ہم خوب خیر خیرات کریں گے اور ہم بہت نیک آدمی ہو جائیں گے پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (مال و دولت) عنایت فرمایا تو اس میں وہ بخل کرنے لگے اور منہ پھیر گئے درانحالیکہ وہ روگردانی کرنے والے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس وقت تک نفاق رکھ دیا کہ جس سے ملیں گے یہ انہیں وہ بدلہ ملا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کے خلاف کیا اور بہ سبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کے پوشیدہ راز اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیوب کو بہت جاننے والا ہے وہ لوگ جو ان مسلمانوں کو عیب لگاتے ہیں جو خوشی سے خیرات

کرنے والے ہیں اور ان پر بھی طعن کرتے ہیں جو مال بڑی محنت سے حاصل کرتے ہیں پس وہ منافق اہل اسلام پر ہنستے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہنسی کی سزا دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مکھی کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا۔

دنیا کمینی حضرت یحییٰ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دنیا خراب ہے لیکن خراب تر وہ شخص ہے جو اسے آباد کرتا ہے اور آخرت آباد ہے لیکن آباد تر وہ انسان ہے جو اس کی طلب میں زندگی بسر کرتا ہے۔

نکتہ: انہوں نے فرمایا کہ دنیا میں ایک ایسا باغ ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے پھر اسے کبھی جنت الفردوس کی بھی خواہش نہیں رہتی۔ آپ سے پوچھا گیا: وہ کونسا باغ ہے؟ انہوں نے فرمایا: وہ ہے معرفتِ الٰہی۔ اور حقیقی جنت یہی ہے۔

ملفوظ بسطامی قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہیہ کی چاشنی جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین کی چاشنی سے بہتر ہے بخدا اگر آٹھوں بہشت کے دروازے میرے لیے کھول دیے جائیں اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مجھے دے کر کہا جائے کہ وہ ذوق جو بوقتِ سحر یادِ الٰہی میں نصیب ہوتا ہے اسے ترک کر کے بہشت کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو کر تمام نعمتیں لے لو تو میں گریۂ سحر گاہی کو چھوڑ کر اس طرف منہ نہ کروں گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو حضرت الٰہی کی طرف متوجہ ہونے کے لیے جد وجہد اور دنیا سے اعراض اور مطلب اعلیٰ اور مقصد اعظم کے حصول کے لیے جد وجہد کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حرم وصال کے داخلے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ نکتہ در شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: دورِ حاضر کے توحید پرستوں (وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں) کو نبوت کی عزت و عظمت سمجھاتے ہیں کہ،

اعلم ان اللّٰہ تعالیٰ خاطب الانبیاء علیھم السلام باسمائھم الشریفۃ مثل یاآدم ویانوح ویاموسیٰ ویاعیسیٰ وخاطب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالالقاب الشریفۃ مثل یاایھاالنبی یاایھاالرسول وذلک یدل علی علو جنابہ علیہ السلام مع ان کثرۃ الالقاب والاسماء تدل علی شرف المسمّٰی۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۲۳ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نام لے کر پکارا مثلاً یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ۔ اور ہمارے نبی علیہ السلام کو القاب جلیلہ سے پکارا، مثلاً یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے علاوہ کثرت القاب و کثرت اسماء مسمّٰی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے۔

امام ابواللیث کی وہابیوں دیوبندیوں کو نصیحت ہمارے دور کے توحید کے ٹھیکیداروں کے لیے سابق دور کے ایک حنفی امام نے "سورۂ نور" کی آیت "لاتجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا" کے تحت لکھا کہ،

لا تدعوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم باسمہ ولکن وقروہ وعظموہ و قولوا یا رسول اللہ و یا نبی اللہ و یا ابا القاسم۔ (روح البیان ایضاً)

حضور علیہ السلام کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ عزت و تعظیم و توقیر و تکریم سے پکارو۔ مثلاً کہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اس طرح پکارو یا نبی اللہ، یا ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی نیکی کی بات سمجھائے اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہے یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسی سے استاد کے حقوق کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و فضل بخشا ہے ان کے بھی عوام پر حقوق ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ان کے القاب عزت و عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔

صاحبِ روح البیان اور جدت پسند صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم اہلسنت پر لازمی ہے کہ ہم اپنے مشائخ اہلِ ارشاد کا ذکر خیر بہتر اور برتر القاب سے یاد کریں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی لغت میں ان کے جائز القاب جس طرح چاہے بیان کرے اس لیے کہ جب ہمیں روکا ہے کہ ہم اپنے ماں وباپ کو خالی اسماء سے نہ پکاریں تو باطنی اور معنوی آباء یعنی مشائخ طریقت کے لیے بطریقِ اولیٰ ضروری ہے کہ ان کے خالی اسماء بیان کریں بلکہ انہیں اعلیٰ و اکمل القاب سے یاد کریں (لیکن جدت پسند لمبے چوڑے القاب سے نہ صرف گھبراتا ہے بلکہ اس سے مذاق کرتا ہے)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ بمعنے یا ایھا المبلغ عن اللہ و یا ایھا المخبر عن اللہ و یا صاحب علو المکانۃ والزلفی ہے اس لیے کہ لفظ انباء و ارتفاع کی خبر دینا ہے۔ وَجَاهِدِ الْكُفَّارَ کفار سے جہاد کرو یعنی کھلم کھلا ان کے ساتھ تلوار سے لڑو، الجہاد باطل لوگوں کو برائیوں سے روکنے اور انہیں حق پر لگانے کے لیے اپنی جدوجہد کرنا وَالْمُنٰفِقِیْنَ اور منافقین سے حجۃ اور دلائل اور ان پر حدود قائم کرنے سے جہاد کرو اس لیے کہ ان سے حدود کے اجراء کے اسباب بکثرت سرزد ہوتے ہیں اس لیے ان سے تلوار سے جہاد نہ کرو اور نہ ہی ہماری شریعت ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے اس لیے کہ ہماری شریعت کے احکام ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اور منافقین اسلام ظاہر کرتے ہیں اگرچہ کفران کے قلوب میں ہوتا ہے لیکن ہم ظاہر کے احکام کے پابند ہیں (یہی بات ہم دیوبندیوں وہابیوں سے کہتے ہیں کہ ان سے حضور علیہ السلام کا ہر معاملہ مبنی بر لاعلمی و عدم اختیار نہیں تھا بلکہ اسی ظاہری شریعت کے حکم پر ہے) وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ط اور ان پر سختی کیجئے، یعنی کافروں اور منافقوں دونوں گروہوں کی سخت گرفت کیجیے اور ان کے کسی معاملہ میں نرمی نہ کریں (جیسے ہم اہلسنت بدمذاہب کے

معاملہ میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہیں، (والحمد للہ علیٰ ذالک) یعنی بفضلہ تعالیٰ ہم صلح کلی نہیں ہیں اور نہ ہی زمانہ سازی جیسے مکرو فریب اور دوسرے لفظوں میں تقیہ کہا جاتا ہے) کیونکہ کسی شاعر نے فرمایا کہ : ؎

ہست نرمی آفت جان سمور
وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ :

قاعدہ : یہ آیت ان تمام آیات و احادیث کی ناسخ ہے جس میں کفار و منافقین اور دیگر بدمذاہب کے لیے نرمی اور درگزر اور معاف کرنے کا حکم ہے۔[1]

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ربط : پہلی آیت میں عذاب بلا تاخیر کا ذکر تھا۔ اس جملہ میں آنے والے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ اور وہ جگہ بہت بُری ہے جہاں یہ کفار و منافقین مرنے کے بعد جا کر ٹھہریں گے۔

فائدہ : مرجع و مصیر میں فرق یہ ہے کہ مصیر میں ضروری ہے کہ حالۃ اولیٰ اپنے حال پہ نہ رہے بخلاف مصیر، کہ اس میں حالت اولیٰ اپنے حال پہ رہتی ہے۔

حدیث شریف مع شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

اوصیك بتقوی اللہ فانہ راس امرك۔ میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ تمام امور کا سرتاج ہے۔ یعنی جملہ طاعت کی اصل تقویٰ ہے۔

ف : تقویٰ خوفِ الٰہی کا نام ہے اس لیے کہ بندہ کی ہر نیک عمل کی طرف رغبت اور بُرے فعل سے اجتناب، تو تقوے کی وجہ سے۔

قاعدہ : جب بندہ تقویٰ کا شجر قلب میں بو دیتا ہے تو اس کے تمام اعضاء نیکیوں کی طرف جھک جاتے اور بُرائیوں سے رُک جاتے ہیں۔ اور فرمایا :

وعلیك بالجہاد فانہ رھبانیۃ اُمتی۔

اور جہاد کو لازم پکڑو، اس لیے کہ میری اُمت کی بہتر عبادت جہاد ہے۔

---

[1] عوام بلکہ بعض پڑھے لکھے صلح کلی قسم کے لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم بدمذاہب سے کیوں سختی کرتے ہو جبکہ حضور علیہ السلام دشمنوں کو چادر بچھا دیتے تھے انہیں یہ قاعدہ یاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ چادر بچھانا اور ان سے نرمی کرنا حق لیکن "واغلظ علیھم" بھی حق۔ ہم اہلسنت ناسخ آیت پر عمل کرتے ہیں اور منسوخ احکام پر عمل کرنا یا ان کی دعوت دینا جاہلوں اور لاعلموں کا کام ہے۔ (فافہم)

ف : الرھبانیۃ بروہ اچھی عادات جوان راہبوں کی طرف منسوب ہیں جو عبادت گاہوں ہیں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے علاوہ ازیں وہ گوشت نہیں کھاتے اور اچھی اچھی چیزیں اور خوشبو وغیرہ استعمال نہیں کرتے اور موٹے کپڑے پہنتے۔

ف : رہبانیت سے تشبیہ اس معنیٰ ہیں ہے کہ امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگوں میں خواہ مخواہ ایسے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اگرچہ وہ رہبانیت کو نہ اپنائیں تب بھی انہیں ایسے موٹے کپڑے پہننے پڑتے۔

ف : بسا اوقات انسان ایسا طعام کھاتا ہے جو اس کا جی چاہتا ہے۔ لیکن ایسے روزہ دار سے افضل ہے جس کا روزہ حبِ دنیا کا موجب بنے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

خوانده که خیرے بر آید ز دست

به از صائم الدہر دنیا پرست

ترجمہ: اس روزہ دار صائم الدہر نفس پرست سے وہ روزہ نہ رکھنے والا بہتر ہے جو دوسروں کو خیر خیرات دیتا ہے۔

حضرت اوزاعی نے فرمایا کہ:

پانچ امور پر التزام صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچ باتوں پر مداومت رکھتے تھے:

- نماز با جماعت ادا کرنا
- اتباعِ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- تعمیرِ مساجد
- تلاوت القرآن
- جہاد فی سبیل اللہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورتوں کا جہاد میری اُمت کے مردوں سے افضل وُہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اور عورتوں میں افضل وہ ہیں جو زندگی اپنے گھروں میں بسر کرتی ہیں۔ سوائے شدید ضرورت کے وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدین کو رنج پہنچانے سے بچو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی

مجاہد کا درجہ خاطر اسی طرح ناراض ہوتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کے لیے۔ اور ان کی دعا اسی طرح مستجاب ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے جانوروں کی پرورش اور کھیتوں وغیرہ کے کام میں مصروف ہو کر جہاد ترک کر دو گے تو اس وقت تمہارے اُوپر ذلت و خواری مسلط کر دی جائے گی یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس

نہ آجاؤ۔

ف : اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ترکِ جہاد اور اس سے روگردانی اور دنیا کے کاروبار میں سخت مشغول ہوجانا کافروں کا شعار اور دین سے خروج کا دوسرا نام ہے۔

سبق : انسان سوچے کہ اس کے لیے اس سے اور کون سا بڑا جرم اور گناہ ہوگا۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ قلب وہ ہے کہ اس پر انبیاء علیہم السلام کی طرح منجانب اللہ واردات وارد ہوتے ہیں پھر وہ قلب انبیاء علیہم السلام کی طرح کافر نفس اور اس کی صفات سے جہاد کرتا ہے۔

ف : یہ مرتبہ دراصل مشایخِ طریقت کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفوس اور اپنے مریدین کے نفوس کی اصلاح کرتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ ۔ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش
چوں نبی باشد میان قوم خویش

ترجمہ : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیخ کامل اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت میں۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نفس کافر اور اس کے صفات کے ساتھ صدق کی تلوار سے جہاد کرو۔ اور نفس سے جہاد یہ ہے کہ اسے شہوات سے دور رکھا جائے اور اسے اس کی اپنی طبیعت سے دور رکھ کر اسے شرعی امور پر لگایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ : بعض نفوس کفار صفت ہوتے ہیں وہ اسلام قبول نہیں کرتے یعنی مشایخ کی تربیت کو قبول نہیں کرتے اور ان کے ساتھ جہاد یوں ہو کہ انہیں حکمت عملی اور اچھے مواعظ سے دعوت فی سبیل اللہ دی جائے اور ان میں بعض منافق طبع ہوتے ہیں انکی علامت یہ ہے کہ بظاہر تو وہ مشایخ طریقت کے سامنے ارادت اور تسلیم کا دم بھرتے ہیں لیکن اندرونی طور ان کے معاہدوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں ان کا جہاد یوں ہو کہ انہیں تزکیہ کے طور ریاضاتِ شاقہ میں لگایا جائے اوامر الشیخ ونواہی کا انہیں بہت زیادہ فرمانبردار بنایا جائے ان سے انکار و امتناع محسوس ہو تو ان کو مشایخ کے ارشادات کا پابند کیا جائے۔ کما قال وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ سالک پر لازم ہے کہ نفس کی مخالفت اور اس کے مواخذہ میں احکام طریقت پر سختی کی جائے۔ اگر وہ طریقت کے احکام کو مان لے تو الحمدللہ، ورنہ اسے خبر دو کہ وہ اسی کا مستحق ہو گیا جس کے لیے وہ پیدا ہوا، یعنی جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ یعنی ان کا جہنم یہی ہے کہ وہ نار بُعد و فراق میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق : سالک پر لازم ہے کہ سب سے پہلے نفس اور اس کی خواہش سے جہاد کرے اس لیے کہ بادشاہ پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے باغی اور سرکش رعایا سے جہاد کرے اس کے بعد نفس کے صفات سے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر طرح کے کافروں پر غلبہ بخشے۔ (آمین)

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں دو ماہ ٹھہرے۔ اسی اثناء میں قرآن پاک کا نزول بھی ہوتا رہا اور ان منافقین کی مذمت بھی نازل ہوتی رہی جو جنگ پر حاضر نہ ہوئے حضور علیہ السلام ان کی مذمت منافقین کے دوسرے ساتھیوں کو سناتے تھے جو جنگ میں آپ کے ساتھ تھے جلاس بن سوید نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیچھے رہنے والے بھائیوں کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ جنہیں ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے ہیں وہ تو ہماری قوم کے برگزیدہ اور بہتر آدمی ہیں۔ حضرت عامر بن قیس انصاری نے جلاس سے فرمایا کہ واقعی تم گدھوں سے بدتر ہو اس لیے کہ حضور علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق اور سچ ہے جلاس کی گفتگو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ آپ نے جلاس کو بلایا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کوئی بات نہیں کہی۔ اس پر حضرت عامر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا اے اللہ! اپنے عبد مقدس اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب نازل فرما۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام "آمین" کہتے تھے۔ ابھی وہ یہیں بیٹھے تھے کہ جبریل علیہ السلام یہی آیت لائے۔

سوال : قسم کھا کر قول مذکور تو صرف جلاس نے کہا تھا لیکن صیغہ جمع (قالوا) کا لایا گیا ہے۔

جواب : اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ قول مذکور کا قائل ایک تھا لیکن باقی منافقین اس کے اس قول پر راضی تھے اسی وجہ سے وہ بھی بمنزلہ قائلین ہوئے بناء بریں انہیں جلاس کے ساتھ شامل کر لیا گیا۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ بے شک انہوں نے کلمۂ کفر کہا اور اس کلمۂ کفر کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ وَكَفَرُوْا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ اور اسلام ظاہر کرنے کے بعد اب انہوں نے اپنے قلب کے اندر چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا۔ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا الہم بالشئ بمعنے مقاربتہ دون الوقوع یعنی کسی شے پر وقوع کے بغیر اس سے ملنا یعنی منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی جس میں وہ کسی صورت میں کامیاب نہ ہو سکے۔

منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ پندرہ منافقین نے منصوبہ بنایا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائیں تو انہیں عقبہ (جو کہ تبوک و مدینہ کے مابین واقع ہے) میں شہید کر دیا جائے۔ اور مشورہ کیا کہ جونہی آپ کی اونٹنی عقبہ سے گزرے تو اسے وادی کی طرف لے جایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

منافقین کے منصوبہ سے مطلع فرما دیا غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد جب لشکرِ اسلام عقبہ مذکورہ کے قریب پہنچا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عقبہ سے گزرے گی باقی تمام لشکر وادی سے گزرے اس لیے کہ ان کے لیے وہی راستہ آسان تر ہے۔ یہ فرما کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری عقبہ کی جانب روانہ کر دی اور دوسرے تمام اہلِ اسلام وادی کی جانب سے روانہ ہوئے۔ جب منافقین نے یہ پروگرام سنا تو وہ عقبہ کو روانہ ہو پڑے تاکہ وہ اپنا منصوبہ مکمل کر سکیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ وہ اونٹنی کی مہار لے کر چلیں، اور حضرت حذیفہ بن الیمان سے فرمایا کہ وہ اونٹنی کے پیچھے ہو کر چلیں، عقبہ میں سے اونٹوں کے چلنے اور ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ حضرت حذیفہ بن الیمان نے پیچھے ہٹ کر دیکھا کہ وہی منافقین آ رہے ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ حضرت حذیفہ نے انہیں للکار کر فرمایا کہ اے اللہ کے دشمنو! ہٹ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو جاؤ۔ جب منافقین نے دیکھا کہ ان کا پردہ فاش ہوتا ہے تو جلدی سے بھاگے اور لشکرِ اسلام سے جا ملے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطلع ہو گئے۔ اسی لیے وہ وہاں عقبہ سے بھاگ کر وادی میں لشکرِ اسلام سے جا کر ملے۔ جب منافقین بھاگ گئے تو حضرت حذیفہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آ ملے اور حضور علیہ السلام کو ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے انہیں پہچانا بھی تھا؟ انہوں نے عرض کی کہ وہ منہ چھپائے ہوئے تھے اور رات اندھیری تھی میں انہیں نہیں پہچان سکا۔
اسی صبح کو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ بجائے وادی کے چلنے کے عقبہ سے کیوں تشریف لے گئے، حالانکہ وادی کا راستہ آسان تر تھا اور عقبہ کا راستہ پُرخطر۔ آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ منافقین نے میرے شہید کرنے کا پروگرام بنایا تھا اس لیے مجھے راستہ تبدیل کرنا پڑا۔ انہوں نے عرض کی: اب لشکرِ اسلام بسلامت اپنے مقام پر پہنچ گیا ہے اب آپ ان منافقین کے نام بتا دیجیے تاکہ ہم ان کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالیں، بخدا اگر آپ مجھے بھی ان سب کے نام بتا دیں تو میں اکیلا ہی ان سب کے سر اڑا کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا اور اسی نشست میں ہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ اسلام کی شکایت ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار کو مسلمان کر کے جب ان پر غلبہ پاتے ہیں تو انہیں قتل کرا دیتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! وہ آپ کے صحابی تو نہیں بلکہ اندرونی طور پر کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظاہراً کلمۂ شہادت تو پڑھتے ہیں۔ آپ نے اس کے بعد منافقین کے لیے بد دعا کی کہ اے اللہ! انہیں دبیلہ میں مبتلا فرما۔

ف: الدبیلہ وہ آگ کا شعلہ جو ان کے کاندھوں سے نکل کر ان کے سینے جلا دے۔ بعض کہتے ہیں وہ آگ کا شعلہ جو دل کو چیر کر تباہ و برباد کر دے۔

وَمَا نَقَمُوٓا اور انہیں بُرا نہیں لگا۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ نقم الامر ای کرھہ یعنی انہوں نے شئی من الاشیاء سے کسی سے کراہت نہ کی اور اس پر

عیب لگایا۔

اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ج مگر یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس کی تفصیل یُوں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہ لوگ تنگدست تھے، مالی حالات نہایت کمزور تھے یہاں تک کہ مالِ غنیمت کی کثرت سے ان کے حالات درست ہو گئے۔ ایک دفعہ جلاس کا غلام قتل کر دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قاتل سے بارہ ہزار درہم دلوائے جس سے وہ غنی ہو گیا۔

ف: اس سے دیت کے زائد درہم مراد ہیں جو دیت کے علاوہ انسانی شرافت کے پیشِ نظر مقتول کے ورثاء کو دیے جاتے تھے وُہ اپنی اصطلاح میں شنق کو کہتے ہیں۔

ف: یہ کلام طنز کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مالی عندك ذنب الا احسانی۔

یعنی میرا گناہ اتنا ہے کہ میں نے تیرے اوپر احسانات کیے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کلام منافقین سے تہکم اور توبیخ و زجر کے طور بیان فرمایا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا کہ اغنٰهم کی ضمیر مومنین کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو غنی بنایا تو منافقین غیظ و غضب سے جلنے لگے۔ کذا قال عبد السلام

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا پس اگر وُہ اپنے کفر و نفاق سے تائب ہوں۔ يَكُ تو ان کی توبہ ہو گی خَيْرًا لَّهُمْ ج ان کے لیے دارین کی بہتری۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو جلاس (سابق منافق) نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی دعوت دی ہے فلہذا گواہ ہو جائیے کہ بخدا میں نے صدقِ دل سے توبہ کی۔ اس کی تصدیق عامر بن قیس نے بھی کی۔ اس طرح سے جلاس نے توبہ کی اور تادمِ زیست اپنی توبہ پر قایم رہا۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا اور اگر وہ اعراض کریں یعنی اپنے کفر و نفاق پر بضد رہیں، یعنی دین سے روگردانی پر ڈٹے رہیں۔ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا تو انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں قتل و قید اور لوٹ مار اور دیگر سخت سزائیں دے کر دردناک عذابوں میں مبتلا فرمائے گا وَالْاٰخِرَةِ ج اور آخرت میں جہنم کے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ اور زمین کی وسعت اور دور دور تک پھیلے ہونے اور اس میں بے شمار خلقِ خدا موجود ہونے کے باوجود ان کے لیے نہیں ہو گا۔ مِنْ وَّلِيٍّ کوئی دوست جو ان کی دستگیری کرے وَّلَا نَصِيْرٍ ○ اور نہ ہی کوئی مددگار جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے شفاعت کر کے یا اپنے زورِ بازو سے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار کی نجات استغفار اور توحید و توجہ الی علام الغیوب کے سوا ناممکن ہے اگرچہ عالم دنیا میں اسے بہت بڑی دنیوی، سیاسی اور فوجی طاقت حاصل ہو۔

حکایت: حضرت محمد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں بادشاہِ وقت کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ بادشاہ نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ اللہ بھی واحد (لاشریک) ہے اور ہیں بھی۔ میں نے اسے منع کیا اور کہا کہ اگر دوبارہ ایسے کہو گے تو ہم سب دریا میں ڈوب کر مر جائیں گے۔ اس نے کہا، وہ کیسے؟ میں نے جواب دیا، تم ایک نہیں بلکہ دو ہو:

۱۔ رُوح ۲۔ جسد

اور دو سے پیدا ہوئے ہو۔ یعنی ماں باپ سے۔ اور دو میں رہتے ہو یعنی رات اور دن۔ اور دو کے ذریعے زندہ ہو یعنی خورد و نوش سے۔ اور دو چیزیں تمہارے اُوپر ہر وقت سوار ہیں، فقر، عجز۔ اور واحد صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

ف: کسی دانا نے فرمایا کہ بہشت کا داخلہ تین وجوہ سے ہوگا:

- کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کو ماننے سے۔
- گناہوں سے استغفار کرنے سے۔
- دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تمجید سے۔

ف: بہشت میں داخل ہوتے ہی اہل بہشت پڑھیں گے:

الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن۔

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمارے سے حزن دور فرمایا۔

ف: الحزن سے قبر اور حساب و کتاب اور جہنم مراد ہے۔ "ان ربنا لغفور" بیشک ہمارا رب ہمارے چھوٹے بڑے گناہ بخشنے والا ہے "شکور" چھوٹی بڑی نیکی قبول کرنے والا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ و جدال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

دلت آئینۂ خدا نما ست ... روئے آئینۂ تو تیرہ چرا ست

صیقلے دار صیقلے میزن ... باشد آئینۂ ات شود روشن

صیقل آں اگر نہ آگاہ ... نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: تیرا دل آئینہ اور خدا نما ہے پھر تیرا دل سیاہ کیوں ہے دل کو صاف کر امید ہے تیرا یہ شیشہ ضرور

صاف ہو جائے گا۔ دل کے صاف کرنے کا صیقل سوائے لا الٰہ الا اللہ کے اور کوئی شے نہیں۔ یہ سبق یاد کرلے اگر تمہیں معلوم نہیں۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ط وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَةَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ میں اشارہ ہے

تفسیر صوفیانہ کہ بعض مریدین خواہشات نفسانی اور نفوس امارہ اور شیطان کی شرارت کے غلبہ سے اپنے مشایخ اور اولیاء پر اعتراض اور ان کی شان میں کفریہ کلمات بکتے ہیں[1] یعنی اولیاء کے کمالات و فضائل کا انکار اور ان پر اعتراضات کرنا منافقین (بدبختوں) کا کام ہے۔ ایسے لوگ اگرچہ بظاہر اور زبانی طور اسلام کا دم بھرتے اور اولیاء کرام کی کرامات و فضائل کا اقرار کرتے ہیں لیکن قلبی طور اور حقیقةً اولیاء کرام کے منکر ہیں[2]۔ جب اولیاء کرام ایسے بدبختوں کی خبث باطنی کی خبر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اندرونی طور اللہ والوں کے دشمن ہو تو وہ قسمیں[3] کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اولیاء کرام کے منکر نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے گستاخ ہیں اور نہ ان کی شان میں کمی کرتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی پیروی کے بغیر یا وقت سے پہلے ہی مسندِ مشیخت پر بیٹھیں اور عوام پر اپنا سکہ بٹھائیں، ان کے لیے ایسا ہونا مشکل ہے۔ وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ اور وہ مشایخ پر صرف اس حیثیت سے اعتراضات کرتے ہیں کہ مشایخ نے انہیں ولایت کے مراتب سے روشناس کرایا اور آثار رشد و ہدایت سے انہیں بہرہ ور فرمایا۔ لیکن چونکہ یہ ازلی بدبخت تھے اپنی پست ہمتی سے ولایت کے انوار و تجلیات نہ بچا سکے بلکہ شیطان نے انہیں اپنی اچھی کارگزاریوں پر ابھار کر دارین کی بہبودیوں سے محروم رکھا اس لیے وہ دارین میں اندھے، بہرے اور گونگے رہے۔ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا اگر وہ عجز و انکسار اور الحاح و زاری کر کے اپنے مشایخ (اولیاء) سے معافی لے کر ولایت کی راہوں پر واپس آئیں۔ یَکُ خَیْرًا لَّهُمْ تو ان کے لیے بھلائی ہے کہ ولایت کی غیرت اور ارتداد کی سزا سے نجات پالیں گے اس لیے کہ ولایت کی غیرت اور ولایت کے ارتداد کی سزا بہت سخت ہے اس سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لے اسی میں اس کی نجات ہے اور بس۔ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا اور اگر وہ اللہ والوں (مشایخ) کی ولایت کا انکار کریں اور انہیں نہ مانیں۔ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا و آخرت کی سزا ایسے بدبخت کو یوں نصیب ہوگی کہ اس سے ولایت کا جوہر چھین لیا جائے گا۔

مسئلہ: یاد رہے کہ شریعت کے مرتد سے طریقت کے مرتد کا گناہ بہت بڑا ہے اس لیے اس کی سزا بھی بہت بڑی سخت ہے۔

ملفوظِ جنید: سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صدیق کا مرتبہ پا کر اور کوئی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے لیکن

---

[1] یہی کام آجکل دیوبندیوں وہابیوں نجدیوں مودودیوں نے سنبھال رکھا ہے۔ ۱۲

[2] آزما کر دیکھیے یہی شیوہ دیوبندیوں وہابیوں، تبلیغی جماعت اور مودودیوں (جماعت اسلامی) والوں کا ہے۔ ۱۲

[3] ایسے ہی مذکورہ بالا لوگوں کی عادت ہے کہ جھوٹ بول کر قرآن سر پر رکھ لیتے ہیں۔ ۱۲

بدقسمتی سے صرف ایک گھڑی روگردانی کرے تو تمام مراتب ضایع ہو کر سخت سزا کا مستحق ہو جائے گا یعنی ہزار سالہ عبادت و ریاضت ضایع ہو گئی اور سزا کا استحقاق مزید برآں۔

ف : طریقت کے مرتد کی دنیوی سزا یہ ہے کہ اس سے طلب کی صدق و صفائی چھین لی جائے گی اور اسے طلب حق کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کے آگے ہزاروں پردے لٹکا دیے جائیں گے اور اسی معنوی ذلت و خواری میں مبتلا کیا جائے گا اور اس پر ہوا و ہوس کو مسلط کیا جائے گا اس کے اخلاص کو ریاء اور حرص علی الدنیا اور جاہ و جلال اور حشمت و وجاہت کی طلب میں تبدیل کیا جائے گا اور اس کی آخرت کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل پر حسرت و ندامت کو مسلط کر کے اسے دائمی جدائی و مفارقت کی آگ میں جلایا جائے گا یہ نار ہجران الٰہی وہی ہے جو بدبختوں کے قلوب کو جھلس دے گی۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ہ میں اشارہ ہے کہ جو شیخ کامل ولی اللہ کی ولایت کا مردود ہے اس کا دنیا میں کوئی حامی و مددگار نہیں اگرچہ عالم دنیا کے تمام مشایخ اولیاء کرام اس کے لیے سفارش کریں اور اپنے شیخ سے اگر مردود ہو چکا ہے تو وہ اگرچہ ہزاروں مشایخ کی ارادت کا دم بھرے یا بے شمار اولیاء کرام کی خدمت کرے تب بھی اپنی بدبختی سے نہیں نکل سکے گا اور نہ ہی اسے کوئی کامل اس بدبختی سے نکال سکے گا، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ مالک و مختار ہے۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف : اسی لیے ہم اہلسنت (صوفیاء کرام) اپنے شیخ کی ارادت پر کسی ولی کامل کی ارادت و عقیدت کی ترجیح کے روادار نہیں۔
فافہم ولا تکن من الجاهلین والوهابیین۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنْهُمْ اور ان منافقین میں سے بعض ایسے ہیں مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حلفیہ معاہدہ کیا لَئِنْ اٰتٰىنَا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل و کرم سے مال لَنَصَّدَّقَنَّ تو ہم زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات و خیرات دیں گے۔ یہ دراصل "لنتصدقن" تھا۔ تاء کو دال میں مدغم کیا گیا ہے۔ اتصدق بمعنے صدقہ دینا۔ اور اسے صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بندے کے صدق فی العبودیۃ پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِينَ اور ہم ہر حال میں نیک لوگوں سے ہوں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد حج تھی۔

شانِ نزول

یہ آیت ثعلبہ بن بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی اور وہ ابتداءً مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتا۔ اسے "حمامة المسجد" "مسجد کی کبوتری" لقب[1] دیا گیا۔ کثرت سجود سے اس کے ماتھے پر نہ صرف داغ پڑ گیا بلکہ ماتھا اونٹ کے گھٹنے کی طرح باہر کو نکل آیا۔ لیکن وہ مسجد سے بہت جلد نکل جاتا۔ ایک

---

[1] اب یہ کیفیت [illegible] ہے - ۱۲

دن اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم نماز سے جلد چلے جاتے ہو۔ یہ تو منافقین کا کام ہے، کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی بلا تاخیر گھر چلے جانا، حالانکہ نماز کے بعد کچھ دیر دُعا و استغفار کرنا چاہیے۔ اس نے عرض کی: میں نہایت ہی تنگدست ہُوں یہاں تک کہ میرے ہاں صرف ایک کپڑا ہے جس سے نماز پڑھ کر پھر جلدی گھر چلا جاتا ہُوں اس سے میری عورت نماز ادا کرتی ہے اور وہ گھر میں ننگی بیٹھی ہے سبب تک میں نہیں جاتا وہ نماز نہیں پڑھ سکتی فلہذا اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دُعا فرمایئے تاکہ میں مالدار ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: وَیحك یا ثعلبہ "تمہیں خرابی ہو اے ثعلبہ۔

ف: ویحك، یہ کلمہ عذاب کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شفقت کا کلمہ ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اُس بہت سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم میں نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ رہی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا حضور نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے۔ اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی تحصیل کرنے والے بھیجے لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیے جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ تو ٹیکس ہو گیا جاؤ میں سوچ لوں۔ ثعلبہ کی مذکورہ بالا حالت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا فرمایا بَخِلُوْا بِهٖ تو انہوں نے اس کے ساتھ بخل کیا یعنی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا وَتَوَلَّوْا اور اللہ تعالیٰ کے معاہدہ اور اطاعت سے رُوگردانی کی وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ اور وہ روگردانی کرنے والے ہیں یعنی انہیں روگردانی عارض ہوئی۔

ثعلبہ کا بقایا قصہ اور حضور علیہ السلام کا علم غیب

جب زکوٰۃ جمع کرنے والے واپس آئے تو قبل اس کے کہ وہ ثعلبہ کا حال سناتے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: یا ویح ثعلبہ۔ یہ کلمہ آپ نے دو بار فرمایا یعنی ثعلبہ پر افسوس۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی۔ وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ [illegible] کے پاس لایا انھوں نے بھی اسے نہ فرمایا۔ پھر خلافتِ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے بھی قبول نہ [illegible] اور خلافتِ عثمانی میں ہلاک ہو گیا۔[1]

---

[1] اس سے میرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ثبوت ہے کہ آپ نے قبل از وقت ثعلبہ کو [illegible] سے معلوم ہوا کہ۔
(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف: ایک روایت میں ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ اے بدبخت! تیرے حق میں آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے سزا ہے تیرے اس قول کی جبکہ تو نے کہا کہ یہ زکوٰۃ چٹی ہے۔ باقی مضمون پہلے کی طرح ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فعل کے پیچھے ڈالا۔ یہاں گویا لفظ فعل مضاف محذوف ہے نِفَاقًا منافقت جو گھس چکی ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں میں یعنی ان کے اعتقاد برے ہو چکے ہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے "اعقبه الله خيرا" یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں کا انجام کار خیر بنایا۔ یا کہا جاتا ہے "اكلت سمكا فاعقبتني سقما" یعنی میں نے مچھلی کھائی اس کا انجام بیماری بنی اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ اس دن تک کہ جسے وہ پائیں گے یعنی ان کی موت تک انہیں منافقت نہیں چھوڑے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تادم زیست ان کو منافقت لازم ہو گئی تھی نیز معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کے ہاں مال ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ برا نکلے گا جیسے ابلیس کا انجام بربادی ہوا یا ثعلبہ کا (نعوذ باللہ) ابلیس نے ایک حکم سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے دروازہ سے ہٹا دیا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اسی ہزار سال عبادت گزار رہا لیکن اس کے باوجود اب وہ ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا اور نہایت سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں اینہمہ نیست

ترجمہ: اے زاہد! زمانہ کی غیرت سے بے غم نہ ہو ممکن ہے وہ غیور رب تجھے مسجد سے اٹھا کر بت خانہ میں بھیج دے اور بت پرست کو تیری جگہ مسجد میں۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا یعنی وعدہ کیا تھا کہ وہ صدقہ دیں گے اور نیک ہوں گے۔ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اور بوجہ ان کی تکذیب کے، یعنی انہوں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ ہر قول و فعل میں حضور علیہ السلام کے حکم کے خلاف کریں گے منجملہ ان کے یہ بھی ہے جو ثعلبہ کے واقعہ میں مذکور ہوا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا کیا تمہیں معلوم نہیں یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مال کی کثرت اگر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خرچ نہ ہو سکے تو تباہی کا موجب ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ: ؎

محمد بخشد گنہگار حق را
ولے حق نہ بخشد خطائے محمد (جامی رحمۃ اللہ علیہ)

خرچ کریں گے اور نیک ہوں گے۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی انہیں معلوم ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سِرَّھُمْ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں پختہ ارادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے لیکن اسے بیان نہیں کرتے وَ نَجْوٰىھُمْ اور ان کی ان سرگوشیوں کو جانتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے مشورہ وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زکوٰۃ چٹی ہے۔ اور ایسی اور غلط باتیں جو اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔

ف: التناجی بمعنے ایک دوسرے سے راز کی بات کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے نجاہ نجوی و ناجاہ مناجات بمعنے سارہ، یعنی فلاں سے فلاں کی راز کی بات کی۔ اور النجوی بمعنے راز کی بات۔ اسی طرح النجی۔

وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ غیوب کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر منافقت کی باتوں کو دل میں رکھ کر کیسے سمجھتے ہیں کہ اس سے کسی کو خبر نہ ہوگی۔ ؎

مکن اندیشۂ عصیاں چو می دانی کہ می داند
میبنی در روئے این و آں چو میدانی کہ می بیند

ترجمہ: جب تمہیں یقین ہے کہ وہ تیرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے تو پھر گناہ نہ کر بلکہ اس سے تائب ہوجا۔

مسائل فقیہہ

مسئلہ: کسی نے صرف اللہ تعالیٰ کی قربت کی طلب میں منت مانی، مثلاً کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہزار درہم عنایت فرمایا تو میں پانچسو درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ پانچسو روپیہ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرے۔

مسئلہ: کسی نے قربت کے لیے نہیں بلکہ ویسے ہی منت مانی۔ مثلاً کہا کہ میں فلاں دار میں ضرور داخل ہوں گا۔ یا کسی گناہ کی منت مانی۔ مثلاً کہا میں فلاں کو قتل کروں گا۔ اس پر لازم ہے کہ صورتِ اولیٰ میں حانث ہونے پر کفارہ ادا کرے، اور قتل کی صورت میں مثلاً اس پر لازم ہے کہ قتل نہ کرے بلکہ کفارہ ادا کرے۔

قسم کا کفارہ

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو طعام کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا دے، یعنی ان تینوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان تینوں مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی طاقت نہیں تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔

مسئلہ: اگر کسی شرط کے ساتھ مشروط منت مانی مثلاً کسی شے کے ہونے سے فعل کو مشروط کیا جیسے کہا کہ اگر فلاں سفر سے بخیریت واپس آیا یا میں سفر سے بخیریت واپس آیا یا اگر اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں مریض کو شفا بخشی یا اللہ تعالیٰ نے میرا قرض اتار دیا تو میرے اوپر روزہ ہے یا صدقہ۔ یا مثلاً کہا کہ اگر میں غلام کا مالک ہوگیا یا فلاں مخصوص غلام میرے قبضہ میں آگیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اسے آزاد کردوں۔ ان صورتوں میں اسے شرط کے پورے ہونے پر منت کا پورا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ ایسے الفاظ میں نذر کے مسائل مرتب ہوتے ہیں اس لیے کہ ان الفاظ میں یمین کا معنیٰ نہیں ہے۔

مسئلہ: ایسی صورت میں کسی شے کا وجود مقصود نہیں یعنی منت کو مشروط بالشرط کرتا ہے لیکن اس میں کسی شے کا وجود مطلوب نہیں مثلاً اگر میں نے فلاں سے بات کی یا میں وار میں داخل ہوا تو مجھ پر ایک سال کا روزہ ہے ایسی صورت میں خلاف کرنے پر کفارۂ یمین کافی ہے۔

مسئلہ: ایسی شے کی منت ماننے جو اس کے فرائض میں شامل ہے۔ مثلاً روزہ، نماز، صدقہ، اعتکاف ایسی صورتوں میں اس پر ان کی ادائیگی منت ماننے والے پر لازم ہے۔

مسئلہ: اگر منت والے پر وہ امور فرائض سے نہیں مثلاً عیادت مریض یا جنازہ کی شمولیت و دخول مسجد، پل کا بنانا، رباط تیار کرنا، سقایہ، قرأت قرآن وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورتوں میں اس پر کوئی شے لازم نہیں۔

قاعدہ: جو افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہیں وہ افعال بندہ اپنے اوپر واجب کر سکتا ہے ورنہ نہ، تاکہ نذر سے معلق کرنے سے اس کی مصلحت اسے نصیب ہو۔

مسئلہ: نذر غیر معلق کسی زمان و مکان کی محتاج نہیں جب اور جہاں ادا کرے جائز ہے۔ اسی طرح دراہم و دنانیر اور جنس گندم وغیرہ بھی اس میں ضروری نہیں جو چاہے جیسے چاہے ادا کرے بخلاف معلق کے کہ اس میں شرائط ضروری ہیں۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میں منت مانتا ہوں کہ یہ درہم آج کے دن اسی فلاں فقیر پر خرچ کروں گا اگر اس نے آج کے بجائے کل اور کسی غیر معین فقیر پر کوئی درہم خرچ کیا تو جائز ہے۔ یہ احناف کے جملہ ائمہ کے نزدیک ہے۔ خلافاً لزفر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: حقیقی مساجد تین ہیں:

- مسجد حرام
- مسجد نبوی
- مسجد اقصیٰ

اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تیار کردہ ہیں انہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اگر کسی نے منت مانی کہ میں ان میں کسی ایک مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس پر اسی معین مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہے بخلاف دوسری کسی مسجد کے کہ ان میں کسی خاص مسجد کی منت مانی تو اسے ضروری نہیں کہ وہ اسی مسجد میں جا کر نماز پڑھے بلکہ جس مسجد میں پڑھ لے اس کے لیے جائز ہے۔

مسئلہ: کذب، خلاف وعدہ اور امانت میں خیانت کا نام منافقت ہے۔

فائدہ: یہ اس کے لیے منافقت کی علامت ہیں جو ان امور کا عادی بن جائے۔

مسئلہ: صدق اور طاعت پر مداومت ایمان کی علامت ہے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے صدق کو پیدا فرمایا تو اس کا ظل ایمان ہُوا۔ اور کذب کو پیدا فرمایا تو اس سے کفر و منافقت کا ظل ظاہر ہوا۔

حدیث شریف : تین ایسی خصلتیں ہیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے :

- کذب
- وعدہ خلافی
- امانت میں خیانت

اگرچہ وہ نماز پڑھے ، روزہ رکھے اور اپنے آپ کو مسلم بتائے یعنی جو عمداً جھوٹ بولے اور خلاف کرنے کے لیے وعدہ کرے ۔ اور امانت کا انتظار صرف خیانت کے لیے رکھے۔

مسئلہ : یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو ان امور کا عادی ہو ور نہ کبھی کبھار یا غفلت سے غلطی ہو جائے تو اگرچہ بہت بڑا گناہ کیا لیکن اس کا شمار منافقین میں سے نہ ہو گا۔ یہی بخاری اور بعض علماء کا مذہب ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہی منافقین کی نشانیاں ہیں جس میں پائی گئیں اگرچہ وہ منافق نہ ہو تب بھی علامات تو اس میں ہیں اس لیے اسے شبیہ بالمنافق کہا جائے گا۔ بطور تغلیظ اسے منافق کہنا مجازاً ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ نے بطور تغلیظ من لم یحج کے بجائے من یکفر فرمایا ہے۔

فائدہ : صاحب تحفہ نے لکھا کہ ضروری نہیں کہ منافقین کی صرف یہی تین علامتیں ہوں بلکہ جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو ، وہ منافق ہے۔

فائدہ : منافق دو قسم ہیں :

۱۔ ابتداءً اسلام کا اعلان کرتے لیکن دل سے متنفر تھے ایسے لوگوں پر منافقت کی صفات کا غلبہ اور ان کے نفوس میں منافقت جڑ پکڑ چکی تھی۔

۲۔ اسلام کا اعلان کرتے ، دل سے اس سے متنفر تھے لیکن منافقت کی صفات کا ان پر غلبہ نہیں تھا بلکہ ایسی صفات ان کے نفوس میں پوشیدہ تھیں کہ گاہ گاہ ظاہر ہو جاتیں اور ان میں یہ صفات ابتداءً کمزور تھیں پھر جوں جوں منافقت بڑھتی گئی ان کی وہ صفات قوت پکڑتی گئیں یہاں تک کہ اسلام کے متعلق ان کے قلوب میں شکوک مضبوط اور پختہ ہو گئے ۔ ایسے لوگ اپنی منافقت سے غافل ہوتے ہیں اسی لیے وہ روزے بھی رکھتے اور نماز بھی پڑھتے ہیں اور وہ اپنے لیے مسلمان ہونے کے مدعی ہوتے ہیں۔

حجاج بن یوسف کی مذمت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : عالم دنیا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کی منافقتیں حجاج بن یوسف کے مقابلہ میں لائی جائیں تو ان سب پر حجاج کی منافقت بڑھ جائے گی۔

صاحبِ روح البیان کے دور کے وزراء اور مشیرانِ کار صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اپنے زمانہ کے حجاج کو دیکھ کر فرمایا اگر ہمارے دورِ عثمانیہ کے وزراء اور مشیرانِ کار کو دیکھ لیتے تو فرماتے کہ حجاج ان کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ اگر صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ یہ صاحبان اپنی نظیر آپ ہیں اس لیے کہ وہ علت صاحبِ رُوح البیان نے بتائی۔ وہ ہمارے دور کے وزراء و مشیرانِ کار میں بدترین طریق سے پائی جاتی ہیں مثلاً صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ ہمارے دور کے وزراء کفار سے رشوت لیتے ہیں تاکہ ان سے جنگ و جدال میں چشم پوشی کریں، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و خوار کرے۔

ہمارے دور کے وزراء کا حال عوام سے مخفی نہیں کہ وہ اہلِ اسلام سے نہ صرف رشوت کھاتے ہیں بلکہ ان میں ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر اور سُن کر حیاء و شرم والے انسان کو ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں بخل اور حرص علی الدنیا کی مذمت ہے۔

حدیث شریف: تین ایسے شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں اور جمیع ملائکہ کی لعنت میں ہیں:

- بخیل
- متکبر
- بسیار خور

حدیث شریف: خرابی بلکہ سخت پریشانی ہوگی قیامت میں اغنیاء کو غرباء فقراء سے جب فقراء اغنیاء کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گے کہ یا اللہ! اغنیاء سے ہمیں اپنے اموال سے حقوق نہ دے کر ہمارے اوپر ظلم کیا حالانکہ ان پر ہماری خدمت فرض تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم میں اغنیاء کو اپنے سے دور کر کر تم فقراء کو اپنا قرب عطا کرتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ: قارون کا خزانہ جو قہرِ الٰہی سے تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تم نے پڑھا ہے تو یاد رکھ وہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

حدیث شریف: ولی اللہ کی تخلیق ہی سخاوت پر ہوتی ہے یعنی ولی اللہ فطری طور پر سخی ہوتا ہے اور سب سے بڑا سخی اللہ تعالیٰ ہے

مثلاً اس نے تمام کائنات کو خلعت وجود صفت عطا فرمائی پھر ان پر ظاہرہ باطنہ مختلف نعمتیں عطا فرما ہیں اور انہیں مہلکات سے بچایا بالخصوص شہوات اور خاص طور پر بخل سے محفوظ کر کے لذات باقیہ کا شوق عنایت فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یہ مرفوع ہے اور منافقین کی مذمت کے لیے ہے یعنی منافقین وہ ہیں کہ یَلْمِزُوْنَ قاموس میں ہے کہ لمز بمعنے عیب اور کسی کے لیے آنکھ سے اشارہ کرنا یعنے عیب لگاتے اور غیبت کرتے ہیں اَلْمُطَّوِّعِیْنَ دراصل المتطوعین تھا یعنی نفلی صدقہ دینے والوں پر۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ المطوعین سے حال ہے یعنی درانحالیکہ جن پر منافقین عیب لگاتے ہیں وہ اہل ایمان ہیں فِی الصَّدَقٰتِ یہ یلمزون کے متعلق ہے یعنی وہ مومنین پر صدقات کے متعلق عیب لگاتے ہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو غزوۂ تبوک میں اللہ تعالیٰ پر خرچ کرنے کی ترغیب دلائی تو سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا جس کی کل مالیت چار ہزار درہم تھی۔ انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل ابقیت لاهلك شیئاً کیا آپ نے اپنے بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہ۔

انہوں نے عرض کی:

ابقیت لهم الله ورسوله۔ میں ان کے لیے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں۔

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟

عرض کی کہ آدھا مال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں میں بھی فرق ہے جو تم نے خود بتایا۔

مسئلہ: اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔

ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سا مال لائے کہ اس سے قبل آپ نے کبھی اتنا خرچ نہیں کیا ہوگا۔ دس ہزار دینار جنگی ضروریات کے لیے، اور ایک ہزار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذرانہ، اور تین سو اونٹ جنگی سامان سمیت، اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اللهم ارض عن عثمان فانی عنه راض۔ اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوا اور تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ یا اللہ! جس گھرانہ سے میں نے شادی کی اور جس کے ساتھ میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا وہ دوزخ میں داخل نہ ہو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ خوش نصیب بزرگ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

نکاح سے نوازا، وہ فوت ہو گئیں۔ ان کی فوتیدگی غزوۂ بدر کی روانگی کے وقت ہوئی، تو پھر جب حضور علیہ السلام غزوۂ بدر سے فراغت پا کر لوٹے تو حضرت عثمان کو اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح سے نوازا۔ اس بناء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے۔ جب بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لوکان عندی ثالثۃ لزوجتکہا۔ یعنی اے عثمان! اگر میری تیسری صاحبزادی ہوتی تو میں تیرا نکاح اس سے کر دیتا۔

ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا کل مال آٹھ ہزار درہم تھا، چار ہزار تو یہ راہِ خدا میں حاضر ہے اور چار ہزار میں نے گھر والوں کے لیے روک لیے ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم نے دیا اللہ اس میں بھی برکت فرمائے اور جو روک لیا اس میں بھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کا مال بہت بڑھا، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے چار بیبیاں چھوڑیں، انہیں آٹھواں حصہ ملا جس کی مقدار ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھی۔ ایک روایت میں اَسّی ہزار اور کئی درہم بھی وارد ہوا ہے۔ اور ان کا کل مال تین لاکھ بیس ہزار درہم تھا یعنی کل جائداد کا آٹھواں حصہ مذکورہ مال تھا۔ ایک روایت میں سونے کے چالیس اوقیے بھی وارد ہوا ہے۔ اس لیے روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو "اللہ تعالیٰ کے خزانے" کہا جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے لیکن مال میں اُلٹا برکت ہی برکت ہوتی۔

ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی بہت سا مال لائے۔

اسی طرح حضرت طلحہ نے بھی، اور حضرت عاصم بن عدی نے کھجوروں کا ایک وسق پیش کیا اور ایک وسق نبوی ساٹھ صاع کے برابر تھا اور نبوی صاع چار مد کا تھا۔ ایک مد امام ابو یوسف و امام شافعی کے نزدیک بغدادی ایک رطل اور تہائی رطل کے مساوی تھا اور ایک رطل ایک سو تیس دراہم کا ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔

اسی طرح عورتوں نے حسبِ استعداد اپنے زیورات پیش کیے۔

ان کے بعد ابو عقیل انصاری حاضر ہوئے اور عرض کی: ایک سیر میری کھجوریں بھی قبول فرمائیے، اور یہ میری وہ مزدوری ہے کہ ساری رات کماتا رہا مجھے صرف دو صاع کھجوریں ملیں، ایک صاع میں نے بچوں کے لیے رکھ چھوڑی ہیں اور ایک صاع حاضر کر دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے صدقہ کے ڈھیر میں ڈال دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قربانی کو منافقین نے ریاء و سمعۃ پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ عبدالرحمٰن نے تو ریاء اور شہرت کے لیے مال خرچ کیا ہے، اور ابو عقیل بھی اسی لیے مال لایا ہے کہ اس کا بھی نام یاد کیا جا سکے اور جتنا لایا ہے اس سے زیادہ اسے ملے ورنہ اللہ تعالیٰ کو ایک صاع کھجوروں کی کیا ضرورت ہے۔ منافقین کی اس طعن و تشنیع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ اور ان پر طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے، اس کا

عطف المطوعین پر ہے یعنی منافقین ان کے صدقہ دینے پر عیب لگاتے ہیں جو اپنی محنت سے صدقہ دیتے ہیں۔

ف : صاوی نے فرمایا کہ منافقین نے زیادہ خرچ کرنے والوں کو ریاد و سمعہ اور تھوڑا خرچ کرنے والوں کو تھوڑا خرچ کرنے کا طعنہ دیا۔

حلِ لغات : الجهد اگر بالفتح ہو تو بمعنے مشقت۔ اگر بالضم ہو تو بمعنے طاقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں پہلا بمعنے الجهد فی العمل اور دوسرا الجهد فی القوۃ میں مستعمل ہے۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ پس وہ ان سے ہنستے ہیں۔ اس کا عطف یلمزون پر ہے یعنی منافقین اہلِ ایمان کے ساتھ ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ یہاں پر اہلِ ایمان سے دوسرا گروہ یعنی تھوڑا خرچ کرنے والے۔ جیسے حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ وغیرہ مراد ہیں۔ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ہنسی کی سزا دے گا۔

ف : مسخری کا جواب لفظ مسخری سے صرف لفظی مشاکلت سے دیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس لفظ کا اطلاق ناجائز ہے اور اس سے مراد سزا ہے۔

وَلَهُمْ اور ان منافقین کے لیے ثابت ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ دردناک عذاب یعنی ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے۔

ے

ایکہ دارد نفاق اندر دل   خار بادش غلیدہ اندر حلق

ہر کہ سازد نفاق پیشۂ خویش   خوار گردد بنزد خالق و خلق

ترجمہ : وہ جو دل میں منافقت رکھتا ہے خدا کرے اس کے حلق میں کانٹا چبھے جو منافقت کی عادت کرتا ہے وہ خالق و مخلوق ہر دونوں کے نزدیک خوار و ذلیل ہوتا ہے۔

ربط : صاوی نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری تو منافقین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہمارے لیے بخشش کی دعا مانگیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ آپ کلمہ گو لوگوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے تھے صرف ان کے ظاہری طور اسلام کی وجہ سے قطع نظر اس کے کہ وہ منافق ہے یا نہیں۔ اور آپ کو اس کے اندرونی معاملات کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ اس طرف متوجہ ہوتے اس وجہ سے منافقوں کا جو شخص بھی فوت ہوتا تو اس کے ورثاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی مغفرت کی دعا کے لیے عرض کرتے تو آپ اس کے لیے دعا فرماتے صرف اس لحاظ سے کہ وہ کلمۂ اسلام پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ دلائی کہ یہ لوگ منافق ہیں ان کے لیے استغفار کا کوئی فائدہ نہیں۔

کما قال اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے دعا مانگیں یا نہ مانگیں۔ صیغۂ امر ہیں شرط کا معنیٰ ہے یہ عبارت دراصل یوں تھی "ان شئت استغفر لهم و ان شئت لا تستغفر لهم" یعنی ان کے لیے بخشش مانگنا نہ مانگنا

برابر ہے اس لیے کہ انہیں دعائے مغفرت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اگر ان کے لیے ستر بار مغفرت کی دُعا مانگو۔ مرۃ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یہ دراصل سبعین استغفارۃ مرۃ تھا یا ظرف (مفعول فیہ) بمعنے وقت ہے یعنی سبعین وقتا۔ ستر سے پورا عدد مراد نہیں بلکہ اس سے نفی مغفرت کی تاکید مطلوب ہے اس لیے کہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب انہیں کسی۔شئے کے وصف میں مبالغہ مطلوب ہوتا ہے تو اسے سبع (سات) یا سبعون (ستر) سے مؤکد کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ لو سألتنی حاجتك سبعين مرة لما قضيتها، تم اگر مجھ سے اپنی حاجت ستر بار مانگو تب بھی میں تیری حاجت پوری نہیں کروں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سائل ستر سے زاید بار طلب کرے تو اس کی حاجت پوری کردے گا بہرحال اس سے تحدید مطلوب نہیں بلکہ تکثیر مقصود ہے۔ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ اس آیت سے وہابیہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی آپ کو کسی قسم کا اختیار ہے اس کا مختصر رد صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ یوں فرما گئے کہ:

ای امتناع المغفرة لهم ولو بعد المبالغة فی الاستغفار ليس لعدم الاعتداد باستغفارك بل بانهم بسبب انهم كفروا بالله ورسوله۔

یعنی ان کے لیے مغفرت کا امتناع اگرچہ ان کے لیے استغفار میں مبالغہ کیا جائے یہ اس لیے نہیں کہ آپ کی استغفار میں قبولیت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے منکر ہیں۔

(ص ۹۲۸ ج ا تحت آیت ہذا مطبوع قدیم)

یعنی ان کے کفر کی وجہ سے، اس لیے کہ وہ کفر میں حد سے متجاوز ہو چکے ہیں تجاوز عن الحد کی قید ہم نے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ سے سمجھی اس لیے کہ فسق ہر شئے میں تمرد اور تجاوز عن الحدود کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا کہ جس سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اس لیے کہ ان کی ہدایت حکمتِ ایزدی کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ احکام تشریع و تکوین حکمت کے تقاضوں پر دائر و سائر ہیں۔

ف: ہدایت بمعنے ایصال الی المطلوب ہے وہ اگرچہ ان کو نصیب ہو جاتی لیکن انہوں نے اپنے بُرے اختیار سے اسے قبول نہ کیا جس سے انہیں وہی نصیب ہوا جو ان کے مقدر میں تھا۔

کمیونسٹ کا ردّ اور وہابیہ دیوبندیہ کا دوبارہ ردّ جس طرح آیت ہذا وہابیہ دیوبندیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عدم اختیار کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے کمیونسٹ

استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بخیل ہے۔ ان دونوں پارٹیوں کے رد میں صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفیہ اشارۃ الی ان استغفار النبی علیہ السلام لاحد من غیر استغفارہ لنفسہ لا ینفعہ فالیأس من المغفرۃ وعدم قبول استغفارہ لیس لبخل من اللہ و لا لقصور فی النبی علیہ السلام بل لعدم قابلیتہم لسبب الکفر الصارف عنہا۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی استغفار کسی کو نفع نہیں دیتی یہ اس لیے نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بخیل ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفار قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے اختیار کی کوئی کمی ہے بلکہ اس لیے کہ منافقین سے اہلیت ختم ہے کہ جس سے انہیں بخشش حاصل ہو۔

(روح البیان ج ۱، ص ۹۲۸ طبع قدیم تحت آیت ہذا)

ردِّ امکانِ کذب وہابی دیوبندی کذب باری تعالیٰ کے نہ صرف امکان کے قائل ہیں بلکہ وقوع کا قول بھی رشید احمد گنگوہی سے منقول ہے حالانکہ اسلاف صالحین متفق ہیں کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے چنانچہ گپ بوستوں کے مذکورہ بالا قول کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ:

کما قال المولی جلال الدین فی شرح الہیاکل المحال لا یدخل تحت قدرۃ قادر ولا یلزم من ذلک النقص فی القادر بل النقص فی المحال حیث لا یصلح لتعلق القدرۃ۔

مولانا جلال الدین نے شرح الہیاکل میں لکھا کہ محال قادر کی قدرت کے تحت نہیں اور اس میں اس کی تنقیص بھی نہیں اس لیے کہ نقص فی المحال قدرت سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔

(روح البیان ج ۱ ص ۹۲۸ تحت آیت ہذا)

یہی وجہ ہے کہ ایسے اقوال کے قائلین کو سابقہ دور میں بھی بُرا مانتے تھے چنانچہ عرفی شیرازی ذیل کے شعر پر تشنیع کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ:

ومنہ یعرف معنی قول العرفی الشیرازی: ؎

ذات تو قادر ست بایجاد ہر محال
الا بآفریدن چون تو یگانہ

لہ اس سے دیوبندیوں وہابیوں کے اس خبط کا رد بھی ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے امکان کذب نہ مانا جائے تو "علی کل شیء قدیر" کے خلاف ہوتا ہے اور یہ اس کے لیے نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے۔ اسکی مزید تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

ترجمہ: تیری ذات کو ہر محال کی تخلیق کی قدرت ہے لیکن تو اپنے جیسے کو نہیں پیدا کرتا اس لیے کہ تو بے مثل ہے۔

وفی عبارتہ سوء ادب کما لا یخفی۔ ایسی باتیں بے ادبی میں شامل ہیں انہیں بیان نہ کرنا لازم ہے۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۲۸)

مسئلہ: صدقات پر طنز کی وجہ سے کافر فاسق ہوئے ورنہ اگر انہیں ایمان یا صلاحیت ہوتی تو اہل ایمان مخلصین کی طرح خرچ کرنے میں جد وجہد کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا قلب ایمان سے منور اور اس کی روح حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے حق تعالیٰ روح کی نظر عنایت اور توفیق عبودیت سے تائید کرتا ہے جس کی برکت سے روح نور روحانی بتائید نور ربانی چمک اٹھتا ہے اس سے وہ خواطر روحانیہ ابھرتے ہیں جو بندے کو اعمال موجبہ للقرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے داعی بنتے ہیں اعمال موجبہ سے فرائض و نوافل مراد ہیں۔ یہ اعمال بدنیہ بھی ہیں جیسے روزہ۔ نماز اور مالیہ بھی جیسے زکوٰۃ۔ صدقات۔ صدقات زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔

حدیث شریف: نوافل بندہ کے وہ تحائف ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے تحفہ و ہدیہ کو اچھا کر کے پیش کرے اور اس میں حتی الامکان خلوص کرے۔ منافق کا دل صفات نفس کی تاریکیوں سے تاریک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ نور ایمان سے محروم ہے اور اس کا دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ دنیا کے نقش و نگار میں مبتلا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نفس امارہ کی اتباع کی نحوست سے نہایت ذلت و خواری سے بارگاہ حق سے مطرود و مطروح ہوتا ہے کیونکہ اس کا ساتھی شیطان ہے اسی ذلت و خواری اور شیطان کی دوستی کی وجہ سے نفس سے ظلمت نفسانیہ ابھرتی ہے جو اس کے قلب کو دعوت اسلام سے سرفراز نہیں ہونے دیتی۔ اس وجہ سے وہ اتباع رسل سے محروم رہتا ہے اور نہ ہی اوامر و نواہی کو صدق دل سے ادا کر سکتا ہے اور اس سے خواطر ظلمانیہ صادر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ادائیگی فرائض و نوافل سے باز رہتا ہے بلکہ ان کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتا ہے (جیسے دور حاضرہ میں نئی روشنی کے ماڈرن مسلم اسلام پسند اور اسلامی شعار کے عاملین سے ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں)

داؤد علیہ السلام کا قصہ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الٰہ العالمین! مجھے میزان کا اصلی ڈھانچہ دکھایئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میزان کی اصلی صورت خواب میں دکھائی جس کی عظمت دیکھ کر داؤد علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا الٰہ العالمین! وہ کون خوش بخت انسان ہوگا جو اسے نیکیوں سے بھرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد علیہ السلام! جس بندے سے میں راضی ہوتا ہوں اس کے ایک کھجور کے دانہ صدقہ کرنے سے اس کا پلڑا بھر دیتا ہوں۔

(باقی بر صفحہ ۳۰۴)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ
مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ
بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا
تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ
وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ
وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ
لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا
يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪
تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى
الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ پر چلے جانے کے بعد پیچھے بیٹھنے والے خوش ہو گئے کہ وہ جنگ سے گھر میں بیٹھے رہے اور انہیں ناگوار ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور دوسروں کو کہا کہ گرمی میں جنگ پر مت نکلو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ جہنم کی آگ سب سے سخت گرم ہے۔ کیا خوب تھا کہ وہ سمجھتے۔ تو انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ بدلہ ہے ان کا جو وہ عمل کرتے ہیں پس اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کو اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ آپ سے

جہاد پہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ انہیں فرما نا کہ تم میرے ساتھ کبھی جنگ پہ نہ چلو گے اور نہ ہی میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے لڑو گے بیشک تم نے پہلی دفعہ جنگ سے گھر میں بیٹھنا پسند کیا تو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اُن میں کوئی مرجائے تو آپ ان کی کبھی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوئے اور وہ فاسق ہو کر ہی مرے اور آپ کو ان کے مال و اولاد تعجب نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انھیں دنیا میں ان کی وجہ سے عذاب میں گرفتار کرے اور حالتِ کفر میں ہی ان کا دم نکل جائے اور جب کوئی سورۃ کا مضمون نازل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان کے طاقت وقوت والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں جنگ سے گھر میں بیٹھنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجیے اور وہ لوگ جنگ سے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھنے پر راضی ہوئے اور ان کے دلوں پہ مہر کر دی گئی تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مسلمانوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لیے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور کچھ بہانہ ساز گنوار آئے تاکہ انہیں جنگ پہ نہ جانے کی رخصت دی جائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا وہ جنگ سے بیٹھ گئے عنقریب ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پہنچے گا ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور وہ لوگ جو جنگ پہ جانے کی استطاعت نہیں رکھتے پر کوئی گناہ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ ہیں نیکی والوں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور ان پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوتے ہیں کہ آپ انھیں سواری عطا فرمائیں اور آپ فرمائیں گے کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ جو میں تمہیں عطا کروں وہ واپسی پر غم سے آنسو بہاتے ہوئے جائیں یہ کہ انہیں جنگ پہ جانے کی استطاعت نہیں ہاں ان پر مواخذہ ہے جو ان میں سے دولت مند ہو کر آپ سے جنگ پہ نہ جانے کی رخصت طلب کرتے ہیں اور انہیں خوشی ہے کہ وہ جنگ پہ نہ جانے والی عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مُہر کر دی تو وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

حکایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک نخاس سے گزر ہوا اس کے ہاں ایک لونڈی نہایت حسین و جمیل تھی آپ نے اس سے فرمایا اسے ایک دو درہم کے بیچنے پر تو رضامند ہو جائے گا۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل حوریں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پیسہ دو پیسے خرچ کرنے پر عطا فرمائے گا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا:

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری

بخر جانِ من ورنہ حسرت خوری

(باقی برصفحہ آئندہ)

ترجمہ: دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے، اے عزیز! ابھی خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔

ف: فرائض کی ادائیگی کے بعد ہی نوافل بارگاہِ حق میں قبول ہوتے ہیں۔ اور یہی اہلِ ہدیٰ کی علامت ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ مخلف ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے پیچھے کچھ چھوڑ جائے اور متخلف وہ جو خود کسی کام سے رہ جائے اور مخلفون سے وہ منافق مراد ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور وُہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ پہ نہ جا سکے انہوں نے حضور علیہ السلام سے غزوۂ تبوک پہ نہ جانے کی رخصت طلب کی اور وہ مدینہ طیبہ میں رہ گئے بِمَقْعَدِهِمْ مقعد مصدر میمی ہے بمعنیٰ قعود یہ فرح کے متعلق ہے یعنی منافق جنگ پہ نہ جانے سے خوش ہُوئے۔ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یہ مصدر کا ظرف ہے بمعنیٰ خلف یعنی حضور علیہ السلام جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ نہ جا سکے یہاں پر خلٰف بمعنیٰ خلف ہے جیسے قول باری تعالیٰ "واذا لا یلبثون خلافك الا قلیلا" میں خلٰف بمعنے خلف ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں "اقام زید خلاف القوم" یہ اس وقت بولتے ہیں جب زید قوم کے چلے جانے کے بعد کہیں رہ جائے یا خلاف بمعنی مخالفت ہے۔ اس معنے پر اس کا منصوب ہونا فرح کی علت کی وجہ سے ہے یعنی خلاف، فرح کا مفعول لہ ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کرنے سے خوش ہُوئے کہ آپ جنگ پہ تشریف لے گئے اور وہ گھر پر آرام سے رہ گئے وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اموال ونفوس کو جہاد میں خرچ کرنے سے کراہت کی۔ یعنی انہوں نے راحت و آرام کو طاعتِ الٰہی پر ترجیح دی حالانکہ ان کے دل میں کفر و منافقت تھی۔

نکتہ: فرح کے بعد کراہت کا ذکر اس لیے ہے تاکہ دلالت ہو کہ اہلِ ایمان نے اموال ونفوس خرچ کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہُوئے۔ کرھوا کا فرح سے مقابلہ معنویہ ہے اس لیے کہ فرح قلب محبت کے ثمرات سے ہے:

وَقَالُوْا اور آپس میں انہوں نے کہا تاکہ جنگ پہ نہ جانے سے تسلی ہو یا جنگ پہ نہ جانے اور شر و فساد پھیلانے کیلیے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کے طور پر کہا یا اہل ایمان کے دل کمزور کرنے کے لیے کہا تاکہ اہلِ ایمان جہاد سے محروم ہوں گویا اہلِ ایمان کو نیکی سے روکنے کے طور پر کہا۔

ف: منافقین کی تین عادتیں بیان کی گئی ہیں جو کہ ان کی یہی ان کے کفر و گمراہی کی علامات ہیں:

- جنگ پہ نہ جانے کی فرحت
- جہاد سے کراہت
- دوسروں کو جہاد سے روکنا۔

لَا تَنْفِرُوْا نہ نکلو فِي الْحَرِّ گرمی میں، اس لیے کہ گرمی کی شدت تم سے برداشت نہ ہوگی اور غزوۂ تبوک کا موقعہ سخت گرمیوں میں تھا اور کھجوریں خوب پک چکی تھیں۔ یہی سخت گرمی کا موسم ہوتا ہے۔

سوال: حضرت عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضور علیہ السلام موسم خریف میں غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے۔ یہ قول آیت کے خلاف ہے۔
جواب: قول مذکور خلاف نہیں اس لیے کہ گرمی خریف کے اوائل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ خریف کے اوائل میں سورج برج میزان میں ہوتا ہے اور یہ موسم گرما کے آغاز میں ہوتا ہے۔

ابوخیثمہ کا عجیب واقعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے ساتھ نہ جا سکے۔ انہی ایام میں ابوخیثمہ سخت گرمی میں اپنے گھر تشریف لانے تو ان کی دو عورتیں تھیں انہوں نے اپنے اپنے علیحدہ کھجور کے بہترین باغ سجا رکھے تھے اور ٹھنڈے پانی کی صراحی بھر لائیں اور بہترین مکلف طعام پکا کر ابوخیثمہ کو پیش کیا۔ جونہی حضرت ابوخیثمہ نے ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈا پانی اور بہتر طعام اور اپنی عورتوں کو دیکھا تو کہا کہ افسوس ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم گرمیوں میں تشریف فرما ہوں گے اور ابوخیثمہ ٹھنڈے پانی پئے اور مکلف طعام کھائے اور درختوں کے سایہ میں اپنی عورتوں کے ساتھ بیٹھے، یہ اس کے لائق نہیں۔ یہ تمام اشیاء وہیں دھری رہ گئیں ابوخیثمہ نے عورتوں سے فرمایا کہ بخدا کہ جس گھر میں داخل ہونا حرام سمجھتا ہوں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر لوں۔ یہ کہہ کر اُونٹنی تیار کی اور تلوار اور تیر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور غزوۂ تبوک میں شامل ہو گئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ملول از ہمرہاں بودن طریق کاردانی نیست
بکش دشواریٔ منزل بیادِ عہدِ آسانی

ترجمہ: اپنے ساتھیوں سے ناامیدی اچھی نہیں، آسانی کی امید پر منزل کی سختی کو سر پر اٹھا لے۔

اور فرمایا: ؎

مقامِ عیش میسر نمیشود بے رنج
بلے بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: مقامِ عیش آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر شے الست والے کے حکم کی پابند ہے۔

پھر فرمایا: ؎

من از دیارِ حبیبم نہ از دیارِ غریب
مہیمنا بعزیزاں خود رساں باشم

ترجمہ: میں تو نہ حبیب کے دیار کا ہوں اور نہ غریب دیار سے۔ اے اللہ! مجھے اپنے یاروں کے ہاں پہنچا دے۔

قُلْ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں ان کا رد کرتے ہوئے ان کی جہالت کے اظہار کے طور پر فرمائیے نَارُ

جَہَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا۔ جہنم کی آگ کی گرمی زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس دنیوی گرمی کے جسے تم پسند کر رہے ہو تمہیں تو اسی جہنم کی گرمی سے ڈرنا چاہیے لَوْ کَانُوْا یَفْقَهُوْنَ ○ اگر وہ جانتے اور سمجھتے کہ واقعی جہنم کی گرمی سخت تر ہے تو وہ ہرگز مخالفت نہ کرتے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا ستروان جز ہے۔
شرح الحدیث: اگر دنیا کی تمام لکڑیاں جلائی جائیں تو ان تمام لکڑیوں کی آگ ایک جز ہے، جہنم کی آگ کے ستر اجزاء ہوں گے۔
حدیث شریف: جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام مالک نار (فرشتۂ نار) کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے ایک چنگاری لی تاکہ اس سے آدم علیہ السلام کھانا پکائے۔ جب یہ چنگاری اٹھا کر آدم علیہ السلام کو دی گئی تو آدم علیہ السلام کے ہاتھ جلنے لگے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جہنم کی ایک چنگاری ہے جسے میں نے ستر بار پانی سے دھویا ہے اس کے بعد آپ کے ہاں لایا ہوں اس پر لکڑیاں ڈال کر کھانا پکائیے اور کھانا کھائیے۔ آدم علیہ السلام آگ کی گرمی کو دیکھ کر رو دئے اور فرمایا کہ اس سے میری اولاد کیسے بچ سکے گی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی نیک اولاد سے اس آگ کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ جیسا کہ وارد ہے کہ جہنم مومن سے کہے گی: جز یا مومن فقد اطفاء نورك لهبي۔ اے مومن! مجھ سے جلدی گزرو، اس لیے کہ تیرے نور نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔
ف: جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہو اس کو آگ نہیں جلائے گی جیسا کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج کرۂ نار سے آسانی سے گزر گئے اس سے آپ کے بال کو بھی آگ نے مس نہ کیا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہوگئی۔
فَلْیَضْحَكُوْا پس دنیا میں ہنسیں گے قَلِیْلًا بہت تھوڑا، اس سے زندگی بھر مراد ہے اس لیے کہ جب دنیا کی عمر بہت قلیل ہے پھر جو اس میں بسر کرتا ہے تو اس کے لیے تو بہت زیادہ قلیل ہے وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا اور آخرت میں نار میں بہت روئیں گے۔ جَزَآءً لیبکوا کا مفعول لہ ہے یعنی ان کا جہنم کا رونا بسبب جزا کے ہوگا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○ ان مختلف گناہوں کے سبب سے۔
پہلی تقریر: یہ دونوں صیغے امر کے ہیں لیکن ان کا معنیٰ مضارع کا ہے یعنی تھوڑا ہنسیں گے لیکن ہمیشہ روئیں گے۔
نکتہ: مضارع کو امر کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ مخبر بہ کا وقوع لازمی اور ضروری ہے اس لیے کہ آمر مطاع کی اطاعت کا مامور بہ خلاف ہرگز نہیں کرتا۔
حدیث شریف: منافق جہنم میں دنیا کی عمر کے برابر روتا رہے گا اس دوران نہ اس کے آنسو بند ہوں گے نہ انہیں نیند آئے گی۔
حدیث شریف: اللہ تعالیٰ جہنمیوں پر گریہ مسلط کریگا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے یہاں تک کہ ان کے چہرے کھائی کی طرح ہو جائیں گے۔

دوسری تقریر: اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ضحک سے فرح اور بکا سے غم، اور اس کی قلت سے عدم اور کثرت سے دوام مراد ہے۔ اب معنیٰ یُوں ہو گا کہ منافقین کو قیامت میں غم ہو گا فرح کے بغیر اور آہیں نکالیں گے جن میں سرور نہ ہو گا۔ اس تقریر میں ہنسنا اور رونا دونوں قیامت میں ہوں گے۔

تیسری تقریر: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں دنیا میں ہوں یعنی منافقین جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی اور اپنا بُرا حال دیکھتے ہیں تو انہیں ہنسی بہت کم اور رونا بہت زیادہ آتا ہے جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہُوں اگر تم جان لو تو بہت تھوڑا ہنسو اور بہت زیادہ رؤو۔

حدیث شریف: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے آپ کا ایک قوم پر گزر ہُوا جو باتوں باتوں میں ہنستی تھی آپ اس کے ہاں ٹھہر گئے اور السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ عزیزو! لذات کے مٹانے والی کو بہت زیادہ یاد کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: لذات کے مٹانے والی کیا شئے ہے؟ آپ نے فرمایا: وُہ موت ہے۔

حضرت صائب علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بر غفلت سیاہ دلاں خندہ میزند
غافل مشو ز خندۂ دنداں نما صبح

ترجمہ: سیاہ دلوں کی غفلت سے ہنسی آتی ہے

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک نوجوان پر گزر ہُوا جو بہت ہنس رہا تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عزیز! تم پُل صراط سے گزر چکے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم بہشت میں جاؤ گے یا دوزخ میں؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر ہنسنا کیسا! جب حضرت حسن بصری سے اس نوجوان نے یہ نصیحت سُنی، تو اس کے بعد تادمِ زیست کبھی نہ ہنسا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام سے جُدا ہونے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابن عمران! چاپلوسی اور خوشامد سے بچتے رہنا، بلا ضرورت کہیں نہ جانا اور نہ ہی ہنسنا، بلکہ اپنی خطاؤں کو یاد کر کے بہت روتے رہنا۔

لطیفہ: حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی کو بہشت میں روتے دیکھو تو تعجب کرو گے یا نہ؟ لوگوں نے کہا: ہاں ضرور تعجب ہو گا۔ آپ نے فرمایا: ایسے ہی جو دنیا میں رہ کر ہنستا ہے تو اس سے بھی تعجب لازمی امر ہے اس لیے کہ اسے ابھی معلوم نہیں کہ بہشت میں جانا ہے یا دوزخ میں۔

حکایت ذُوالنبول کی حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے یحییٰ علیہ السلام گھر سے چلے گئے تلاش بسیار کے بعد

ایک قبر پر روتے ہوئے پائے گئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں فرمایا: بیٹے! کیوں روتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے والدہ ماجدہ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام خبر لائے ہیں کہ بہشت و دوزخ کے درمیان ایک ایسا آگ کا جنگل ہے وہ طے نہیں ہو سکے گا سوائے آنسو بہانے کے یہ سن کر زکریا علیہ السلام نے فرمایا: بیٹے! روتے رہو۔

حکمت: حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ بندۂ خدا کو جب رونا نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اپنا پر بندے کے جگر پر لگاتا ہے اس کے بعد بندے کو رونا آجاتا ہے۔

تین آنکھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ مس نہیں کرے گی:

- راہِ خدا میں خدا نکالی گئی
- اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نگرانی کے لیے شب بھر جاگنے والی
- اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے خوف سے آنسو بہانا ہزار دینار راہِ خدا میں لٹانے سے زیادہ مرغوب ہے۔

تورات کا مضمون توراۃ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! رونے کے بعد اپنے آنسو آنکھ سے مت پونچھ اس لیے کہ یہ آنسو میری خاص رحمت ہے انہیں اپنے ہاتھ سے تیرے چہرے سے صاف کروں گا۔

گریہ کی اقسام علماءِ کرام نے فرمایا کہ گریہ دس قسم کا ہے:

(۱) فرح (خوشی) (۲) حزن

(۳) رحمت (۴) خوف جو کسی کو پہنچ چکا

(۵) جھوٹا رونا جیسے بین کرنے والی عورت جو دوسرے کے غم سے جھوٹا رونا روتی ہے۔

بین کرنے والی عورت: مروی ہے کہ بین کرنے والی عورت جونہی قبر سے نکلے گی تو اجڑے ہوئے اور غبار آلود بالوں والی اور اس پر لعنت کی چادر لپیٹے اور خارشتی قمیص پہنے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر کتے کی طرح بھونکتی ہوگی۔

(۶) موافقت میں رونا مثلاً ایک جماعت روتے ہوئے دیکھ کر وہ بھی رونا شروع ہو جائے حالانکہ اسے علم نہ ہو کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔

(۷) محبت اور شوق کا رونا۔

(۸) وہ درد جو اسے پہنچے اور اس کی برداشت نہ کرنے پر رونا۔

(۹) جور و ضعف کا رونا۔

(۱۰) منافقت کا رونا، وہ یہ کہ آنکھیں تو آنسو بہائیں لیکن دل سخت ہو۔

ف : تباکی بمعنے بتکلف رونا، یہ دو قسم ہے :

① محمود

② مذموم

محمود وہ ہے جو رقت قلبی کے لیے بتکلف روئے۔

مذموم ریاء و سمعۃ کے طور رونا۔ (کذا فی انسان العیون)

سبق : طالب آخرت پر لازم ہے کہ وہ ہنسے کم اور روئے بہت زیادہ اور اسے چاہیے کہ وہ موت اور آخرت کے حساب و کتاب سے غفلت نہ کرے، اس لیے کہ بہت سے لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کا کفن تیار کیا جا رہا ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دیہ آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ

کہ ز سرپنجۂ شاہین قضا غافل بود

ترجمہ : اس کبک رفتار انسان کے قہقہے پر تعجب ہے کہ وہ سرپنجۂ شاہین قضا سے غافل ہے۔

تفسیر عالمانہ فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ حل لغات : یہاں رجع متعدی مراد ہے نہ لازم اس لیے کہ رجع لازم ہو تو اس کا معنیٰ ہے انصرف اگر متعدی ہو تو بمعنے صرف و ردّ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس اگر آپ کو اللہ تعالیٰ غزوۂ تبوک سے، پس لائے إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ ان کے ایک گروہ کی طرف۔

حل لغات : الطائفۃ من الشئ بمعنے شئے کا ایک ٹکڑا۔ اور منہم کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو غزوۂ تبوک سے مدینہ طیبہ میں رہ گئے اس سے مطلق جنگ سے رہ جانے والے منافق غیر منافق مراد نہیں اس لیے کہ ان میں بعض اہل ایمان مخلصین بوجہ شرعی مجبوری غزوۂ تبوک پر حاضر نہ ہوسکے یا یہ ضمیر ان منافقین کی طرف راجع ہے جو غزوۂ تبوک کی فراغت کے بعد زندہ موجود تھے اس لیے کہ غزوۂ تبوک کی روانگی اور واپسی کے درمیانی عرصہ میں ان میں بعض فوت ہو چکے تھے اور بعض ان دنوں شہر سے غائب ہو چکے تھے اور بعض ان میں ایسے تھے جنہوں نے اپنا قائمقام بھیجا تھا اور بعض نے سرے سے اجازت بھی نہیں مانگی تھی۔

ف : حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کل بارہ منافق تھے جنہوں نے اجازت چاہی تھی اس پر ان کی خوب مذمت ہوئی۔

فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ پس وہ آپ سے غزوۂ تبوک کے بعد کسی دوسری جنگ پہ نہ جانے کی بھی اجازت چاہیں فَقُلْ لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا آپ انہیں فرمائیے کہ تم میرے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ نکلو یعنی آپ انہیں ہرگز اجازت نہ دیجئے یہ جملہ خبریہ بمعنے امر ہے مبالغہ کے طور پر ایسے ہوا ہے جیسے وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ط یعنی

میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ نہ کرو اِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ اس لیے کہ تم جنگ پہ نہ جانے سے راضی ہو بلکہ اس سے قبل بہت بڑے خوش ہوئے ہو۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ پہلی بار اس سے غزوۂ تبوک مراد ہے۔

سوال: مرۃ مونث اور اوّل افعل التفضیل مذکر خلاف قانون کیوں؟

جواب: افعل التفضیل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مذکر ہو کر آتا ہے خواہ اس کا مضاف الیہ صیغۂ مونث ہو، یہی عام اور کثیر الاستعمال ہے اس لیے کبرٰی امراءۃ یا اولی مرۃ کبھی نہیں کہا جاتا۔

فَاقْعُدُوا پس اس کے بعد بیٹھ جاؤ مَعَ الْخَالِفِينَ ○ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ یعنی ان منافقین کے ساتھ رہ جاؤ جن کو جنگ پہ نہ جانے کی عادت پڑ گئی ہے، اس لیے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی طرح جنگ پہ جانے کے لائق بھی نہیں۔ الخالفین میں تغلیب الذکور علی الاناث ہے ورنہ ان میں عورتیں بھی تھیں۔

سوال: منافقین کے اعمال مثلاً کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں مقبول، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نامقبول تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ہم ظاہر پر حکم فرماتے ہیں اور انکے اندرونی معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں[1]۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

نحن نحکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱۳۱۹ تحت آیت ہذا)

باوجود ایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں حکم فرمایا کہ جنگ پہ نہ جانے والے منافقین کے اعمال مت قبول فرمائیے۔ خلاصۂ سوال یہ کہ منافقین کو اتنا عرصہ تک کیوں مہلت دی گئی۔

جواب: چونکہ منافقین بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پر عمل کرتے اور دل میں کفر و منافقت کو پوشیدہ رکھتے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ظاہری باتوں کو مان کر ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد فرماتے اس ارادہ پر کہ شاید ان کی منافقت موافقت سے تبدیل ہو جاتے اور انہیں رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو۔ (اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں مہلت دے رکھی تھی) لیکن جب انہوں نے اپنے اندرونی غلط معاملات کو خود ظاہر کیا تو ان کے تمام اعمال مردود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے خبیثوں کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دُور رہنے کا حکم فرما دیا۔

ف: علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیئے اور حکم فرما دیا کہ آج کے بعد میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور رہیں۔ یہ ان کی اس کیے کی سزا تھی جو انہوں نے حضور نبی کریم

---

[1] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کے وہ تمام اعتراضات اُٹھ گئے جو آپ منافقین کے ظاہری احوال کے مطابق عمل فرماتے جنہیں وہابیہ دیوبندیہ لاعلمی اور عدمِ اختیار پر محمول کرتے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ جانے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ کی شان میں گستاخی کی، اس سے واضح ہوا کہ نبوت کی گستاخی سے نہ دین کو تقویت ملتی ہے نہ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے[1]۔ البتہ مخلص مومن کی کسی خدمت سے دین کو فائدہ پہنچتا ہے خواہ وہ تھوڑی ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دین اور اہلِ دین کی صحبت کا سوال کرتے ہیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عکاظ کے بازار سے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے خریدا گیا۔ بی بی صاحبہ نے ہبہ کے طور پر زید کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا اس کے بعد حضرت زید کا والد حاضر ہوا اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خریدنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا، اگر زید واپس جانے پر راضی ہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت زید سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غلامی کے ساتھ رہنا مجھے والد کے ہاں آزادی سے زیادہ محبوب ہے اس لیے کہ مجھ سے آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں ہو سکتی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زید کو ہمارے ساتھ اتنی محبت والفت ہے تو ہم بھی انہیں غلام رکھنا نہیں چاہتے۔ یہ فرما کر انہیں آزاد کر کے انکا نکاح پہلے بی بی ام ایمن سے کر دیا۔ پھر ان کا نکاح بی بی زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گدائے در جاناں بسلطنت مفروش
کسے ز سایہ ایں در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت لے کر نہ بیچ اسی دروازے سے ہی آفتاب کا گزر ہوگا۔

سبق: چونکہ منافقین میں حضور سرورِ عالم کی صحبت مقدسہ کی اہلیت وصلاحیت نہیں تھی اس لیے انہیں آپ سے جدائی ومفارقت کو بہتر سمجھا آپ کے ساتھ نہ وہ سفر پر جانا چاہتے اور نہ حضر میں آپ کے ساتھ رہنا پسند کرتے۔

قاعدہ: کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔

فائدہ: مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ والوں سے فرمایا: اے مدینہ والو! ہم نے آتے ہی تمہارے شریف اور رذیل لوگوں کو پہچان لیا۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیسے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ شریف لوگ شرفاء کے ساتھ نظر آتے ہیں اور رذیل رذیلوں کے ساتھ، اس لیے کہ طبع کی خواہش نے اپنی طبع کا ساتھی تلاش کیا۔ ؎

اذا الرجال توسلوا بوسیلۃ فوسیلتی حبی لآل محمد

---

[1] اہلِ اسلام غور فرمائیں کہ وہابی، دیوبندی، مودودی، تبلیغی اور دیگر گمراہ فرقے کتنا ہی دین کی خدمت کا دم بھریں تمام بے کار ہے جبکہ وہ شانِ رسالت کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ: لوگ دنیا میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں میرا وسیلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور بس۔
فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ جنگ پہ جانا مرد میدان کا کام ہے، اس لیے نالائق سے یہ کام سرانجام نہیں ہوتا اور نامرد تو ویسے بھی اس اہم کام کے لائق ہی نہیں۔

؎

یا برو ہچوں زناں رنگے و بوئے پیش گیر
یا چو مرداں اندر آئے و گوئے در میدان فگن

ترجمہ: یا گھر بیٹھ کر عورتوں کی چوڑیاں پہن لے یا مرد میدان ہو کر میدان میں آجا۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ندہد ہوشمند روشن رائے | بفرومایہ کارہائے خطیر
بوریا باف اگرچہ بافندہ است | بنزندش بکارگاہ حریر

ترجمہ: سمجھدار نااہل کو بڑا کام سپرد نہیں کرتا۔ بوریا بنانے والے اگرچہ کتنا ہی کاریگر ہو لیکن انہیں ریشم بنانے کا کام نہیں دیا جائے گا۔

زمخشری کے بلیغ اقوال
① لا تصلح الامور الا باولی الالباب۔ عقلمندوں سے ہی کام سرانجام ہوتے ہیں۔
② والارحاء لا تدور الا علی الاقطاب۔ چکی کیل کے گرد گھوم سکتی ہے۔

ف: الاقطاب قطب کی جمع ہے بمعنے وہ کیل جس پر چکی گھومتی ہے۔
وَلَا تُصَلِّ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! نماز مت پڑھیے عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ ان کے کسی ایک پر۔ منھم احد کی صفت ہے اور اس سے منافقین مراد ہیں۔ مَّاتَ یہ احد کی دوسری صفت ہے اور منہم مات کی ضمیر سے حال بھی واقع ہو سکتا ہے (کذا فی تفسیر ابی البقاء) یعنی وہ جو مر گیا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یہ نہی کا مفعول فیہ ہے یعنی لا تدع کا ظرف ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے لیے ہمیشہ تک نہ دعا کیجئے نہ استغفار۔ یہی ترکیب اظہر ہے، بعض کے نزدیک ابداً مات کا مفعول فیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے کسی ایک کے لیے نماز نہ پڑھیے کیونکہ وہ ہمیشہ کے لیے مر گیا جبکہ اس کی موت کفر پہ واقع ہوئی، اس لیے کہ جو کافر ہو کر مرتا ہے وہ حقیقی مردہ ہے اگرچہ اسے قیامت میں زندہ کیا جائے گا تو عذاب دینے کے لیے، اور وہ اس کے لیے زندگی نہیں بلکہ موت سے بدتر۔ اس معنے پر گویا وہ زندہ ہوا ہی نہیں۔

صحابی رازدان
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا لقب "صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں تجھے ایک راز بتاتا ہوں، وہ کسی کو نہ بتانا[1]، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں فلاں کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا ہے۔ آپ نے منافقین کی ایک بہت بڑی جماعت کے اسماء گنائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب کسی پر شک کرتے کہ وہ منافقین سے ہوگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جاتے اگر حضرت حذیفہ اس کی نماز کے لیے تیار ہو جاتے تو اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ صاف انکار کر دیتے[2]۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط اور اس کی قبر پر دفن یا زیارت اور دُعا کے لیے نہ ٹھہریے (اسی سے وہابیہ، دیوبندیہ کی قبروں کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح تاقیامت ان پر فاتحہ درود پڑھنے والے نہیں ملتے بخلاف اللہ والوں کے مزارات کے کہ ان پر شب و روز خلقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے)۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ میت کو دفنانے کے بعد اہلِ قبر کے لیے دُعائے خیر فرماتے۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بیشک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا یہ ان کی قبروں پر نہ ٹھہرنے اور ان کے لیے استغفار نہ کرنے کی علت ہے وہ اس لیے کہ کسی کی قبر پر ٹھہرنے کے لیے صاحبِ قبر کا صالح ہونا ضروری ہے اور منافقین میں صالحیت محال ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے پر زندگی بسر کی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ : زمزم اور کوثر کے پانی سے اس گلیم کو سفید نہیں کیا جا سکتا جسے ابتداءً ہی سیاہ تاگوں سے تیار کیا گیا ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

---

[1] اس سے وہابیہ کا وہ اعتراض اٹھ گیا جو کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے راز کا کوئی علم نہیں تھا بلکہ آپ کا وہی علم تھا جو شریعت نے ظاہر کیا۔

[2] اس سے شیعہ کا رد ہوا وہ یہ کہ کسی کی جزئی فضیلت سے کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ رازدانی حضرت حذیفہ کی ایک فضیلت تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانا اسی طرح بعض جزوی فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہیں جن سے ان کی اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر افضلیت ثابت نہیں ہوگی۔ وہابیہ کا رد بھی ہوگیا جبکہ حضرت عمر کا عقیدہ تھا کہ بعض باتیں راز کی ہیں جو رازدان جانتے ہیں۔ ۱۲

ترجمہ: شیشے سے تو زنگ اتارا جا سکتا ہے لیکن پتھر تو شیشہ نہیں ہو سکتا۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ اور مرگئے در انحالیکہ وہ فاسق تھے یعنی کفر میں متمرد اور حدود حق سے خارج تھے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا واقعہ اور تردید وہابیہ دیوبندیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنی مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر استغفار اور نماز جنازہ کی درخواست کی اور جب مرجائے تو اس کی قبر پر تشریف لائیں آپ کو پھر کہلوا بھیجا کہ اپنا قمیص مبارک عنایت فرمائیں تاکہ اسی قمیص میں اسے کفنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ اس پلید کو اپنا پاک اور مبارک قمیص کیوں عنایت فرماتے ہیں۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

انا قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا و ا رجوا من اللہ تعالیٰ ان یدخل فیہ بہ الف فی الاسلام۔	میرا قمیص تو اسے عذابِ الٰہی سے نہیں بچائے گا، البتہ اس سے ہزاروں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔

(روح البیان ج ا ص ۹۳۲ مطبوعہ قدیم تحت آیت ہذا)

ف: اس سے وہابیہ کے دو اعتراض دفع ہو گئے۔ پہلا یہ کہ حضور علیہ السلام کو (معاذاللہ) علم ہوتا کہ وہ بے ایمان ہے تو اسے قمیص کیوں دیتے۔ دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام کا قمیص متبرک تھا تو منافق کو کیوں فائدہ نہ دیا۔ حضور علیہ السلام نے دونوں کے جواب دے دیے۔ یہی نہیں بلکہ آنے والے حالات بتا دیے کہ قمیص دینا مبنی بر حکمت ہے۔ اوّل تو قمیص سے نفع کی قوت سلب کر لی گئی ہے، دوسرے اس سے ہزاروں بدقسمتوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوگی۔

وہ منافقین جو ابی بن سلول کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے اور اسے جانتے تھے کہ یہ نبی علیہ السلام کا اندرونی طور پر سخت دشمن ہے پھر بھی حضور علیہ السلام سے موت کے وقت تبرک کے طور پر قمیص اور دعائے مغفرت کی درخواست کر رہا ہے اور امید رکھ رہا ہے کہ حضور علیہ السلام کی قمیص اور ان کی دعا عذابِ الٰہی سے بچا دیں گے اور رحمتِ الٰہی کا سبب بنیں گے اس لئے خزرج کے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے۔

وہابیہ دیوبندیہ کے ایک سوال کا جواب

وہابی دیوبندی چیخ چیخ کر عوام کو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ملبوسات ومتعلقات ومتبرکات سے کوئی فائدہ ہوتا تو عبداللہ بن ابی کو حضور علیہ السلام کے قمیص نے کیوں فائدہ نہ بخشا۔ اس کا جواب سیکڑوں سال پہلے صاحبِ روح البیان نے لکھا کہ:

وانما قال علیہ السلام ان قمیصی لا یغنی، لعدم الاساس الذی ھو الایمان ومثلہ انما یؤثر عند صلاح المحل۔	آپ نے اپنے قمیص کا اسے فائدہ نہ دینے کا اس لیے فرمایا کہ اس کے اندر نجات کی اساس یعنی دولت ایمان ہی نہیں تھی اور ایسی بابرکت چیزوں کا اثر تو اس وقت ہوتا ہے جو محل بھی اثر پذیر ہو۔

(روح البیان ج ا ص ۹۳۲ تحت آیت ہذا)

یہی جواب اگرچہ حدیث شریف میں تھا لیکن صاحبِ روح البیان نے توضیحًا لکھا تاکہ دیوبندیوں وہابیوں کو حدیث شریف میں غلط تاویل کا موقعہ نہ ملے یہ ایسے ہے جیسے بارش میں تو منافع موجود ہیں لیکن آگے زمین ایسی ہو کہ جس میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں اس سے یہ کوئی نہیں کہے گا کہ بارش میں منافع نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ زمین خراب ہے۔ایسے وہابیہ دیوبندیہ کو سمجھانے کے لیے کہا جائے کہ فیض مبارک کے منافع میں شک نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ منافق میں ان منافع کی صلاحیت و اہلیت نہیں تھی۔

تبرکات کے فوائد کے دلائل

اگرچہ صاحبِ روح البیان کے دور میں وہابی دیوبندی مودودی قسم کے لوگ نہیں تھے لیکن ابنِ تیمیہ جو مذکورہ پارٹیوں کا گرو ہے اس کے تاثرات موجود تھے اس لیے صاحبِ روح البیان کو تبرکات کے فوائد پر چند دلائل دینے پڑے، چنانچہ فرمایا:

دلیل اول: ویدل علیہ قولہ علیہ السلام ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء کما یتاذی الحی بجار السوء۔

حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی کہ صالحین کے درمیان مردگان کو دفن کرے اس لیے کہ میت بُرے ہمسایہ سے ایذا پاتا ہے جیسے زندہ انسان زندہ ہمسایہ سے۔

ف: اس حدیث شریف سے صاحبِ رُوح البیان کا مقصد یہ ہے کہ مردہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو لیکن اسے نیک بخت لوگوں کے قرب سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ایسے ہی تبرکات کی برکات کا حال ہے۔

سوال از وہابیہ دیوبندیہ: یہاں ایک اعتراض پیدا کر کے صاحبِ رُوح البیان نے گویا وہابیہ کی طرف سے لکھا کہ: وہ جو مروی ہے کہ ارضِ مقدس کسی کو مقدس نہیں بنا دیتی بلکہ بندے کو اپنے اعمال مقدس بناتے ہیں۔

جواب: اس روایت میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب مقصود ہے یا تبرکات کے فوائد و منافع اور ان کے برکات کے علم سے پہلے کی روایت ہے ورنہ روایات مندرجہ ذیل غلط ہوتی ہیں حالانکہ روایاتِ ذیل صحیح اور مستند ہیں۔

دلیل دوم اور حکایت مع روایت: مروی ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے سفیان بن خالد الہذلی کو قتل کر کے حضور علیہ السلام کے سامنے ڈال دیا حضور علیہ السلام نے عبداللہ کو اپنا عصا مبارک عطا فرما کر فرمایا کہ اسی کے سہارے بہشت میں جانا جب حضرت کے وصال کا وقت قریب ہُوا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ وہی عصا مبارک ان کے کفن کے اندر جسم سے ملا کر تبرک کے طور پر رکھ دینا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔

ف: حضور علیہ السلام سے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ کے سر مبارک کے بال حضرت معمر بن عبداللہ حجام نے مونڈے تو آپ نے آدھے بال مبارک حضرت ابوطلحہ کو عنایت فرمائے اور آدھے باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ایک دو دو عنایت فرمائے۔

ف: اس روایت سے ثابت ہُوا کہ تبرک سے فیوض و برکات کا عقیدہ رکھنا اور تبرکات تقسیم کرنا سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحابہ کرام کا عقیدہ اور تبرکات جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے، صحابہ کرام کا معمول تھا کہ:

فکانوا یتبرکون بہا وینصرون ماداموا حاملین لہا۔ (روح البیان ج ۱ ص ۹۳۲ تحت آیت ہذا) — حضور علیہ السلام کے بال مبارک سے برکات حاصل کرتے جب تک اپنے ساتھ رکھتے۔[1]

دلیل چہارم: اسرارِ محمدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے صاحب روح البیان نے ہم اہلسنت کو مواد بہم پہنچایا۔ کما قال:

ولذا قال فی الاسرار المحمدیہ لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاص ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب۔ (ایضاً)

اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کے بال مبارک یا عصا مبارک یا آپ کی چھڑی (کسی) مجرم کی قبر پر رکھی جائے تو وہ مجرم انہی مبارک اشیاء کی برکت سے نجات پا جائے گا۔

دلیل پنجم: اور فرمایا:

وان کان فی دار انسان او بلدۃ لا یصیب سکانہا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ۔ (ایضاً)

جس گھر یا شہر میں بال مبارک ہوں تو وہ گھر اور شہر بلا سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

دلیل ششم: ومن ہذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطانۃ استار الکعبۃ والتکفن بہا وکتابۃ القرآن علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی۔ (ایضاً)

اسی قبیل سے زمزم شریف کا پانی یا اس سے کفن تر کردہ اسی طرح کعبہ کا غلاف اور اس کا کفن بنایا یا قرآنی آیت لکھ کر مردے کے ہاتھ میں دینا۔

جیسے ہم اہلسنت کفنی لکھتے اور عہد نامہ وغیرہ میت کے ہاتھ میں دیتے اور قبر پر اذان دیتے اور قبر میں سورۃ ملک وغیرہ پڑھتے اور قبر کے قریب قرآن پڑھاتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان کا اپنا مشاہدہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے خزانوں بالخصوص

---

[1] بحمدہ صحابہ کرام کا عقیدہ ہم اہلسنت کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے تبرکات ہیں یہی تاثیر سمجھتے ہیں، جیسے صحابہ کرام ان بال مبارک سے زندگی بھر نہ صرف تبرک کے طور ساتھ رکھتے بلکہ ان کے وسیلہ جلیلہ سے مدد چاہتے جسے آج وہابیہ دیوبندیہ نے شرک و بدعت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ بال مبارک کی زیارت صحیح ہے جیسے پاکستان میں روڑھی شریف، سکھر (سندھ) اور کشمیر میں سرینگر وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

آل عثمان کے خزانہ میں بعض ایسے تبرکات ہوتے ہیں جن کے فیوض و برکات سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آل عثمان کے خزانہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک اور دیگر بہت بڑے تبرکات ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آلِ عثمان کو ان سے فیوض و برکات اور انہیں وسیلہ بنانے کی توفیق نصیب نہیں حالانکہ ان کے ہاں نبوی لواء مبارک بھی ہے لیکن ان کے ملک میں مصائب و آفات و بلیات کی بھرمار ہے۔ صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ انہیں اس کی سزا ملی ہے اس لیے کہ آلِ عثمان نے ان تبرکات کی عزت و احترام نہ کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے متعلق صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ان میں طاعون کا داخلہ بند ہے لیکن جب ان کے مکینوں نے غلط کاری اور جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور ان پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ارشاداتِ نبوی کے خلاف ہو جانا محض سزا یا تنبیہ کے طور ہوتا ہے ورنہ اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے۔

باقی قصہ ابن اُبی بن سلول جب عبداللہ بن ابی بن سلول فوت ہو گیا تو اس کا لڑکا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ حضرت مخلص مومن اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور عرض کی کہ میرے والد کا جنازہ تیار ہے تشریف لے چلیں۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کی: الحباب بن عبداللہ۔ آپ نے فرمایا: آج کے بعد تیرا نام عبداللہ بن عبداللہ ہے اس لیے کہ الحباب شیطان کا نام ہے۔ (کذا فی القاموس) اس لیے تمہارے لیے یہ نام ناموزوں ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اس پر تم خود نماز پڑھ کر دفن کر دو۔ اس نے عرض کی: اگر آپ نے میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی تو کوئی بھی میرے والد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھے گا اس طرح میری سخت ذلت ہو گی اور دشمن ہنسیں گے۔ آپ نے اسے تسلی دلائی اور اس کے والد کی نمازِ جنازہ کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور آپ کے آگے کھڑے ہو گئے تاکہ آپ منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھا سکیں اور عرض کی: کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔ آپ کو یاد نہیں کہ فلاں فلاں موقعہ اس نے کیسے کردار ادا کیے اور اس کی تمام غلط کاریاں ایک ایک کر کے بتائیں۔ چنانچہ یہی آیت اتری اور جبریل علیہ السلام نے آپ کے قمیص مبارک کو پکڑ کر نماز پڑھانے سے روکا اور پڑھا "لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا"۔ حضور علیہ السلام نے یہ آیت سن کر منافق کی نماز نہ پڑھائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب اس سے واضح ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے مناقب کے حامل ہیں۔ ان کے منشاء مبارک کے مطابق نہ صرف یہی بلکہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین میں بہت بڑی قدر و منزلت ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں نبی بن کر مبعوث نہ ہوتا تو اسے عمر! تم نبی بن کر مبعوث ہوتے اور فرمایا: زمانہ سابقہ میں محدث (بالفتح و تشدید دال) ہوتے میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

ف : المحدث بفتح الدال المشددہ ، ہر وہ شخص جس کے دل میں خیر کی بات ڈالی جائے اور وہ اسی فراست سے صحیح اور حق بات کی قبل از وقت خبر دے۔ پھر جس طرح وہ خبر دے اسی طرح ہو جائے۔ گویا اس کے ساتھ ملاء الاعلیٰ والے گفتگو کرتے ہیں اہل ولایت کا یہی سب سے بڑا مرتبہ ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مضمون کو لفظِ اِنْ شرطیہ (جو شک پر دلالت کرتا ہے) سے بطور تردد اور ازالۂ وہم شک کے بیان نہیں فرمایا بلکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مزید تاکید فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی سچا دوست ہے تو فلاں ہے۔ اس سے اس شخص کی صداقت کی تاکید مطلوب ہوتی ہے نہ یہ کہ اس شخص کا سرے سے کوئی دوست ہے بھی نہیں۔ علاوہ ازیں جب ایسے محدث دوسری اُمتوں میں پائے جاتے ہیں تو حضور علیہ السلام کا افضل الامم میں پایا جانا ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے

له فضائل لا تخفى على احد

الا على احد لا يعرف القمرا

ترجمہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل کسی پر مخفی نہیں ہاں اس سے مخفی نہیں جو قمر کو نہیں جانتا ، یعنی جس طرح قمر (چاند) کو ہر کوئی جانتا ہے

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل چاند کی طرح روشن ہیں ہاں چمگادڑ چاند کی چاندنی سے اندھا ہے۔ اسی طرح شیعہ یا اعدائے اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے بے خبر ہیں۔ (کذا فی مشارق الانوار)

سوال از وہابیہ دیوبندیہ : اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا کہ وہ کافر ہے اور کفر پر مرا ہے تو پھر آپ نے اس پر نمازِ جنازہ کیوں پڑھی اور نماز جنازہ میں دعائے مغفرت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کی دعائے مغفرت سے روکا تھا پھر آپ نے کافر کو قمیص کیوں پہنایا جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے حالانکہ آپ کو حکم ہے کہ کفار کی اہانت کریں۔

جواب : جب اس خبیث منافق ابن ابی نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قمیص طلب کی اور نماز پڑھانے کی بھی استدعا کی تو نبی علیہ السلام نے ان قرائن سے سمجھا کہ وہ موت سے پہلے توبہ کر چکا ہو جبکہ اس کی زندگی دشمنی میں گزری لیکن اب عین موت کے وقت محبت و خلوص دکھا رہا ہے اور حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ ہم ظاہر پر عمل کرنے کے لیے مامور من اللہ ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کا اظہار بھی کرتا ہے اس لیے آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی کہ اس کی موت یقیناً کفر پر ہوئی ہے اس پر آپ نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اس پر نماز پڑھا چکے تھے تو بعد کو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پھر بعد ازاں آپ نے زندگی بھر کسی منافق پر نماز نہ پڑھی اور نہ ہی کسی منافق کی قبر پر تشریف لے گئے۔

قمیص مبارک کے متعلق جوابات جواب : جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں قیدی ہو کر حاضر ہوئے

تران کا قمیص نہیں تھا اور آپ طویل القامت تھے کسی کا قمیص آپ کے جسم پر پورا نہ آتا تھا۔ اس موقعہ پر اسی عبداللہ بن ابی بن سلول نے قمیص دیا اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور بدلہ قمیص عنایت فرمایا اس سے اعزاز مطلوب نہ تھا اور نہ اس سے اعزاز کا تصور ہو سکتا ہے۔

جواب ۲، آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ آپ کو فرمایا اداما السائل فلا تنھر۔ اور پہلے ہم نے روایت نقل کی ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی قمیص کے متعلق خصوصی درخواست کی تھی۔ اگر آپ اس کا سوال پورا نہ کرتے تو یہ آپ کی شان کریمی کے خلاف ہوتا۔ اس لیے قمیص دینا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ دہابیہ کو یہ اعتراض بجائے نبی علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیے۔

جواب ۳، غالباً وحی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آپ منافق کو قمیص عنایت فرما دیں اس طرح سے آپ کے خلق عظیم کا ظہور ہوگا اس کی برکت سے ہزاروں کو دولت اسلام نصیب ہوگی۔ اور یہ روایت ہم نے گزشتہ اوراق میں نقل کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

سبق، ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم نبوت کے ہر عمل کو حکمت پر محمول کریں جو بات سمجھ میں نہ آئے اس سے ہم خاموشی اختیار کریں وہی اللہ تعالیٰ طریق تحقیق کی ہدایت دینے والا ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ (حل لغات) الاعجاب شگفتی نمودن یعنی تعجب کرنا۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو، لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے یعنی تمہیں تعجب میں نہ ڈالے۔ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ط ان کے اموال واولاد۔ یہ ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے۔ کاشفی میں ہے کہ منافقین کے اموال اگرچہ بکثرت اور ان کی اولاد با اقتدار اور قوی ہے۔

نکتہ، ایسے مواقع پر اموال کی اولاد پر تقدیم بوجہ عموم یا بوجہ اس کی عام ضرورت ہے بحسب الذات وبحسب الافراد والاوقات اس لیے اموال کی ہر ایک کو ضرورت پڑتی ہے۔ اجداد و آباء وامہات واولاد سب کو اور ہر وقت اگرچہ معزز ترین اولاد ہے لیکن جس کی اولاد اور دوسرا کنبہ بہت زیادہ ہو لیکن مال نہ ہو تو بہت تنگی اور تکلیف کا موجب ہوتے ہیں اور اولاد کی ضرورت بھی اس وقت محسوس ہوتی ہے جب ابوہ کے درجہ کو پہنچے یا اس لیے کہ اموال نفوس کی بقاء کا سبب ہیں اور اولاد صرف نوع کی بقاء کا سبب ہے یا اس لیے کہ اولاد کے وجود سے اموال کا وجود اقدم ہے اس لیے اجزاء منویہ اغذیہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اموال و اولاد سے نفع دے کر ان کے لیے ارادہ کرتا ہے۔ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا بسبب مال جمع کرنے اور اس کی نگرانی میں دنیا میں انہیں عذاب میں مبتلا کرے یعنی وہ ہمیشہ دکھ اور رنج میں رہیں اور اپنی اولاد کے احوال کی رونق میں مست ہو کر ہمیشہ محنت و مشقت کھینچیں وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ الزھوق بمعنے روح کا نکلنا اور انکے روح نکلیں، یعنی مریں۔ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ درانحالیکہ وہ کافر ہوں یعنی اموال واولاد سے نفع اٹھانے اور ان میں مشغول ہونے اور عواقب پر تدبر اور غور کرنے سے غفلت کی وجہ سے۔

حکایت ایک فقیر کہہ رہا تھا کہ دولت مندوں سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوگا کہ مال واسباب جمع کر کے کئی طرح کی

مشقتیں اور تکلیفیں اٹھاتے اور ہر وقت گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو مال و اسباب چھوڑنے کی ہزار حسرتیں قبر میں لے جاتے ہیں۔

در اول چو خواہی کنی جمع مال ۔۔۔ بسے رنج بر خویش باید گماشت
پس از بہر آں تا بماند بجائے ۔۔۔ شب و روز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تر است ۔۔۔ کہ آخر بحسرت بباید گذاشت

ترجمہ: تجھے مال جمع کرنے کا شوق ہے تو یاد رکھ کہ اس کا انجام پریشانی ہے جب تک وہ تیرے پاس ہوگا، تجھے اس کی حفاظت کی فکر رہے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب وہ تیرے ہاتھ سے جائے گا تو بہت گھبراہٹ پائے گا۔

ف: اس مضمون کا تکرار محض اموال و اسباب سے نفرت دلانے کی تاکید کے لیے ہے تاکہ سامع کو اموال و اسباب کی خرابیوں سے توجہ ہٹ نہ جائے بلکہ ناصح پر لازم ہوتا ہے کہ ایسے امور کے لیے اپنے کلام کے اثناء میں اس کے متعلق یاد دہانی کرائے بالخصوص جب دو کلاموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو اس لیے کہ انسان فطری طور پر اموال و اسباب کے وقت متوجہ رہتا ہے بلکہ وہ ان کے متعلق متمنی ہوتا ہے اور اس حرص میں رہتا ہے کہ خدا کرے کہ اموال و اسباب حاصل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اموال و اولاد اگرچہ مومن کے لیے نعمت ہیں لیکن منافقین کے لیے عذاب الٰہی ہیں اس لیے کہ منافقین کے قلوب اموال و اولاد میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اس کی طلب کا انہیں خیال رہتا ہے اور قلوب کے لیے بہت بڑا عذاب حجاب ہے اور جن قلوب کو حجاب میں رکھا جائے تو وہ ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ یعنی ایسے لوگوں کے قلوب حب اموال و اولاد کے حجابات سے محجوب ہوتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف: دنیا شہوات و لذات سے پُر ہے۔ فلہذا اے خدا کے بندو! تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا کی شہوات اور لذات غافل نہ بنا دیں اس لیے کہ جسے آخرت کا نیک انجام نصیب نہیں اسے دنیا کے منافع سے کوئی فائدہ نہیں اور آخرت سے وہ نفع نہ پاسکے گا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتا یعنی مومن وہ ہے جو عبادات مالیہ سے آخرت کا سامان تیار کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب قرآن کی کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ یہ اَنْ مصدریہ ہے اس سے حرف جارہ محذوف کر دیا گیا ہے دراصل بان آمنوا الخ یعنی بایں طور کہ ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر۔ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهٖ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اعزاز دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرو اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ تو منافقین میں سے دنیادار آپ سے اجازت چاہتے ہیں یعنی باوجودیکہ انہیں اموال و اسباب کی وفرت و وسعت اور جہاد پر جانے کی بدنی مالی قدرت اور طاقت ہوتی ہے تب بھی جہاد پر جانے کے لیے

معذرت کرتے ہیں۔

ف : حدادی نے لکھا کہ طول دراصل اسی طاقت و قدرت کو کہا جاتا ہے جس سے اعداء سے مقابلہ کیا جا سکے اور امام رازی نے سورۂ نساء میں لکھا کہ طول دراصل قصر کی نقیض ہے اس لیے کہ طویل میں کمال و زیادہ ہوتی ہے ایسے ہی تعبیر ہیں قصور و نقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے غنی (دولت مند) کو طویل سے تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف فقیر کے کہ اسے اپنے مقاصد و مطالب کے حصول میں دشواریاں درپیش ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جتنی مطالب برآری دنیا و دولت سے ہو سکتی ہے وہ فقر و فاقہ میں کہاں۔

وَقَالُوا ذَرْنَا اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے نَكُنْ مَّعَ الْقَاعِدِيْنَ ۝ ہم ہو جائیں ان لوگوں کے ساتھ جو جنگ سے عذر کی وجہ سے نہیں جا سکتے رَضُوْا منافقین خوش ہیں بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ بایں طور کہ وہ ہوں ان عورتوں کے ساتھ جو جنگ پہ نہ جانے کی وجہ سے گھروں میں بیٹھی ہیں۔ "الخوالف" خالفۃ کی جمع ہے اور خالفہ کی تاء تانیث کی ہے کبھی الخالفۃ ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کی خیر اور بھلائی نہ ہو۔ اس معنے پر یہ تاء وصفیت سے اسمیۃ کی طرف منقول ہوگی تانیث کی نہیں ہوگی اور مردوں کو خالفہ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ انہیں اہم امور کی طرف بلایا گیا تو وہ ان کے لیے تیار نہ ہوئے اس بناء پر گویا وہ ایسے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی بھلائی نہیں وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر مُہر لگائی گئی۔

ف : حدادی نے فرمایا کہ "الطبع" لغۃ میں شئے کو طابع کی طرح کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے طبع الدینار والدراھم۔ تاج المعادر میں ہے کہ ان الفاظ کی ترکیب دلالت کرتی ہے کہ شئے اپنی انتہاء کو پہنچ گئی، یہاں تک کہ اس شئے کا آگے جانا ختم اسی پر انسان کی طبیعت کا قیاس کیجیے کہ اس کی طبیعت کے لیے طبع، طباع، طبیعۃ جیسے الفاظ مستعمل ہیں یعنی انسان کی اصلی فطرت کہ جس پر اس کی تخلیق ہوئی اور دل پر مُہر لگانے کی تخصیص اس لیے ہے کہ دل فہم و ادراک کا محل اور مرکز ہے اس لیے فرمایا :

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ اس لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ ایمان باللہ کیا ہے اور اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے بچنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور ان کے ساتھ جہاد پہ جانے کے منافع کیا ہیں۔ اور انہیں معلوم نہیں کہ امور مذکورہ بالا کے خلاف کرنے کا کتنا نقصان ہے لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر اور جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف لائے یعنی آپ کے ساتھ ایمان لانے والے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے اس اعتراض کا دفعیہ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ان کا ایمان لانا کیسا جبکہ بہت بڑے عرصہ کے بعد صحابہ نے ایمان قبول کیا۔ اوپر مذکور ہوا کہ یہاں مقارنت زمانی مقصود نہیں بلکہ مقارنت بمعنے موافقت ہے جیسے قرآن مجید میں بلقیس کے متعلق ہے "اسلمت مع سلیمان"۔ یہاں بھی مقارنت زمانی نہیں بلکہ معیت بمعنے موافقت ہے۔ یعنے اسلمت اسلام سلیمان یعنے ایسے مسلمان ہوں جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام

مسلمان ہیں۔ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اپنے اموال و نفوس کو قربان کر کے جہاد کیا۔ فلہٰذا ان منافقین کے خلاف کرنے سے دین کو کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی جہاد کے امور میں نقص ہوا جبکہ ان سے افضل ترین بندے جہاد میں شریک ہوئے جو ان سے خلوص نیت میں بہتر اور اعتقادیات میں برتر ہیں وَاُولٰٓئِكَ اور یہی لوگ ہیں لَهُمُ بوجہ اوصاف مذکورہ کے، ان کے لیے الْخَيْرٰتُ ز دارین کے منافع ہیں جیسے نصرت و غنیمت دنیا میں اور جنت و کرامت آخرت میں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خیرات سے آخرت یعنی بہشت کی حسین وجمیل عورتیں مراد ہوں جنہیں حور عین کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ "فیھن خیرات حسان"۔ اس معنے پر "الخیرات" خیرۃ بتخفیف اولیاء کی جمع اور خیرات العابدین سے عابدین کی وہ حسنات مراد ہیں جو ان کے اعمال سے متعلق ہیں اور خیرات العارفین سے مواہب الحق مراد ہیں اور یہ ان کے احوال سے متعلق ہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اور یہ وہی ہیں جو اپنے مقاصد و مطالب پر کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کامیاب نہیں جو فانی نعمتیں اور دنیوی اسباب جو حظوظِ نفسانیہ کا مجموعہ ہیں جمع کرلے اس لیے کہ وہ جلد تر فنا پانے والی ہیں۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھی ہیں۔ جَنّٰتٍ یہ جنۃ کی جمع ہے بمعنے وہ باغ جس میں پھلدار درخت ہوں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ان کے نیچے جاری ہیں یعنی ان باغات کی زمینوں یا ان کے درختوں یا ان کے محلات یا بالاخانوں کے نیچے، اس سے مطلق زمین کا تحت مراد نہیں الْاَنْهٰرُ یہ نہر کی جمع ہے، پانی بہنے کی جگہ، اس کی وسعت اور چمک کی وجہ سے اسے نہر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: بہشت میں ایک دریا دودھ کا، ایک پانی کا، ایک شہد کا اور ایک شراب کا ہے، ان سے باقی تمام نہریں نکلتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہی ایک نہر ہے جس میں دودھ، شراب، پانی اور شہد ہیں اور باوجودیکہ ایک نہر ہیں سب ہیں لیکن ایک دوسرے سے ملتی نہیں ہیں بعض کے نزدیک وہ سب ایک ہیں صرف جس طرح کا ذائقہ انسان چاہے گا اسی طرح کی شکل وصورت اسی وقت پیدا ہو جائے گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی انہیں جنات مذکورہ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ فلاں فلاں شئے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہے۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اس کے بالمقابل اور کوئی کامیابی نہیں یعنی وہ لوگ بہشت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جہنم اور اس کی آگ سے نجات پا جائیں گے۔

حدیث شریف: جو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس پر جہنم کی آتش حرام ہے۔

حدیث شریف: جو شخص کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خلوصِ قلب سے پڑھتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

ف: خلوص کی شرط اس میں ضروری ہے اور جس میں خلوص ہوگا وہ گناہوں سے بچ جائے گا۔ اگر گناہوں سے نہیں بچتا تو وہ مخلص نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ یہ کلمہ زبان سے پڑھتا ہے اس کا عارضی ہو جو گناہوں کی شامت اور نحوست سے اس سے چھین لیا جائے اخلاص قلب کے صفات سے ہے اور وہ اوصافِ حمیدہ سے رونق پاتا ہے لیکن اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے سے رذائل دُور کر کے نفس کا تزکیہ نہ کرے۔

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس کے حجابات اور اس کے صفات سے چھٹکارا پانے کا نام الفوز العظیم (بڑی کامیابی) ہے اس لیے کہ کامیابی کی عظمت پر دان کی عظمت کے مطابق ہے اور نفس کے حجابات سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں، اس لیے جو بھی ان حجابات سے چھٹکارا پاجاتا ہے وہی کامیاب ترین انسان سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر صوفیانہ

مثنوی شریف میں ہے: ؎

جملہ قرآن شرح خبث نفسہاست ۔۔۔ بنگر اندر مصحف آں خبیث کجاست

ہین مرو اندر پے نفس چو زاغ ۔۔۔ کو بگورستان بردنے سوئے باغ

نفس اگرچہ زیرکست و خردہ دان ۔۔۔ قبلہ اش دنیاست اورا مردہ دان

ترجمہ: سارا قرآن نفس کی خباثت کا بیان ہے لیکن دیکھ کہ وہ ہے کہاں، اس کمینے کوے کے پیچھے مت جاؤ تجھے گورستان لے جائے گا نہ کہ باغ میں۔ اگرچہ نفس کتنا دانا ہو لیکن اس کا قبلہ دنیا ہے اور دنیا مردہ ہے۔

حدیث شریف مع الشرح: "ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ" بہشت میں ایک سو درجے ہیں۔ یہاں سو سے گنتی مراد نہیں بلکہ درجات کی کثرت مراد ہے اور درجہ سے مرقات یعنی سیڑھیوں کی مختلف منزلیں مراد ہیں۔ "اعد اللہ للمجاھدین فی سبیلہ" وہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار فرمائے ہیں۔ مجاہدین فی سبیل اللہ غازی یا حاجی یا وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نفس سے جہاد کرتے ہیں۔ "کل درجتین ما بینھما کما بین السماء والارض" "ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ فاصلہ ظاہری طور ہے یا معنوی طور۔ اگر معنوی طور ہو تو درجہ سے مرتبہ مراد ہوگا اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہر وہ خوش قسمت ہوگا جس کے درجات سب سے بلند تر ہوں گے کہ اس کے بعد اور کسی کا درجہ نہ ہوگا "فان سألتمو اللہ" پس اگر تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو "فاسئلوہ الفردوس" تو اس سے جنت الفردوس مانگو۔ الفردوس بہشت کا ایک ایسا باغ ہے جس میں بہشت کے ہر قسم کے پھل وغیرہ پائے جاتے ہیں "فانہ اوسط الجنۃ" اس لیے کہ وہ تمام بہشتوں کی اوسط ہے یہاں اوسط بمعنے اشرف ہے "واعلی الجنۃ" اور تمام بہشتوں سے اعلیٰ ہے اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آسمان گیند کی طرح ہے، اس لیے کہ اوسط اعلیٰ کبھی نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس شے کو گیند کی طرح تسلیم نہ کیا جائے، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ بہشت ساتوں آسمانوں کے اُوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

نکتہ: امام طیبی نے فرمایا کہ اوسط و اعلیٰ کے درمیان تطابق یُوں ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک سے حسی دُوسرے سے معنوی معنے مراد ہوں لیکن میرے نزدیک دونوں حسی مراد ہیں اس لیے کہ وہ ایسے حسین ترین ہیں کہ ان جیسا اور کوئی محسوس نہ ہوگا۔ "وفوقہ عرش الرحمٰن" اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرشِ الٰہی تمام بہشتوں کے اوپر ہے۔ "ومنہ تفجر" یہ دراصل تتفجر تھا ایک تاء تخفیفاً گرا دی گئی ہے یعنی اسی سے جاری ہوتی ہیں انہار الجنۃ بہشت کی وہی چار نہریں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے متعلق فرمایا: فیھا انھار من ماء غیر آسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمہ وانھار من خمر لذۃ للشاربین وانھار من عسل مصفی۔ اس سے بہشت کی نہروں کے اصول مراد ہیں۔ (کذا فی شرح المشارق لابن ملک)

ہم اللہ تعالیٰ سے رفیقِ اعلیٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس کے وجہ الٰہی اور جمالِ اسنیٰ کی زیارت کی تمنا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ حل لغات: وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ "المعذّرون" عذّر فی الامر سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی امر میں کوتاہی اور سُستی کرے اور اس سے بظاہر معذرت کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا عذر معقول محسوس ہو۔ اس معنے پر المعذّر بصیغہ اسم فاعل از باب تفعیل ہے یا یہ انتعال کا باب ہے دراصل المعتذرون تھا پھر تاء کو ذال میں مدغم کیا گیا ہے اور تاء کی حرکت ماقبل دی گئی ہے اس تقریر پر یہ صیغہ فاعل از باب افتعال ہے۔

ف: معذرت کبھی جھوٹی ہے اور کبھی سچی اس لیے کہ اعتذار یہ ہے کہ انسان اپنی معذوری کا اظہار کرے۔ وہ واقعی معذوری ہو یا نہ۔ "الاعراب" عرب کے بادیہ نشینوں کو کہا جاتا ہے اس کا کوئی واحد نہیں اور عرب عجم کی نقیض ہے۔ شہری زندگی بسر کرنیوالے کو عرب کہتے ہیں یا یہ لفظ عام ہے بادیہ نشین ہو یا شہری سب کو عرب کہیں گے البتہ اعراب خاص ہے یعنی صرف اس کے لیے مستعمل ہوگا جو بادیہ نشین ہوگا۔ "العربۃ" شہر کے قرب کی ایک جانب کو کہتے ہیں چونکہ قریش شہر کے ایک کونے میں مقیم تھے اسی لیے اسی کی طرف منسوب ہُوئے اور عرب کے گھر کے والان کو عربہ کہا جاتا ہے اسی نسبت سے ان کی اولاد عرب سے موسوم ہوئی۔ (کذا فی القاموس)

ف: یہ عذر کرنے والے اسد غطفان کے لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا کہ ہم میں جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے اس لیے کہ ہم معاشی لحاظ سے تنگ ہیں اور عیالداری سوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یا معذرت کرنے والے عامر بن الطفیل کا ایک گروہ ہے جنہوں نے معذرت یُوں کی کہ اگر ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے چلیں تو ہمارے پیچھے ہمارے اہل و عیال اور گھروں پر ہمارے مخالفین یعنی طے کے اعرابی حملہ کر دیں گے وہ ہمارے جانور لے جائیں گے اور گھروں کو لوٹ لیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا: مجھے تمہاری ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ

مجھے کافی ہے تم جاؤ گھروں میں آرام کرو۔

ف : ایسے لوگوں کی معذرت کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے ان کا عذر جھوٹا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ واقعی معذور تھے جیساکہ بتشدید الذال المکسورہ (المعذرون) کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو واقعی معذور ہوا سے معتذر کہتے ہیں۔ قاموس کی تحقیق یہی ہے اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایسا عذر کرنے والا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس سے ان کی منافقت کا ثبوت نہیں ملتا اس لیے کہ جو شخص سستی و کاہلی سے جنگ پر نہ جا سکے اور صرف اسی وجہ سے معذرت کر دے تب بھی وہ کافر نہیں ہو سکتا البتہ اسے فاسق کہہ سکتے ہیں اور اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہاں پر مفسرین کے اقوال کئی طرح کے ہیں ہمیں تو لفظوں کو چھوڑ کر معنے کو اپنا چاہیے۔

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ؕ اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے وہ جنگ سے بیٹھ گئے اس سے وہ بادیہ نشین منافقین مراد ہیں جنہوں نے جنگ کی حاضری کی نہ حامی بھری اور نہ ہی کوئی عذر کیا اور نہ ہی حضور علیہ السلام سے اجازت طلب کی، یعنی ڈھٹائی سے گھروں میں بیٹھے رہے اور جنگ پر نہ گئے۔ اس طرح سے واضح ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں اگرچہ بظاہر ایمان و اسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : معذرت کرنے والوں میں سے بعض بادیہ نشین ایسے بھی تھے جو واقعی کمزور تھے اور تھے بھی محدود۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ کل بہتر افراد تھے۔ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ پر نہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انہیں اجازت بخش دی اور وہ لوگ جو بلا عذر اور سبب کے اظہار کے بغیر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ پر نہ گئے انہی کی طرف "وقعد الذین کذبوا اللّٰہ و رسولہٗ" میں اشارہ فرمایا۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عنقریب پہنچے گا ان پر جنہوں نے اعراب میں سے کفر کیا یا منہم کی ضمیر کا مرجع عذر کرنے والے ہیں بہر تقدیر من تبعیضیہ ہے بیانیہ نہیں اس لیے کہ معذرت کرنے والے یا جنگ پر نہ جانے والے سب کے سب کافر نہیں تھے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض اعراب وہ ہیں جو چند دنوں کے بعد پکے اور سچے مسلمان ہو جائیں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں بعض صرف سستی اور کاہلی سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔

عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝ دردناک عذاب دنیا میں قتل و قید سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔

ربط : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلق خدا تین قسم ہے :

۱۔ المعذرون یعنی وہ لوگ غلطی کا ارتکاب کر کے اپنی کوتاہی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے بالآخر سچے اور پکے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

۲۔ القاعدون یعنی جھوٹے کذاب وہ منافق جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے یعنی

کھلم کھلا انکار کرنے والے کافر اور دل میں کفر چھپانے والے منافق ان کی رسوائی اور عذاب الٰہی کے لیے جدوجہد ہوتی ہے انہیں عذاب دردناک لازماً ہوگا۔ کما قال تعالیٰ "وقعد الذین" الآیہ۔

۳۔ مومن مخلص سچے اور دین کے خیرخواہ ان میں سستی و کاہلی بھی نہیں لیکن واقعی وہ حقیقی معذور رہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

• لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ کمزوروں پر نہیں مثلاً بڑھاپا ہے یا ہاتھ لنجے اور پاؤں لنگڑے ہیں۔

ف: الهرم بکسر الراء بمعنے کبیر السن یعنی بوڑھا "الزمنی" زمن کی جمع ہے بمعنے "المقعد" یعنی چلنے پھرنے سے معذور انسان۔

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى اور مریضوں پر بھی۔ "المرضٰی" المریض کی جمع ہے۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ اور نہ ان لوگوں پر جو اپنے فقر وفاقہ کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جسے خرچ کرسکیں جیسے مزینہ وجہینہ و بنی عذرہ کے لوگ حَرَجٌ کوئی حرج۔ اگر وہ جنگ پر نہیں جاسکے لیکن ان کے لیے بھی ایک شرط ہے وہ جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرخواہی کریں۔ ابوالبقاء نے فرمایا کہ اس کا عامل کلام کا معنی ہے یعنی جب وہ جنگ پر نہیں جاسکے تو کم از کم ان کے دل میں اسلام کی خیرخواہی ہو۔ النصح بمعنے کھوٹ سے عمل کو خالص رکھنا، مثلاً کہا جاتا ہے نصح ... بمعنے خلص، اور کہتے ہیں ونصح له فی القول۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے لیے بھلائی کی بات کرے انا ناصح بمعنے ...

حدیث شریف: الدین النصیحة الدین النصیحة الدین النصیحة۔ یعنی دین خیرخواہی کا نام ہے تاکید کے طور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ بعض کہتے ہیں اسی نصیحت پر اسلام کا دارومدار ہے اس لیے کہ نصیحت کا معنیٰ ہے ارادة الخیر۔ اور اس پر اسلام کا دارومدار اس لیے ہے کہ خیرخواہی دین کا ایک رکن ستون ہے جیسے ... کہ حج کا ستون عرفہ ہے تو گویا حج کا اسی پر دارومدار ہے کہ وہ نہ ہو تو حج کی فرضیت نہ جائے گی ایسے ہر عمل میں اسلام کی خیرخواہی مدنظر نہ ہو تو وہ عمل غیر قابل قبول ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تاکیدی طور پر فرمایا کہ دین نصیحت کا نام ہے تو نصیحة بمعنے خیرخواہی ہے اس لیے صحابہ کرام کو پوچھنا پڑا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے خیرخواہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا؛ للہ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اب اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ دین میں اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص اور اس پر سچے دل سے ایمان ہو اور وہ جن امور کے لیے حکم فرمائے ان پر تہہ دل سے عمل کرے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اپنا اسم گرامی بتایا کہ: "ولرسوله" یعنی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام اللہ تعالیٰ سے لائے ان کی تصدیق کرکے ان پر عمل کرنا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طریقہ کو زندہ رکھنا یعنی ان کی پیروی ضروری سمجھنا۔ اور فرمایا: "ولکتابه"

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے متعلق اعتقاد رکھنا کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے محکمات پر عمل کرنا اور اس کے متشابہات کو تسلیم کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

ف: یہ نصائح دراصل بندے کی طرف راجح ہیں یعنی اسے ہر ایک مذکورہ بالا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ ولائمۃ المسلمین۔ ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے جائز احکام کو ماننا اور ان کی غلطیوں پر انہیں متنبہ رکھنا۔ وعامتھم اور عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان سے ضرر رساں امور کو حتی الامکان دور کرنا اور حتی الامکان ان کے لیے نفع بخش امور کے حصول کی جدوجہد کرنا (کذا فی شرح المشارق لابن الملک) اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ عذر کرکے جنگ پر نہ جانے والے مذکورہ بالا اعذار قابلِ قبول ہیں اور نہ ہی جنگ پر نہ جانے کا ان پر کوئی گناہ ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کے جملہ احکام کی فرمانبرداری کا عزم رکھیں ان کے لیے اس وقت سب سے بڑا ضروری کام یہ ہوگا کہ وہ غازیوں کے متعلق اگر کوئی کمزوری سنیں تو اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں اور نہ ہی فتنہ انگیزی کریں، ہو سکے تو جنگی مجاہدین کے لیے امدادی صورتیں پیدا کریں وہاں ان کی ضروریات کی اشیاء بھیجیں اور ان کے گھریلو امور کی خبرگیری کریں بلکہ ان کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹائیں اور ان کے گھر والوں کو ان کی خیر کی خبریں سنائیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط یہ جملہ مستانفہ ہے سابق مضمون کی تاکید و تقریر کے لیے واقع ہے یعنی نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کوئی گناہ اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی منجانب اللہ زجر و توبیخ ہوگی۔ یہ من زایدہ ہے حرف نفی عام کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور ضمیر کے بجائے المحسنین کو ظاہر کرکے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ دین کے خیر خواہوں میں ہیں۔

قاعدہ: بعض بزرگوں نے اس سے قاعدہ بنایا ہے، وہ یہ کہ حکم کو کسی وصف سے معلق کرنے میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ وصف اسی حکم کے لیے بمنزلہ علت ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ اگرچہ ایسے لوگ حقیقی عذر سے جنگ پر نہیں جا سکے تب بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ضرورت لازمی امر ہے کہ اس کی مغفرت کے بغیر چارۂ کار نہیں اس لیے کہ انسان تقصیر و عجز کا مرکز ہے اسے سوائے عفو حق و مغفرت الٰہی کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

شمس ہم معدۂ زمیں را گرم بود — تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

جزو خاکی گشت و رست از وے نبات — ھکذا یمحوا لالہ السیآت

اے کہ من زشتم خصالم جملہ زشت — چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

نوبہار حسن گل دہ خار را — زینت طاؤس دہ آں مار را

ترجمہ : سورج کا زمین پر لطفِ کرم ہے تاکہ زمین تمام نجاستوں کو کھا جائے ۔ اس میں وانے ڈالو تو اس میں وانے ڈالو تو اس سے انگوری پیدا ہوتی ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہ بخشتا ہے ۔ میں کتنا غلط کار سہی لیکن اس سے امید ہے کہ وہ لطف فرمائے گا اس لیے کہ وُہ کانٹوں کو بہار بناتا ہے اور بُرُوں کو اچھا ۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اس کا المحسنين پر عطف ہے یعنی نہ محسنین پر کوئی گناہ وغیرہ ثابت ہے اور نہ ہی ان لوگوں پر جو آپ کے ہاں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ آپ سواری عنایت فرمائیں یا اپنے ساتھ لے جائیں اور رو کر یہی عرض گزار رہے تھے اور یہ انصار کے سات آدمی تھے :

① معقل بن یسار
② صخر بن الخنساء
③ عبداللہ بن کعب
④ سالم بن عمیرہ
⑤ ثعلبہ بن غنمہ
⑥ عبداللہ بن مغفل
⑦ علیہ بن زید

مروی ہے کہ یہی حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے منت مانی تھی کہ ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک پہ چلیں گے فلہٰذا آپ ہمیں شاندار کجاووں پر اور بہترین سواریوں پر بٹھایئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ جنگ پہ چلیں ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تمہاری مطلوبہ سواریاں نہیں ہیں ۔ یہ سُن کر وُہ حضرات روتے ہُوئے لوٹے ۔

ف : بعض کہتے ہیں ان سے بنو مقرن بر وزن محدث کے سات بھائی مراد ہیں اور وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کے صحابی تھے ایسا شرف سوائے ان کے اور کسی کو نصیب نہ تھا کہ وُہ سات بھائی بیک وقت صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں ۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ یہ اتوك کی ضمیر کاف خطاب سے حال ہے یہاں قد محذوف ہے یعنی وُہ لوگ جب آپ کے ہاں حاضر ہوتے تو آپ کا حال یہ ہے کہ آپ انہیں فرماتے ہیں لاجد الخ ۔ ما احملکم میں ما عام ہے جو ان کے سوال کردہ سواری کو بھی مشتمل ہے اور دیگر ان ضروریات کو بھی جو جنگ کے لیے نفقہ کے لیے ضروری ہوتی ہیں ۔

نکتہ : لیس عندی کے بجائے لا اجد فرمانے میں لطافت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسے لطف بھرے کلام سے نوازا کہ جس سے ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا ۔ گویا حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تمہاری سوال کردہ شے

اب موجود نہیں لیکن جونہی موجود ہُوئی اور تم نے سوال کیا تو فوراً دے دی جائے گی۔

تَوَلَّوْا یہ اذا کا جواب ہے یعنی آپ سے لوٹے، وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ اور ان کی آنکھیں بہاتی تھیں بہت زیادہ شدت کے ساتھ مِنَ الدَّمْعِ آنسو سے۔ یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب آپ سے مایوس ہو کر گھر کو لوٹے۔ عبارت کے تبدل میں مبالغہ ہے کہ گویا ان کی آنکھیں تمام تر آنسو بن کر بہہ رہی تھیں۔ اس معنے پر آنسو بہنا کا اسناد اعین (آنکھوں کی طرف) مجازی ہوگا جیسے کہا جاتا ہے سال المیزاب، یعنی پرنالہ بہہ پڑا۔ یہ اس لیے مجاز ہے کہ پرنالہ تو نہیں بہتا بلکہ پانی بہتا ہے ایسے ہی آنسو بہہ رہے تھے نہ کہ آنکھیں۔ اصل عبارت یفیض الدمع من اعینھم، مجازاً تفیض اعینھم الخ پڑھا گیا ہے۔ حَزَنًا مفعول لہ اس کا عامل تفیض ہے۔

سوال: مفعول لہ کا قاعدہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل مذکور کا فاعل ایک ہو یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ تفیض کا فاعل اعین ہے اور حزن آنکھوں کو نہیں ہوتا بلکہ قلب کو ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے حزناً کو مفعول لہ بنانا صحیح نہ ہوا۔

جواب: جیسے تفیض اعینھم میں اسناد مجازی ہے ایسے ہی حزن کو اعین سے مجازاً موصوف کیا جا سکتا ہے، مثلاً کہا جاتا ہے عین حزنیۃ و عین مسرورۃ، آنکھ غمگین یا مسرور ہے۔

اَلَّا يَجِدُوْا یہ ان مصدریہ ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے جو حزناً کے متعلق ہے۔ دراصل لئلا یجدوا ہے اس لیے کہ وہ نہیں پائیں گے مَا يُنْفِقُوْنَ ۞ وہ جو خرچ کریں اس لیے کہ انہیں یقین ہے کہ جب ہمیں در رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں ملا تو پھر اور کہاں سے ملے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ان حضرات کو حضرت ابن عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم نے زادِ راہ اور جنگی سامان اور سواری وغیرہ دی۔ اس طرح سے وہ حضرات بھی جنگ میں شریک ہوئے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ بیشک زجر و توبیخ کی راہ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جنگ پہ نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور ان کے ہاں جنگی سامان مکمل طور پر موجود ہیں اور وہ تندرست بھی ہیں۔ رَضُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے سابقہ جملہ کی علت کے لیے ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ جو دولت مند اور تندرست ہونے کے باوجود بھی جنگ پہ نہ جانے کی اجازت چاہتے تھے ان کا کیا حال تھا۔ تو اس کا جواب ملا کہ وہ خوش تھے۔ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ باین طور کہ وہ گھر میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں۔ گویا وہ اپنی خفت اور ذلت پہ راضی ہیں اور وہ اسے خود پسند کر رہے ہیں۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مُہر لگائی ہے یعنی انہیں ذلیل و خوار بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے انجام سے بالکل غافل ہو گئے۔ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ پس وہ ہمیشہ اپنے انجام سے بے خبر رہیں گے اس لیے کہ انہوں نے اپنی خساست طبع سے عجلت والے امر کو پسند کیا حالانکہ انہیں آخرت کے بہتر امر کو پسند کرتے اگرچہ اس کے لیے دیر کا معاملہ تھا۔

نکتہ: ارسطو نے لکھا کہ اعلیٰ منازل کی طرف ترقی کرنا مشکل اور بہت دیر سے بہرہ وری نصیب ہوتی ہے بخلاف خساست و رذالت کی طرف جھکنے کے کہ وہ آسان بھی اور جلد تر بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ برگزیدہ انسان کون ہے؟ آپ نے مٹی کی دو مٹھیاں بھر لیں اور پوچھا:

حکایت ان میں سے کون سی مٹی برگزیدہ ہے؟ اس کے بعد انہیں زمین پر پھینک دیا۔ فرمایا: تمام انسان مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں ان میں برگزیدگی کسی کو نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی برگزیدہ ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے۔

سبق: بلندی اور بزرگی تقویٰ و طہارت میں ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم راحت کو مجاہدہ پر اور خوشی کو رونے پر اور سرور کو غم پر قربان کر دیں۔

حدیث شریف: قیامت میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ انسان ہوگا جس نے دنیا میں حزن سے زندگی بسر کی اور بھوکا پیاسا رہا۔

فائدہ: کسی دانا نے کہا ہے، الدنیا سوق الاٰخرۃ دنیا آخرت کا بازار ہے۔ والعقل قائد الخیر عقل خیر و بھلائی کی قائد ہے۔ والمال رداء التکبر اور مال تکبر کی چادر ہے۔ والھویٰ مرکب المعاصی خواہشات نفسانی معاصی و جرائم کی سواری ہیں۔ والحزن مقدمۃ السرور اور حزن و ملال سرور کا مقدمہ اور تمہید ہے۔

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود

شد ہمزبان حق چو زبان کلیم سوخت

ترجمہ: ہر محنت راحت کا مقدمہ ہوتی ہے۔ جب کلیم کی زبان جل گئی تو اس کا ہم کلام خود اللہ تعالیٰ ہوا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت فرح و استہزاء کی وجہ سے ہے اور اہلِ اخلاص کی مدح حزن و بکا سے فرمائی ہے۔ منافقوں کو ضحک نے بکاء کثیر کی طرف اور اہلِ اخلاص کو حزن و بکاء ضحک وفیر کی طرف لے گئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تا نگرید ابر کے خندد چمن — تا نگرید طفل کے جوشد لبن

ہر کجا آب رواں سبزہ بود — ہر کجا اشک رواں رحمت بود

باش چوں دولاب نالاں چشم تر — تا ز صحن جان بر دید خضر

ترجمہ: جب تک بادل نہ روئے چمن نہیں کھلتا، جب تک بچہ نہ روئے ماں کے پستان دودھ نہیں دیتے۔ جہاں پانی چلتا ہے وہاں سبزہ اُگتا ہے جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں رحمت برستی ہے۔ اس لیے تم بھی بہت گریہ کرو تاکہ رحمتِ الٰہی نصیب ہو۔

ف: انسان کو جس امر سے روکا جائے اس کی طرف اس کا شوق مزید بڑھتا ہے۔ مثلاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب سائلوں سے کہا کہ میرے ہاں تمہارے لیے سواری نہیں تو وہ حضرات ازراہِ شوق روئے اور خُوب روئے۔ اسی طرح موسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیدار سے روکا تو اس میں بھی یہی راز تھا کہ اس میں موسٰی علیہ السلام کے شوقِ دیدار میں اضافہ ہو۔ پھر قانونِ قدرت ہے کہ شوق کے انجام پر مقصد و مطلب میں کامیابی بخشتا ہے جیسے سائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ابھی گزرا کہ بالآخر غزوۂ تبوک پہ جانے کے لیے انہیں اسباب میسر ہو گئے۔

صوفیانہ تقریر جیسے عالمِ صورت کے کوائف آپ نے پڑھے ایسے ہی عالمِ معنیٰ کا معاملہ ہے۔ جیسے عالمِ صورت میں پرندہ نہیں اڑ سکتا جب تک کہ اس کے پر نہ ہوں حالانکہ اس کے پر چند بال ہیں ایسے ہی عاشقِ حق کا حال ہے کہ وہ بھی عالمِ معنیٰ کی طرف نہیں اڑ سکتا جب تک اس کے پر نہ ہوں اور عاشقِ حق کے پر علم و عمل اور شوق الی المولیٰ اور توجہ الی الحضرت العلیا ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بہشت میں دو پروں سے اڑ رہے ہیں جہاں چاہتے ہیں انہی پروں سے اڑ کر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کے پاؤں کو پاؤں کو دیکھا جو خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

ف: امام منذری نے لکھا چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ کے دونوں ہاتھ راہِ حق میں کاٹے گئے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے عوض دو پر عطا فرمائے۔ اسی لیے ان کا لقب "ذوالجناحین" ہے اور آپ کو جعفر طیار بھی اسی لیے کہا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم حضرت سہیلی نے لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا حماقت ہے کہ ان کے دو پر ہیں تو ان کی شکل و صورت بھی پرندوں کی طرح ہو گی اس لیے کہ انسانی شکل اشرف الاشکال ہے بلکہ یہی اکمل الصور ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ اس روایت سے آدمی کی صورت اور شکل کی بزرگی واضح ہے بلکہ اس کی شرافت کی عظمت سے کسی کو شک نہیں اسی لیے ماننا پڑے گا کہ حضرت جعفر کی صورت آدمیت تبدیل نہیں ہو گی صرف ہاتھوں کی طاقت کے اندر وہ قوت بھر دی گئی جو اڑنے والے ملائکہ کی ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے تو پھر آدم کو اپنی صورت پر کیسے بنایا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ملکی صورت مراد ہے۔

دُوسری تقریر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو پروں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے موسٰی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واضمم یدك الیٰ جناحك۔ اس آیت میں جناح سے بازو، مونڈھے مراد ہیں۔ اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پروں سے ان کی قوت اور طاقت ملکی مراد ہے جسے تو سعاد مجازاً جناحین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری تقریر حضرت جعفر کے پروں سے پرندوں کے پروں پر قیاس کرنے میں غلطی ہوئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ملائکہ کے

---

[1] جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ طریقت میں نہ علم ضروری ہے نہ عمل۔ یہ ان کا ابلیسانہ خیال ہے۔ ۱۲۔ (اویسی غفرلہٗ)

پر ہیں لیکن اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ان کے پر ان پرندوں جیسے پر نہیں بلکہ وُہ ایک قوت معنوی ہے وصفات ملکیہ ہے جسے ہم اس وقت سمجھ سکیں گے جب انہیں دیکھیں گے۔ ان حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے لیے فرمایا، اولی اجنحۃ مثنٰی وثلٰث وربٰع ۔ جب فرشتوں کے تین تین چار چار پر ہیں تو وہ کون سا پرندہ ہے جس کے تین یا چار پر ہوں پھر چھ سو پروں والوں کا کیا حال ہوگا جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان پروں کی کیفیت غیر معلوم ہے ۔ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی خبر وارد ہوئی ہے ۔ ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان پروں کے متعلق ایمان لائیں لیکن ان کے متعلق غور وفکر نہ کریں، ہاں بعد موت کے اس کا مشاہدہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ موت کے وقت فرشتے اہلِ ایمان کے ہاں تشریف لاکر فرمائیں گے : ان لا تخافوا ولا تحزنوا والبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ، خوف نہ کھاؤ اور نہ غم بلکہ تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو جس کے لیے تمہیں وعدہ دیا گیا ہے، بعض کے سامنے اپنے پروں کو کھول کر انہیں کہیں گے آج اپنے رُوح نکالو آج کا دن وہی ہے جس میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (کذا فی فتح القریب) واللہ یھدی کل مؤمن ۔

دسویں پارہ کی تفسیر صاحب رُوح البیان نے ۲ ذوالحج سنہ ۱۱۰۱ھ کو اپنے دولت کدہ شہر بروسہ میں ختم کی اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس کا ترجمہ ۵ رجب سنہ ۱۳۹۶ھ شب اتوار بعد نماز عشاء اپنی مسجد سیرانی بہاولپور میں ختم کیا ۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔ فصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

فہرست مضامین پارہ نمبر ۱۰